وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ

رطب و یابس

مجموعہ مقالات و مضامین

نور احمد شاہتاز

ناشر
اسکالرز اکیڈمی
پوسٹ بکس 17887 گلشن اقبال، کراچی

بچوں کے لیے

مُختصر نصابِ

حدیث

تدوین و تالیف

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

اسکالرز اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر ۱۷۸۸۷، گلشن اقبال، کراچی۔ ۷۵۳۰۰

مکتبہ الجامعہ بنّسا العلوم
کڈھالہ، مجاہد آباد آزاد کشمیر براستہ گجرات

marfat.com

لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین
(القرآن)

رطب و یابس

مجموعۂ مقالات و مضامین

نور احمد شاہتاز

ناشر

اسکالرز اکیڈمی

پوسٹ بکس 17887 گلشن اقبال کراچی

100
65

marfat.com

صـ ۲۸۶

جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں

نام کتاب : رطب ویابس (مجموعہ مضامین)

مولف : پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

کمپوزنگ : حافظ محمد عابد

ہدیہ :

سنِ طباعت : اکتوبر ۲۰۰۳ء

ناشر : اسکالرز اکیڈمی

پوسٹ بکس 17887 گلشن اقبال کراچی

ملنے کے پتے

فریدی بک سینٹر اردو بازار کراچی، مکتبہ رضویہ آرام باغ کراچی،

مکتبہ غوثیہ سبزی منڈی نزد مرکز فیضانِ مدینہ کراچی،

مکتبہ ضیائیہ بوہڑ بازار راولپنڈی، مکتبہ قادریہ داتا دربار مارکیٹ لاہور،

مکتبہ کاروانِ قمر دار العلوم قمر الاسلام سلیمانیہ کرچی،

مکتبہ نعیمیہ' جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو' لاہور'

مکتبہ تنظیم المدارس جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

فرید بکسٹال' اردو بازار لاہور۔ حجاز پبلی کیشنز داتا دربار لاہور

ضیاء القرآن پبلی کیشنز' گنج بخش روڈ لاہور۔ اردو بازار کراچی

marfat.com

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وبہ نستعین..................

زیر نظر کتاب، میری ان تحریروں کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوتی رہی ہیں۔اس سے قبل فقہی نوعیت کے بعض مقالات ومضامین پر مشتمل میرا ایک مجموعہ ' شرعی حیثیت ' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ دوسرا مجموعہ مختلف مضامین پر مشتمل ہے، جن میں سے بعض میری طالب علمی کے دور کے لکھے ہوئے ہیں۔(دورِ طالب علمی سے مراد وہ دور ہے جب میں نے مختلف درس گاہوں میں باقاعدہ تلمیذ کی حیثیت سے اساتذہ کرام سے تعلیم وتربیت پائی،ورنہ طالب العلمی تو آج بھی ہے،اور طلبِ علم کا یہ سلسلہ انشاء اللہ اس حکمِ رسول ﷺ کے تحت کہ اطلبوا العلم من المھد الی اللحد تا حیات جاری وساری رہے گا)

ان مضامین کی اشاعت کا مقصد ان تحریروں کو ضائع ہونے سے بچانااور محفوظ کرنا ہے جو میری طالب علمانہ معلومات پر مشتمل ہیں۔اس سلسلہ کا تیسرا مجموعہ زیرِ ترتیب ہے جو"سفرِ زندگی" کے نام سے انشاء اللہ شائع ہوگا جس میں اپنے اعزہ،اساتذہ،احباب،اسفار، جن درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی، جہاں جہاں خدمات انجام دیں اور جن جن ملکوں اور شہروں میں قیام کیا سے متعلق تاثرات کا ذکرہ ہے۔ان مضامین میں بعض چونکا دینے والے انکشافات اور بعض حیران کن معلومات بھی شامل ہیں۔

زیر نظر مجموعہ مقالات جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے"رطب ویابس" (خشک وتر) پر مشتمل ہے،اس کے مشمولات میں بعض علمی و تحقیقی مضامین ہیں تو بعض معلوماتی و تاثراتی،بعض تحریریں فرمائشی ہیں جب کہ بعض ملکی وملی احوال کی آئینہ دار۔ اس میں عربی سے اردو تراجم بھی ہیں جو بعض رسائل وجرائد کے تقاضہ پر کیے گئے۔

ان مقالات کی اشاعت سے میرا مقصد نہ تو اپنا قد بڑھانا ہے اور نہ شہرت کا حصول

marfat.com

، ہاں اپنی تحریروں کو مستقبل کے نوجوانوں تک اس غرض سے پہنچانا چاہتا ہوں کہ ان میں بھی لکھنے پڑھنے کا رجحان پیدا ہو۔ اور ممکن ہے ان میں سے کوئی تحریر کبھی کسی کے کام آجائے۔

یہ مضامین جن جن رسائل وجرائد میں شائع ہو چکے ہیں ان کی فہرست بھی شامل اشاعت ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعاء گو ہوں کہ وہ ذاتِ باری مجھے ورع و تقوی کی تعلی علم کے غرور، سستی شہرت کے تکبر اور ہری ہری نظروں کے فیضانِ نظر سے بچائے۔ نیز اموال یتامی سے شخصیت سازی، اور اموال زکوۃ وصدقات سے تن پروری کے مجرمین کے شر سے محفوظ فرمائے۔

(آمین بجاہِ نبیہ الکریم علیہ افضل الصلوٰت والتسلیم)

نور احمد شاہتاز
یکم ستمبر ۲۰۰۳ء

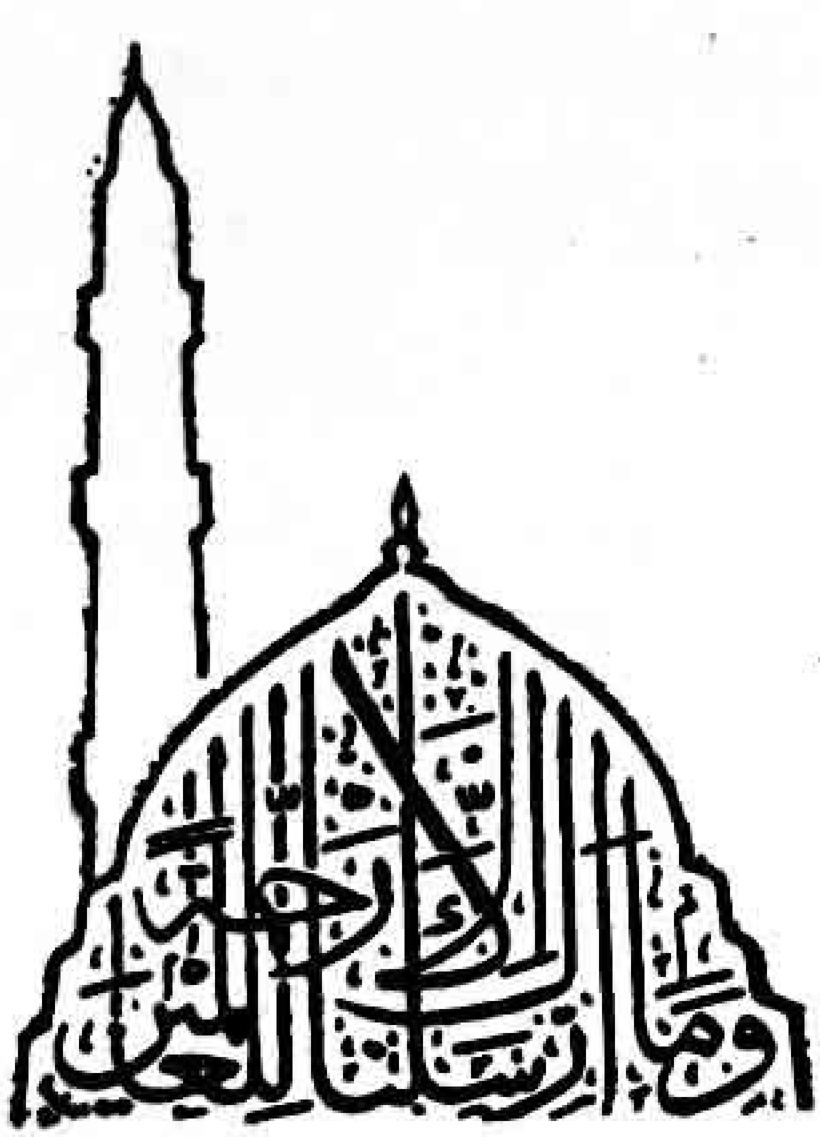

marfat.com

فہرس

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	☆ قرآن و سیرت سے متعلق مضامین	
۱	اعجاز القرآن	۷
۲	قرآن غیر مسلموں سے نفرت کا درس نہیں دیتا	۲۱
۳	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیتِ حکم و قاضی	۴۱
۴	نقش نعلینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات	۵۹
	☆ فقہی مضامین	
۵	اسلامی نظام حدود و تعزیرات کی حکمت	۶۷
۶	رحم کرائے پر لینے کی شرعی حیثیت	۷۱
۷	شکاگو تحریک اور شہادت کے تقاضے	۷۹
۸	رمضان المبارک تاریخی تناظر میں	۸۷
۹	نمازِ تراویح چند توجہ طلب پہلو	۹۱
۱۰	تعداد رکعت تراویح	۹۸
۱۱	ماہِ رجب کی مذہبی و تاریخی اہمیت	۱۰۳
۱۲	علامہ ابن سلام ہرویؒ	۱۱۱
۱۳	حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی افکار و نظریات	۱۲۵
	☆ شخصیات و بلاد	
۱۴	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور مولانا فضل حق خیر آبادیؒ	۱۳۷
۱۵	علامہ محمد ابو زہرہ مصری	۱۶۵

marfat.com

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۱۷۳	الشیخ علی طنطاوی	۱۶
۱۷۹	علامہ الشیخ عبدالفتاح ابو غدہ	۱۷
۱۹۵	ڈاکٹر عبدالجواد خلف	۱۸
۲۰۳	جہد مسلسل کی کہانی	۱۹
۲۱۱	برونائی	۲۰
۲۱۵	دور وینز ویلا میں	۲۱
۲۱۹	عمان سلطان قابوس کی قیادت میں	۲۲
	☆ مختلف النوع	
۲۲۷	انسانیت کی پستی	۲۳
۲۳۱	مقصد تخلیق پاکستان	۲۴
۲۳۹	عربی مدارس کے لاکھوں طلبہ سوال کرتے ہیں	۲۵
۲۴۵	دینی مدارس میں درجہ بندی کا نقصان	۲۶
۲۵۷	نظام تعلیم ایک جائزہ	۲۷
۲۶۱	جنگ خلیج کے خفیہ گوشے	۲۸
۲۸۵	سعودی عربیہ کا سیاسی بحران ٹل گیا	۲۹
۲۹۵	تہذیب آگہی	۳۰
۲۹۷	زوال امت مسلمہ یا آزمائش ما	۳۱

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعجاز القرآن: چند تابناک پہلو

"اعجاز القرآن" پر گفتگو کرنے سے قبل اس کے معانی اور عام فہم سا مفہوم بیان کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے تاکہ قارئین کو ہماری گفتگو کا محور پہلے ہی سے معلوم ہو جائے۔

اعجاز عربی کا لفظ ہے جو عجز یعجز سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہوتے ہیں لاجواب کر دینا، تھکا دینا کسی چیز پر قدرت نہ رہنا، بے بس کر دینا۔ قرآن کریم میں سورۂ سبا میں ہے:

وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ – (۱)

یعنی ایسے لوگ جو قرآن کریم میں اس لئے غور و فکر کرتے ہیں تاکہ اللہ کے کلام سے کوئی ایسی بات ڈھونڈ لائیں کہ جس پر اعتراض کر کے وہ اللہ کو لاجواب کر دیں۔ (الزجاج)

ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ – (۲)

اے کافروں کے گروہ، تم زمین و آسمان میں کسی معاملہ میں اللہ کو بے بس نہیں کر سکو گے۔

لسان العرب میں اس آیت کی شرح میں جو مختلف اقوال ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ زمین و آسمان میں وہ کہیں بھی چلے جائیں کسی معاملے میں بھی اللہ کو بے بس نہیں کر پائیں گے۔ (۳)

گویا اعجاز کے معنی ایسی صفت یا ایسا وصف ہے جس کی مثال پیش کرنے سے فریق مخالف عاجز ہو جائے، بے بس ہو جائے۔

یوں اعجاز القرآن کے معنی یہ ہوں گے قرآن کریم کی وہ خصوصیات جن کے آگے اس کے منکرین بے بس ہو گئے جس کا جواب پیش کرنے سے وہ عاجز آ گئے جس کا توڑ لانے کی ان میں قدرت نہ رہی۔ جس کے جادو کے سامنے ان کا جادو نہ چل سکا۔ ایسی صفات کہ ان جیسی صفات کسی اور کلام سے وہ پیش نہ کر سکے۔

marfat.com

مفسرین قرآن نے قرآن کریم کی ایسی متعدد صفات کا ذکر کیا ہے جن کا توڑ یا جن کا مقابلہ یا جن کا مماثل اس کے مخالف پیش نہ کرسکے اور یوں وہ اس کے آگے عاجز و مغلوب ہو کر رہ گئے یا بے بس ہو گئے۔

مگر تین یا چار صفات قرآن کریم کی ایسی ہیں. جو اعجاز القرآن میں بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی جو نویں صدی ہجری کے ایک ممتاز عالم اور ماہر علم القرآن گزرے ہیں نے بھی انہی تین چار صفات کو اپنی کتاب "الاتقان" میں سر فہرست رکھا ہے۔ ان میں پہلی صفت فصاحت و بلاغت ہے۔ (۴)

فصاحت و بلاغت

عربوں کی فصاحت و بلاغت نے نزول قرآن کے زمانے میں ہر طرف اپنی دھاک بٹھا رکھی تھی اور زبان دانی کے تمام اصول و قواعد سے وہ اس طرح واقف تھے کہ دنیا ان کے کلام میں سے کوئی بات خلاف قواعد تلاش نہ کر سکتی تھی۔ قادر الکلامی پر ان کو ایسا عبور تھا کہ ادبی محافل و مجالس میں ان کے فصیح و بلیغ خطبوں میں بلاغت کے جوہر دیکھ کر دنیا دنگ رہ جاتی تھی۔ اس میدان میں وہ لوگوں کو للکارا اور پکارا کرتے کہ کوئی آئے اور ان کا مقابلہ کرے۔ یہاں تک کہ ان کے شعراء نے منتخب فصیح و بلیغ کلام کے سات شہ پارے "سبع معلقات" کے نام سے کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیئے تھے اور دیگر اقوام و قبائل کو دعوت چیلنج دے رکھا تھا کہ کسی میں ہمت ہو تو وہ ان اشعار و قصائد جیسے بنا کر لائے اور پیش کرے۔

قرآن کریم وہ پہلی اور واحد کتاب ہے جس نے نہ صرف ان کے اس زعم کو توڑا اور ان کے قصائد کی فصاحت و بلاغت پر خاک ڈال دی، بلکہ آگے بڑھ کر مزید چیلنج دے دیا کہ اگر کسی میں ہمت ہے تو وہ اس جیسی دس سورتیں بنا لائے؟ ایک عرصہ تک اس چیلنج نے انہیں پریشان کیے رکھا۔ ارشاد ربانی ہے:

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ - (۵)

کیا کفار کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن خود) گھڑ لیا ہے، آپؐ

marfat.com

فرمایئے (اگر ایسا ہے) تو تم بھی لے آؤ دس سورتیں ایسی گھڑی
ہوئی اور بلالو (اپنی مدد کے لئے) جس کو بلا سکتے ہو اللہ تعالیٰ کے
سوا اگر تم (اس الزام تراشی میں سچے ہو)۔

اب فصحاء عرب ہر طرف سر پٹخ رہے ہیں۔ ہر روز کبھی تنہائی میں تو کبھی ادیبوں اور شاعروں کی مجلس میں طبع آزمائی ہو رہی ہے۔ چیلنج ہے اور دیا بھی اس نے جو امی لقب ہے اور ان کے خیال کے مطابق ان پڑھ ہے، جسے انہوں نے کبھی کسی مکتب و مدرسہ میں آتے جاتے نہیں دیکھا۔ جس کے ہاتھ میں انہوں نے کبھی لوح و قلم نہیں دیکھے، جس کو کبھی کسی شاعر، ادیب، فلسفی یا دانشور کے ہاں زانوئے تلمذ تہہ کرتے نہیں پایا۔

ذرا سوچیئے! اگر کسی ماہر فن کو کوئی عام سا آدمی جو اس فن کی شد بدھ بظاہر نہ رکھتا ہو چیلنج کر دے تو یہ اس کے لئے پیغام موت سے بھی زیادہ تکلیف دہ امر ہو گا۔ عرب اس چیلنج کو اپنی عزت نفس، اپنے علم، اپنی زبان دانی، اپنی خاندانی نجابت و شرافت پر براہ راست حملہ اور بڑا توہین آمیز و عبرت ناک حملہ سمجھنے لگے۔ مگر اس حملے کا جواب ان کے ادب میں نہ رہا تو "بے ادبی" پر اتر آئے۔

کبھی کہا یہ دیوانہ ہے، کبھی کہا یہ مجنون ہے، کبھی کہا یہ شاعر ہے، کبھی کہا نہیں نہیں شاعر تو ہم ہیں اسے شاعری کا کیا پتہ یہ تک بندی کرتا ہے، کبھی کہا یہ کسی سے سن کر اور سیکھ کر ایسی باتیں کرتا ہے۔ علی ھذا القیاس، جتنے منہ اتنی باتیں۔ اب عزت و ناموس پر ہونے والے اس زور دار حملے نے انہیں ایسا بدحواس کیا اور بے بس کیا کہ انہوں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بناتے ہوئے قتل کرنے اور راہ سے ہٹانے کا فیصلہ کیا۔

ابھی وہ ان تیاریوں میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے:

فَاَغْشَيْنَا هُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ - (٦)

والا معجزہ کر دکھایا۔ (۷) حضور اکرم ﷺ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور وہاں سے پھر اس چیلنج کا اعادہ کیا مگر اب کی بار فرمایا:

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِنْ
مِثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَاءَ كُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

marfat.com

صَادِقِيْنَ – (۸)

ہم نے اپنے بندے پر جو کچھ اتارا ہے اس میں اگر تمہیں شک ہو تو تم اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے مددگاروں کو بھی بلالو اگر تم سچے ہو۔

پھر ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتادیا:

فَاِنْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفعَلُوْا فَاتَّقُوْا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُ ھَاالنَّاسُ وَالنَّاسُ وَالحِجَارَۃِ – (۹)

پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہر گز نہ کر سکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔

لیجئے! یہ اب ان کے لئے نیا مسئلہ پیدا ہو گیا کہ دس سورتیں نہیں بلکہ ایک سورت ہی بنالائیں۔ الکوثر جتنی مقدار کی سورت ہی بنالائیں۔

مگر کہاں سے بنالائیں وہ تو پہلے ہی بتادیا کہ "ولن تفعلوا" (تم ہرگز ایسا نہ کر سکو گے)۔ کعبہ کی دیوار پر سورۃ الکوثر آویزاں کی گئی اور عرب کے سورما اس کے آخر میں یہ اضافہ کر کے چت ہو گئے کہ:

لیس ھذا من کلام البشر!

یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے اعجاز القرآن۔

تیرے آگے یوں ہیں دبے
فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں
نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

قرآن کا یہ اعلان اب تک قائم و دائم اور یہ چیلنج رہتی دنیا تک کے عربی دانوں اور ماہرین لغت و ادب کے لئے باقی و برقرار ہے۔

اس کلام کی فصاحت کی بات حضرت لبید بن ربیعہؓ سے پوچھئے۔ ابن قتیبہ کی کتاب "الشعر والشعرا" میں ہے کہ لبید سبع معلقات کے شعراء میں سے تھے (وہ سبع

marfat.com

معلقات جن کا ذکر ابھی ہم نے کیا کہ عرب شاعری کے نچوڑ پر مشتمل ے قصیدے جو کعبہ کی دیوار سے آویزاں تھے)، لبید نے اسلام قبول کر لیا ساٹھ برس اسلام میں زندہ رہے مگر اس عرصہ میں عرب کے اس نامی گرامی اور سات بلند پایہ شعراء میں سے یک استاذ شاعر نے ایک بھی شعر نہیں کہا۔(۱۰)

حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں ایک بار لبید پچھوایا کہ زمانہ اسلام میں کون سے اشعار کہے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا:

خدا نے شعر کے عوض مجھے سورۃ بقر و آل عمران دی ہے۔(۱۱)

یعنی اس سحر آفریں کلام کے بعد شاعری بے مزہ ہے۔

لغت کے امام اصمعی یعنی عبدالملک بصری (م ۲۱۰ھ) کہتے ہیں، میں نے ایک بچی کو فصیح اشعار پڑھتے ہوئے سن کر کہا!

تیرا خانہ خراب ہو تو اتنے فصیح اشعار کہتی ہے۔ اس نے کہا اصمعی میرے شعروں کی اب کوئی حیثیت نہیں اب اس کلام کو دیکھ کتنا فصیح ہے:

وَ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّ مُوْسٰى اَنْ اَرسضِعِيْهِ فِاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِيْ الْيَمِّ وَالاَ تَخَافِيْ وَالاَ تَحْزَنِيْ اِنَّا رَادُّوْهُ اِلَيْكَ وَجَا عِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ـ (۱۲)

کہا غور کرو اس ایک آیت میں فصاحت و بلاغت کا کتنا سامان ہے کہ اتنے مختصر کلام میں "دو امر دو نہی، دو خبریں اور دو بشارتیں ہیں۔(۱۳)

دو امر "ارضعیه والقیه فی الیم" (اسے دودھ پلاؤ اور دریا میں ڈال دو)

دو نہی "لا تخافی ولا تحزنی" (نہ ہراساں ہونا اور نہ غمگین ہونا)

دو خبریں "اوحینا اور خفت" (ہم نے الہام کیا اور جب تمہیں اندیشہ لاحق ہو)

دو بشارتیں "انا رادوہ الیک وجاعلوہ من المرسلین" (یقیناً ہم لوٹا دیں گے اسے تیری طرف اور ہم بنانے والے ہیں اسے رسولوں میں سے)

مندرجہ بالا آیت کریمہ فصاحت و بلاغت کا عظیم شاہکار ہے۔ بھلا ایسی آیات کی مثال کون پیش کر سکتا ہے۔

marfat.com

مگر اس کے باوجود ہر دور میں بعض لوگ اس کا توڑ پیش کرنے کی سعی توڑ کوشش کرتے رہے۔ امام امام ابن الجوزی (م ۵۹۷ھ) نے الوفافی سیرت المصطفیٰ میں لکھا ہے کہ ابن عقیل نے بیان کیا کہ ابو محمد بن مسلم مشہور نجومی (۵۹۷ھ) کہتے ہیں ہم اعجاز القرآن پر گفتگو کر رہے تھے کہ وہاں ایک فاضل شیخ موجود تھا۔ اس نے کہا قرآن میں ایسی کون سی چیز ہے جس سے فضلاء عاجز آ جائیں۔ میں ایسی کوئی چیز لکھوں گا کہ سب اس کے جواب سے عاجز ہو جائیں۔ پھر وہ کاغذ قلم لے کر بالا خانے میں چلا گیا۔ اور کہا تین دن کے اندر اندر لکھ کر لاؤں گا مگر تیسرے دن اسے دیکھا گیا تو اس کا ہاتھ کچھ لکھے بغیر سوکھ چکا تھا اور وہ سہارا لئے بیٹھا تھا۔ (۱۴)

مسیلمہ کذاب جس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا سورۃ الکوثر جیسی سورت بنانے کے لئے جو تک بندی کی عام سے عام شخص بھی اسے دیکھ کر اور پڑھ کر ہنسے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ ان تمام حقائق کے باوصف قرآن پر بعض لوگوں نے اعتراضات بھی کئے اور علماء نے بھرپور دفاع کیا۔ مثلاً قرآن کریم کے اعجاز کے حوالے سے ایک سوال یا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ فصیح و بلیغ کلام تو وہ ہوتا ہے جو مختصر اور جامع ہو، مگر قرآن میں انبیاء کے قصے طویل اور بار بار آتے ہیں؟ جیسے حضرت موسیٰ کا ذکر ایک سو بیس بار اور نوے آیتوں میں، جبکہ حضرت نوحؑ کا ذکر پچیس آیتوں میں ہے۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ تکرار کلام اس وقت فصاحت کے خلاف سمجھا جاتا ہے جب بے فائدہ ہو۔ علامہ بدرالدین ابن جماعہ لکھتے ہیں. کہ قرآن کریم میں ہر جگہ کوئی نہ کوئی نئی بات ضرور ہے اگرچہ واقعہ متعدد بار بیان ہو رہا ہے اور کچھ نہ ہو تو کلمات میں ضرور تبدیلی ہوتی ہے جو فصاحت ہی کا ایک رنگ ہے اس کے خلاف نہیں۔

دوسرا یہ کہ قرآن کریم سننے والے صرف چند اور مخصوص لوگ نہ تھے بلکہ مختلف اوقات میں مختلف لوگ آتے جاتے رہتے تھے اس لئے تکرار واقعات کا فائدہ یہ ہے کہ ہر آنے والے کو کچھ نہ کچھ حصہ اس واقعہ کا سننے کو ملتا جس کے سبب وہ باقی ماندہ کی جستجو میں رہتا۔

تیسرا یہ کہ ایک ہی واقعہ کو مختلف انداز اور مختلف پیرایوں میں بیان کرنے کا ایک الگ ہی لطف ہے جو قرآن کی فصاحت کا خلاصہ ہے۔ (۱۵)

marfat.com

گویا اعجاز القرآن کی ایک خصوصیت یا وجہ اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔

دوسری وجہ :

اعجاز القرآن میں یا دوسری خصوصیت اس کا اپنا اسلوب بدیع اور نظم ہے۔

اب یہ نظم قرآن کا اسلوب بدیع کیا ہے؟ سادہ لفظوں میں الفاظ اور آیات کی سیٹنگ کا اندازہ اور ان الفاظ و آیات کا عربوں کے اسلوب بیان سے ہٹ کر اور بڑھ کر ایک نئے انداز میں ترتیب پانا، اس کا اسلوب بدیع ہے۔

اس خوبی پر گفتگو کرتے ہوئے ایک روز ولید بن مغیرہ (دشمن خدا اور رسول) نے قریش سے کہا کہ حج کے دن قریب ہیں اب جو لوگ حج کو آئیں گے وہ ہم سے اس مدعی نبوت کے بارے میں پوچھیں گے، لہٰذ سب مل کر اس کے بارے میں جو کچھ یہ کہتا ہے اس کے بارے میں ایک متفقہ بات طے کرلو۔ قریشیوں نے مختلف آراء پیش کیں۔ کسی نے کہا ہم کہیں گے کاہن ہے۔ کسی نے کہا ہم کہیں گے دیوانہ ہے، کسی نے کہا ہم اسے شاعر بتائیں گے۔ کسی نے کہا نہیں ہم کہیں گے یہ جادوگر ہے، جادوگر مگر ہر ایک کی رائے کی تردید دوسرے نے کی۔ تا آنکہ ولید بن مغیرہ نے کہا'

> اللہ کی قسم! اس کے کلام میں بڑی حلاوت ہے، اس کلام کی اصل یا جڑ درخت خرا ہے اور اس کی فرع پھل ہے۔ اس طرح کی کوئی بات کہو گے تو لوگ سمجھ جائیں گے کہ جھوٹ ہے۔ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ ایک جادوگر ہے جو ایک ایسا کلام لایا ہے جو جادو ہے جس سے باپ بیٹے میں جدائی ہو جاتی ہے۔ (۱۶)

جی ہاں اس کلام کی تاثیر جادو سے کہیں بلند تر و اعلیٰ درجہ کی ہے اور اس کا نظم اور اسلوب ایسا ہے کہ کوئی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

تیسری صفت :

اعجاز القرآن کی، اس کا غیب کی خبریں دینا ہے۔

بے معنی مقفع و مسجع کلام بنا دینا، قصے و کہانیاں، ناول و افسانے تراش لینا کوئی بڑی بات نہیں مگر ایسا کلام جس میں حاضر و ماضی، مستقبل و مابعد الموت کی خبریں ہوں

marfat.com

کوئی کہاں سے لائے گا؟

منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی صداقت کی صفائی پیش کرتے تھے، قرآن نے کہا:

ویحلفون باللّٰہ انھم لمنکم وما ھم منکم و لکنھم قوم یفرقون۔ (۱۷)

اور قسمیں اٹھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں، لیکن وہ ایسی قوم ہیں جو ڈرتے رہتے ہیں۔

گویا منافقوں کے دل کا حال بتلا دیا کہ وہ تاثر تو یہ دیتے ہیں کہ وہ تمہیں میں سے ہیں یعنی مسلمان، جبکہ در حقیقت وہ تم میں سے (مسلمان) نہیں بلکہ وہ اس خوف سے کہ کہیں انہیں کوئی نقصان تم سے نہ پہنچ جائے تمہیں قسمیں کھا کھا کر اپنے مسلمان ہونے کی یقین دہانی کراتے رہتے ہیں۔

منافقوں کے دل کا حال علوم غیبیہ سے تعلق رکھتا ہے اور قرآن کا اعجاز ہے کہ وہ غیب کی خبریں دیتا ہے کسی انسان کے کلام میں یہ وصف کہاں؟

منافقین کا ایک انداز استہزا یہ ہے کہ وہ راعنا کہتے۔ قرآن نے ان کے دل کی نیت جان لی اور حضور اکرم ﷺ کو اللہ نے باخبر فرمایا چنانچہ آیت اتری:

یا ایھاالذین امنوا لا تقولوا راعنا و قولوا نظرنا۔ (۱۸)

اے ایمان والو: (میرے حبیب ﷺ سے بات کرتے ہوئے) ”راعنا“ نہ کہا کرو بلکہ ”انظرنا“ کہا کرو اور ان کی بات (پہلے ہی) غور سے سنا کرو۔

یہودی لوگ حضور ﷺ کی مجالس میں بیٹھا کرتے تھے۔ دستور یہ تھا کہ جب نبی اکرم ﷺ کوئی بات بیان فرماتے اور پیچھے بیٹھنے والوں میں سے کسی تک پوری بات پہنچ نہ پاتی یا وہ توجہ سے پوری بات سن نہ پاتا تو وہ کہتا ”یا رسول اللہ راعنا“ یعنی اے اللہ کے رسول ہماری رعایت فرمایئے از راہ کرم دہرا دیجئے۔ حضور اکرم ﷺ اس بات کو دہرا دیتے۔ مگر یہودی اسی لفظ کو غلط نیت سے بولتے کیونکہ عبرانی زبان میں راعنا کا لفظ اپنے اندر گستاخی و بے ادبی کا پہلو رکھتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان یہودیوں کے دل کی بات کی اطلاع کرتے ہوئے اس لفظ کا استعمال ہی ممنوع قرار دے دیا جس سے بے ادبی اور گستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔ (۱۹)

marfat.com

یہودیوں کے دل کی بات کا جان لینا اور اسے بیان کرنا علوم غیبیہ میں سے ہے اور یہ اعجاز القرآن ہے۔

غیب کی ایک اور خبر ملاحظہ ہو:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الاسْلَامَ دِیْنًا – (۲۰)

آج میں نے مکمل کر دیا تمہارے لئے تمہارا دین اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

اس آیت مبارکہ میں بظاہر تکمیل دین کی خوشخبری ہے مگر اس میں ایک اور اہم خبر بھی دی گئی ہے جسے سمجھنے کے لئے ابو بکرؓ و عمرؓ کی سی بصیرت چاہیئے۔ امام بغوی نے بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ اس کو سن کر رو دیئے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا عمر تم کیوں روتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم مجھے یہ بات رلا رہی ہے کہ اب تک تو ہمارا دین ترقی پذیر تھا اور اب کامل ہو گیا تو کمال کے بعد آئندہ نقصان (کے احتمال) کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا: یہ آیت رسول اکرم ﷺ کی وفات کی اطلاع تھی چنانچہ اس کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ صرف ۸۱ روز مزید اس دار فانی میں قیام فرما رہے اور پھر دار بقا کو تشریف لے گئے۔ (۲۱)

غیب کی ایک اور خبر:

واللہ یعصمک من الناس – (۲۲)

اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا۔

اس آیت کریمہ کے نازل ہونے سے قبل معمول یہ تھا کہ صحابہ نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے لئے پہرے داری کی خدمت انجام دیتے تھے۔ طبرانی نے حضرت عصمہ بن مالک خطمی کا بیان نقل کیا ہے کہ رات میں ہم رسول اللہ ﷺ کا پہرہ دیا کرتے تھے۔ آخر جب آیت:

marfat.com

واللہ یعصمک من الناس

نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے چوکی پہرہ چھوڑ دیا۔ (۲۳)

اس آیت مبارکہ میں گویا نبی کریم ﷺ کو یہ خبر دی گئی اور وعدہ کیا گیا کہ آپ ﷺ کی حفاظت ہم خود کریں گے آپ بلا خوف و خطر تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرتے رہیں۔

ہاں تو قرآن غیب کی خبر دیتا ہے۔ ارشاد ہے:

ومنهم من يقول ائذن لی ولا تفتنی الا فی الفتنة سقطوا و ان جهنم لمحيطة بالكافرين – (٢٤)

اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے (کہ میں گھر پر ٹھہرا رہوں) اور مجھے آزمائش میں (فتنہ میں) نہ ڈالیے) خبردار فتنہ میں تو وہ گر چکے ہیں اور بے شک جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔

اس آیت کریمہ کا نزول غزوہ تبوک کی تیاری کے مرحلہ میں ہوا۔ منافقین جو اس غزوہ میں شریک ہونا نہیں چاہتے تھے طرح طرح کے حیلے بہانے بنا کر پیش کر رہے تھے انہی میں سے ایک شخص جد بن قیس بھی تھا وہ اپنے دس ساتھیوں کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا اور کہا مجھے یہیں ٹھہرنے کی اجازت دیجئے، میری کچھ کھیتی باڑی کی زمین ہے میں اس کی وجہ سے معذور ہوں۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تیاری کرو تم فراخ دست ہو شاید (مال غنیمت میں) تم کو بنی الاصفر (اہل روم) کی کوئی عورت مل جائے۔ جد بن قیس نے کہا مجھے تو اجازت ہی دیجئے اور مصیبت میں نہ ڈالئے میری قوم والے واقف ہیں کہ کوئی بھی مجھ سے زیادہ عورتوں کا دلدادہ نہیں مجھے ڈر ہے کہ اگر میں رومی عورتوں کو دیکھ پاؤں گا تو اپنے آپ کو روک نہ سکوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف سے رخ پھیر لیا اور فرمایا ہم نے تمہیں اجازت دی۔ (۲۵)

اس آیت مبارکہ میں دیکھئے قرآن نے کس طرح منافق کے دل کی بات کھول دی کہ مصیبت میں پڑنے کا اندیشہ فقط بہانا سازی کے طور پر ظاہر کیا جا رہا ہے۔ درحقیقت مصیبت نفاق میں تو وہ پہلے ہی گرفتار ہے اور غزوہ میں شرکت سے فرار کے لئے حیلہ

marfat.com

سازی سے کام لے رہا ہے۔ ایسے لوگوں کا انجام جہنم ہے۔ یہ قرآن کریم ہی کا اعجاز ہے کہ وہ اس طرح کی خبریں بھی بیان کرتا ہے جو غیب سے متعلق ہیں۔

چوتھا اعجاز یا وصف:

اعجاز تاثیر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرايته خاشعا متصدعا من خشية الله – (۲۶)

اگر ہم نے اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو آپ دیکھتے کہ وہ جھک جاتا اور پاش پاش ہو جاتا اللہ کے خوف سے۔

اس آیت مبارکہ میں قرآن کریم کی تاثیر کا بیان ہے وہ تاثیر جس نے حضرت عمرؓ جیسے بہادر و جرأتمند لوگوں کے دل اسلام کے لئے موم کر دیئے۔ وہ تاثیر جو رؤساء قریش کو چھپ چھپ کر قرآن کی سماعت پر مجبور کرتی تھی اور وہ تاثیر کہ جس نے اعدائے اسلام کو اعضائے ریاست اسلام میں بدل ڈالا۔

قرآن کریم کے اعجاز کی ان اقسام کی اس قدر مثالیں ہیں کہ کسی کلام کے معجز نما ہونے کی ایسی مثالیں پیش نہیں کی جاسکتیں نہ تورات کی نہ انجیل کی اور نہ زبور کی نہ صحف ابراہیمی کی۔ اور ایسی خوبیاں کسی انسانی کلام میں ہونا ممکن اور بعید از قیاس ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن ایک معجز نما کتاب ہے جس کے مقابلے اور معارضے کی کوئی تاب نہیں رکھتا۔ قابلِ غور ہے یہ بات کہ ایک ایسی قوم جس کے پاس ایسی کتاب ہدایت ہو جس نے دنیا بھر کے انسانوں کو مقابلہ و معارضہ سے عاجز کر دیا ہو اور جس کی نظیر رہتی دنیا تک پیش نہ کی جاسکتی ہو، جس میں تحریف تا قیامت نہ ہوسکتی ہو جس کے احکامات ابدی و آفاقی ہوں، ایسی کتاب کی حامل و مالک قوم پستی کا شکار ہو رہی ہو جبکہ وہ کتاب اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر باور کرا رہی ہے کہ:

وانتم الا علون وانتم الا علون–

تمہی غالب ہو تمہی غالب ہو،

ان كنتم مومنين

marfat.com

اگر تم مومن ہو اور تمہی سربلند ہو اور اللہ معکم خدا تمہارے ہی ساتھ ہے۔

کتنے دکھ کی بات ہے کہ جس قوم کا نگہبان خود رب کائنات ہو وہ اقوام عالم کے سامنے ذلیل و رسوا ہو رہی ہو آخر ایسا کیوں ہے؟

اس لئے کہ: اللہ تو اس قوم کے ساتھ ہے مگر اس قوم نے اپنا تعلق اللہ سے توڑ لیا ہے۔ "ان کنتم مومنین" کا تقاضا ہیں یقین جانئے ہماری پرائیویٹ لائف میں قرآن کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت جتنی آج ہے اتنی شاید پہلے کبھی نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کتاب مبین کو سمجھنے، عمل کرنے اور اپنے اوپر اسے نافذ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سورۃ السبا، آیت ۵،

۲۔ سورۃ العنکبوت، آیت ۶۲،

۳۔ علامہ ابن منظور افریقی، لسان العرب زیر کلمہ "عجز"

۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ج ۲، ص ۳۶۵،

۵۔ سورۃ ہود، آیت ۱۳،

۶۔ سورۃ یٰسین، آیت ۹،

۷۔ سورۃ یٰسین شریف کی آیات طیبات کی تلاوت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ اس حصار کو توڑ کر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کے لئے گھر سے نکلے جو کفار نے آپ کے کاشانہ اقدس کے باہر شب ہجرت بنا رکھا تھا۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کتب تفسیر و سیرت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"حضور اکرم ﷺ اس وقت سورۃ یٰسین کی تلاوت فرما رہے تھے جب اس آیت کی تلاوت کی وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سداً فاغشیناھم فھم لا یبصرون ۔ تو ان پر پھونک دیا، فوراً بینائی سلب ہو گئی، نیند غالب آ گئی اور اونگھنے لگے انہی لمحوں میں ان کے نرغے کو توڑتے ہوئے اپنے رب قدیر کی امان میں

marfat.com

حضور اکرم ﷺ خیریت سے تشریف لے گئے۔"

۸۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۳،

۹۔ سورۃ البقرۃ، آیت ۲۴،

۱۰۔ ابن قتیبہ، الشعر والشعراء، زیر ترجمہ "لبید"

۱۱۔ ابو عبداللہ بن سلام جمحی، طبقات الشعراء، نیز سیر الصحابہ، ج ۷/ ص ۲۰۵،

۱۲۔ سورۃ القصص، آیت ۷،

۱۳۔ امام القرطبی، تفسیر قرطبی، جزء ۱۳، ص ۲۵۲،

۱۴۔ ابن الجوازی، الوفاء فی سیرۃ المصطفیٰ، ص ۳۱۶،

۱۵۔ ڈاکٹر عبدالجواد خلف، القاضی بدر الدین ابن جماعۃ حیاتہ و آثارہ، ص ۲۹۳، نیز الزر کشی، البرہان فی علوم القرآن، ج ۱/ ص ۱۱۲،

۱۶۔ البیہقی، دلائل النبوۃ، والخطابی، بیان اعجاز القرآن، ص ۶۴۔۶۵، نیز بکری امین، التعبیر الفنی فی القرآن، ص ۶،۵،

۱۷۔ سورۃ التوبہ، آیت ۵۶،

۱۸۔ سورۃ بقرہ، آیت ۱۰۴،

۱۹۔ تفسیر ابن کثیر و جملہ کتب تفسیر زیر آیت ۱۰۴، بقرہ،

۲۰۔ سورہ مائدہ، آیت ۳،

۲۱۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، زیر آیت ۳، سورۂ مائدہ،

۲۲۔ سورہ مائدہ، آیت ۶۷،

۲۳۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، زیر آیت ۶۷، سورۂ مائدہ،

۲۴۔ سورۂ توبہ، آیت ۴۹،

۲۵۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، زیر آیت ۴۹، سورۂ توبہ،

۲۶۔ سورہ حشر، آیت ۲۱،

marfat.com

شرعی حیثیت

(MMG) کی

کے کاروبار کی

مزید نکاح کی

بیعت وابستگی کی

تدوین و تصنیف

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

اسکالرز اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر ۱۷۸۸۷، گلشن اقبال، کراچی۔ ۷۵۳۰۰

marfat.com

قرآن غیر مسلموں سے نفرت کا درس نہیں دیتا

(یہ مقالہ بین الاقوامی ریسرچ جرنل کے لئے لکھا گیا)

الحمد لمن خلقنا من بني آدم وجعلنا من المسلمين وانزل كتابه المبين وسماه بقرآن الكريم ، فجعل فيه ہداية للعالمين ثم الحمد لمن ہدانا الى صراط مستقيم وامرنا ان لا نتنفر من غير المسلمين بقوله ياايها الناس انا خلقناكم من ذكر وانثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعافوا ان كرمكم عندالله اتقاكم ...... والصلوة والسلام على من كان عنده مودة ورحمة للمسلمين و لغير المسلمين ، وقيل فيه وما ارسلناك الا رحمة للعالمين اما بعد ....

قرآنِ کریم بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے نازل ہوا، اور اس کے نازل کرنے والے نے بھٹکے ہوئے انسانوں کو راہِ راست پر لانے اور جادۂ مستقیم پر گامزن کرنے کے لئے یہ قرآن اپنے ایسے رسول مکرم ﷺ پر نازل کیا جو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے۔ قرآن کے اولین مخاطب وہ غیر مسلم تھے جنہیں قرآنی تعلیمات کی روشنی اور اسوہ حسنہ کے نورِ مودت و رحمت نے کفر سے اسلام میں لا کھڑا کیا۔ قرآن نازل کرنے والے نے اپنے محبوب بندے کو روزِ اول سے ہی یہ باور کرا دیا تھا کہ ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة (النحل:۱۲۵) .... کہ لوگوں کو اپنے رب کی جانب حکمت و موعظت بھرے انداز سے دعوت دیجئے، اور حکمت و موعظت کا انداز اس بات کا متقاضی ہے کہ جنہیں نصیحت کی بات بتائی جاتی ہے ان سے نفرت نہیں محبت کی راہ اپنائی جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جناب سرورِ کونین ﷺ قریش کے جری تر غیر مسلم نوجوانوں سے نفرت کی بجائے پیار کرتے نظر آتے ہیں۔

marfat.com

غیر مسلموں سے قرآن اور صاحبِ قرآن رسول ﷺ کی مروت و مودت :

حبِ صادق کا معیار قلبِ صادق سے محبوب کی خیر خواہی ہے، قرآن کہتا ہے : لعلك باخع نفسك الا یکونوا مؤمنین (الشعرا : ۳) اے نبی ﷺ ان لوگوں کے اس غم میں کہ وہ ایمان کیوں نہیں لا رہے شاید آپ اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے۔ کسی کے غم میں گھلنا، رونا ،دل سے دعائیں کرنا، اور پریشاں ہونا نفرت کے سبب نہیں محبت کی راہ سے ہی ہو سکتا ہے، جنابِ رسول اللہ ﷺ غیر مسلموں کے اسلام قبول نہ کرنے پر کس قدر رنجور تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کیفیت کو محسوس فرماتے ہوئے بایں الفاظ دہرایا فلعلك باخع نفسك علی آثارہم ان لم یؤمنوا بهذا الحدیث اسفا () کہ کیا آپ فرطِ غم سے اپنی جان کو تلف کر دیں گے اگر وہ اس قرآنِ کریم پر ایمان نہ لائیں۔

اس محبوب ربِ العالمین صاحبِ شانِ رحمۃ للعالمین کی دلربائی کا منظر مشاہدہ کیجئے کہ ادھر جور و جفا کا یہ حال کہ کسی معقول بات پر غور تک کرنے کو تیار نہیں بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہیں اور ادھر رافت و رحمت کا یہ عالم کہ ہر قیمت پر انہیں ہلاکت کے گرداب میں گرنے اور جہنم رسید ہونے سے بچانے کا خیال بے کل کیا رکھتا ہے۔ مسجد حرام کے صحن میں بازارِ مکہ کی ہنگامہ پرور فضاؤں میں ان کی نشست گاہوں میں اور ان کے خلوت کدوں میں جا جا کر انہیں سمجھایا جا رہا ہے وہ بار بار جھڑکتے ہیں ناراض ہوتے ہیں بھڑکتے ہیں لیکن اخلاص و محبت کا یہ چشمہ رواں ہی رہتا ہے جب رات کی خاموشی چھا جاتی ہے ساری آنکھیں محوِ خواب ہوتی ہیں تو یہ اٹھتا ہے اپنا سرِ نیاز بارگاہِ بے نیاز میں جھکاتا اور اللہ تعالیٰ سے رو رو کر ان کی ہدایت کے لئے درد و سوز میں ڈوبی ہوئی التجائیں کرتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ہدایت کی روشنی سے محروم رہا تو اس کی جان پر بن آئے گی۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی اس بے چینی اور اضطراب کو دیکھتا ہے جس میں کوئی ذاتی منفعت نہیں وہ ان آہوں کے سوز سے واقف ہے وہ ان آنسوؤں کو جانتا ہے جو اس کے محبوب کی چشمِ مازاغ کی پلکوں پر جھلملاتے ہیں؟ اور پھر اس کے حضور اس کی رحمت کی بھیک مانگنے کے لئے گر پڑتے ہیں یہ بے خوابیاں، یہ بے تابیاں کیا

marfat.com

کسی نفرت کا پتہ دیتی ہیں ؟ نہیں نہیں یہ تو وہ محبت ہے جسے حب صادق کے سوا کوئی دوسرا نام دینا گناہ ہے کہ محبوبِ خدا ﷺ غیر مسلموں کو مسلم دیکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ جہنم کی آگ سے بچ جائیں، وہ غضب الٰہی کا نشانہ نہ بننے پائیں اور وہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکیں ،کوئی شخص جب کسی کی دنیا و آخرت کی بہتری کا خواہاں ہو تو اسے اس شخص سے نفرت کرنے والا کوئی نہیں کہہ سکتا، اور نہ اس کی دعاہائے نیم شبی کو شبہ کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے۔ جب صاحبِ قرآن کا طرزِ عمل غیر مسلموں کے حوالہ سے یہ ہو تو پھر مسلمانوں کو یہ دوش دینا کہ تمہارا قرآن مسلمانوں کو غیر مسلموں سے نفرت سکھاتا ہے جہالت و ضلالت اور قرآن سے تعصب کے سوا کچھ نہیں۔

غیر مسلموں کے لئے بعثتِ رسول ﷺ اور قرآن :

قرآن کریم نے غیر مسلموں کی طرف اپنے رسول کو مبعوث کرتے ہوئے یہ مژدہ سنانے کا حکم دیا **قل یا ایھا الناس انی رسول الله الیکم جمیعا الذی له ملك السموات والارض (الاعراف ۱۵۸)**

اے حبیب ﷺ لوگوں سے فرمادیجئے اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں اس اللہ کا جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمینوں پر قائم ہے۔

- جس قرآن کا مخاطب تمام انسان ہوں اور جو رسول تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہو وہ کسی طبقہ سے نفرت وعداوت کا درس کیونکر دے سکتا ہے۔ اگر یہ غیر مسلموں سے نفرت کا سبق دیتا تو پھر اس کا مخاطب غیر مسلم کیسے بن سکتے اور جب غیر مسلم اس کا مخاطب ہی نہ بن سکتے تو پھر اس کے ذریعہ تبلیغ واصلاح کس کی مطلوب ہوتی ؟

غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور قرآن :

قرآن مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے **والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس** یعنی وہ غصہ کے پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے

marfat.com

ہوتے ہیں۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ قرآن نے اپنے ماننے والے (مومنین) کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ دوسروں کے لئے اپنے اندر برداشت Tolerance پیدا کریں صرف یہی نہیں بلکہ معاشرہ کے غیر مسلم ضرورت مندوں کی کفالت بھی کریں، اپنے مال میں سے ان پر خرچ کریں اور اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ وہ ہدایت پر نہیں۔

غیر مسلم حاجتمندوں کی مالی اعانت اور قرآن :

غیر مسلموں کی مالی اعانت کے سلسلہ میں حکم نازل ہوا، ليس عليك هداهم ولكن الله يهدى من يشاء وما تنفقوا من خير فلانفسكم وما تنفقون الا ابتغاء وجه الله وما تنفقوا من خير يوف اليكم و انتم لا تظلمون (البقرة ۲۷۲) یعنی (اے حبیب ﷺ) ان کو سیدھی راہ چلانے کی ذمہ داری آپ پر نہیں بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ چلاتا ہے اور جو کچھ تم اپنے مال سے اللہ کی راہ میں خرچ کروگے تو اس کا فائدہ تمہی کو پہنچے گا، اور تم تو خرچ ہی محض اللہ کی رضا کی خاطر کرتے ہو سو تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو اس کا تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اس آیت کریمہ کا شانِ نزول مفسرین نے یہ بیان کیا ہے کہ انصار کے کئی رشتہ دار اسلام نہیں لائے تھے اور انصار ان کی مالی مدد کرنا چاہتے تھے لیکن اس خیال سے نہ کرتے کہ وہ مسلمان نہیں اور خود حضور نبی کریم ﷺ نے بھی مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ مسلمان فقراء کو ہی اپنے صدقات دیا کریں اس آیتِ کریمہ سے حکم ملا کہ ان کے کفر کی وجہ سے انہیں بھوکا مرتے دیکھتے رہنا آپ کی رحمت کے خلاف ہے چنانچہ اس کے بعد مسلمان غیر مسلموں کو بھی صدقاتِ نافلہ دینے لگے (ضیاء القرآن جلد ا ص ۱۹۱) ابنِ کثیر نے ایک روایت بیان کی ہے کہ فامر (رسول الله ﷺ) بالصدقة بعدها على كل من سالك من كل دين) کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کسی بھی دین کے ماننے والے تم سے سوال کریں تو تم ان پر اپنا مال خرچ کرو۔

marfat.com

علامہ قرطبی فرماتے ہیں : هذا الكلام متصل بذكر الصدقات فكانه بين فيه جواز الصدقة على المشركين(قرطبى الجامع لاحكام القرآن ۳۳۷/۲)یہ آیت صدقات کے ذکر سے متصل ہے گویا اس میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ مشرکین پر صدقہ (نافلہ) کرنا جائز ہے۔

اسلام نے غیر مسلم رعایا کا کس قدر خیال رکھا ہے کہ عید کے موقع پر حکم ہے کہ اپنے غیر مسلم غلام کا بھی صدقہ فطر ادا کرو دیکھئے نصب الرایہ ج ۲/ ص ۴۱۲ اور ہدایہ میں ہے ويؤدى المسلم الفطرة عن عبده الكافر(ہدايه ج ۱/ ۱۸۹)

پرامن غیر مسلم شہریوں سے حسنِ سلوک اور قرآن :

قرآنِ کریم نے غیر مسلموں کو دو بنیادی اقسام میں تقسیم کیا ہے، ایک وہ غیر مسلم جو اسلام کے نظامِ فکر و عمل سے اختلاف رکھتے ہیں اور ان کا رویہ مسلمانوں سے دشمنانہ ہے دوسرے وہ جو نظامِ فکر و عمل سے اختلاف کے باوجود اسلامی ریاست کے پرامن شہری بن کر رہنا پسند کرتے ہیں، پہلی قسم کے لوگ جیسا کریں گے ان کے ساتھ ویسا ہی کیا جائے گا مگر اس میں بھی اسلامی وقار پیشِ نظر رہے گا۔ دوسری قسم کے لوگ مسلم ریاست کے پرامن شہری ہونے کے ناطے مسلمانوں جیسے حقوق پائیں گے۔ چنانچہ سورۃ ممتحنہ میں ہے : لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبروهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين () انما ينهاكم الله عن الذين قاتلوكم فى الدين واخرجوكم من دياركم وظاهروا على اخراجكم ان تولوهم ومن يتولهم فاولئيك هم الظالمون (الممتحنه ۸، ۹) یعنی اللہ تعالی تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو اور عدل وانصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے

marfat.com

گھروں سے نکالا۔ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو تمہیں ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے اخراج میں ایک دوسرے کی مدد کی۔ ان سے جو شخص دوستی کرے وہی ظالم ہے۔

گویا اسلامی ریاست کا جن قبیلوں قوموں اور ملکوں سے صلح و آشتی کا معاہدہ ہوگا ان کے ساتھ عدل و انصاف اور رواداری ہی کا نہیں بلکہ بر و احسان کا برتاؤ کیا جائے گا۔

علامہ ابن جریر طبری نے لکھا ہے کہ اس کی بہترین توجیہ یہ ہے کہ کسی بھی دین و ملت کے وہ افراد جو برسرِ جنگ نہ ہوں ان کے ساتھ عدل و انصاف اور حسن سلوک کیا جائے گا۔

ذمی جو اسلامی ریاست کا شہری ہوتا ہے اس کے دکھ درد میں شریک ہونا اور مشکلات میں اس کی مدد کرنا ایک معروف اسلامی اصول ہے کیا یہ کسی نفرت کی بناء پر ہے؟ ہاں حربی غیر مسلموں کا معاملہ اس لئے مختلف ہے کہ وہ مسلمانوں سے نبرد آزما ہیں سو نبرد آزما دشمن سے وہی سلوک کیا جائے گا جس کا وہ مستحق ہے۔ مگر اس کے باوجود قرآن دشمنوں سے بھی احسان کا برتاؤ کرنے کا حکم دیتا ہے کیا یہ دشمن سے احسان نہیں کہ دشمن کے جنگجو افراد کی ماؤں بہنوں اور بیٹیوں سے تعارض نہ کیا جائے؟ کیا یہ احسان نہیں کہ دشمن قوم کے بزرگوں (ضعیفوں) کو نشانہ نہ بنایا جائے؟ کیا یہ احسان نہیں کہ دشمن کی سرزمین کے درختوں کو کاٹا اور باغات کو خراب نہ کیا جائے؟

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تو قرآنی احکامات کی روشنی میں غیر مسلموں سے احسان کے یہاں تک قائل ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ غیر مسلم کے حربی یا ذمی ہونے کے باوجود اس کی مدد کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

marfat.com

غیر مسلم اسیروں سے سلوک اور قرآن :

قرآن کریم نے غیر مسلم اسیروں (قیدیوں) کے بارے میں جو ہدایت دی ہے وہ بذاتِ خود اس بات پر شاہد ہے کہ قرآن غیر مسلم دوستوں سے تو کیا غیر مسلم دشمنوں سے بھی عمومی حالات میں نفرت کا درس نہیں دیتا الا یہ کہ وہ خود کوئی ایسا اقدام کریں جو ان سے طبعی نفرت کا باعث بن جائے، قرآن کہتا ہے : ویطعمون الطعام علی حبه مسکینا و یتیما واسیرا انما نطعمکم لوجه الله لا نرید منکم جزاء ولا شکورا (الدہر ۸۔۱۰)

یعنی وہ اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو تمہیں محض اللہ کی رضا کی خاطر کھلاتے ہیں ورنہ ہمیں تم سے اس کا نہ تو کوئی صلہ مطلوب ہے اور نہ ہی ہم تمہارے شکریہ کے خواہش مند ہیں۔

اس آیت طیبہ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے لئے اس میں کس قدر محبت بھرے جذبات ہیں، غیر مسلم کو کھلانے پلانے کا اجر حبِ خداوندی قرار پا رہا ہے، کہا گیا وہ اللہ کی محبت میں کھلاتے ہیں یعنی اللہ کی محبت پانے کے لئے کھلاتے ہیں گویا کھائیں گے غیر مسلم مسکین و یتیم واسیر اور کھلانے والے (مسلم) کو صلہ حبِ خداوندی ورضائے الٰہی کی صورت میں ملے گا۔ علامہ ابو عبید کہتے ہیں : ان الله قد حمد علی اطعام المشرکین فی هذه الآیة (ابو عبید کتاب الاموال ص ۵۴۳) یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین کو کھلانے پر مومنین کی تعریف کر رہا ہے۔ امام قرطبی اس قول کو ایک جامع قول قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مشرک قیدی کو کھلانا بھی اللہ تعالیٰ سے قربت کا ذریعہ ہے البتہ اس پر خرچ فرض صدقات سے نہیں نفل صدقات سے کیا جائے گا (قرطبی الجامع لاحکام القرآن ۱۹، ۱۲۹)

غیر مسلموں سے حسن سلوک کا اندازہ کیجئے کہ مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ غیر مسلم قیدی

marfat.com

ہو کر تمہارے قبضہ میں آگیا ہے تو یہ مت سمجھو کہ اب اس سے جو چاہو تم [illegible] سلوک کرو، (چاہو تو انہیں پنجروں میں بند کر کے جزیرہ گوانٹامومیں رکھو اور چاہو تو [illegible] بھوکا پیاسا تڑپا تڑپا کر مارو،) ہر گز نہیں بلکہ جب تم زبردست اور وہ تمہارے زیر دست ہو جائیں تو ان کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت تمہاری ذمہ داری ہے اب انہیں مجرم اور گناہ گار سمجھ کر ان سے نفرت وحقارت کا برتاؤ نہ کرو بلکہ ان کی انسانیت کا خیال کرتے ہوئے ان سے ہمدردی کا سلوک کرو۔

مشہور تابعی حضرت عکرمہ مفسرِ قرآن نے یہاں اسیر سے مراد غلام لیا ہے اور غلام اس زمانے میں مسلمانوں کے ہاں کافرو مشرک ہی ہوا کرتے تھے۔ غلامی ایک طرح کی قید ہے غلاموں کو غیر ملکی قیدی کہا جاسکتا ہے جو بے چارے نہ جانے کہاں سے اٹھائے گئے اور کہاں فروخت کیے گئے۔ اور غلاموں سے حسن سلوک جو قرآن نے سکھایا ہے وہ کسی مذہب کی کتاب میں نہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس تو فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اسیر سے مراد مشرک قیدی ہی ہیں، **الاسیر من اھل الشرک یکون فی ایدیھم** (اسیر سے مراد اہل شرک کے وہ قیدی ہیں جو مسلمانوں کے ہاتھ لگیں) حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اور فرماتے ہیں **لقد امراللہ بالاسری ان یحسن الیھم وان اسراھم یومئذ لاھل الشرک** (قرطبی الجامع لاحکام القرآن ۱۹/ ۱۲۹) کہ اللہ تعالی نے قیدیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے اور اس دور میں مسلمانوں کے قیدی اہل شرک ہی ہوا کرتے تھے۔ ابنِ جریج کا قول ہے کہ **لم یکن الاسیر یومئذ الا من المشرکین** کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کے قیدی مشرکین ہی ہوا کرتے تھے۔ علامہ ابو بکر جصاص کی رائے بھی یہی ہے قرطبی فرماتے ہیں کہ اسیر کا لفظ عام ہے اس سے مراد مشرک قیدی بھی ہیں خواہ وہ حربی ہوں یا اہل قبلہ میں سے جو کسی بھی جرم میں ماخوذ [illegible] ہوں۔

صاحب قرآن رسول ﷺ نے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں غیر مسلم قیدیوں

marfat.com

سے حسن سلوک کی جو تعلیم دی وہ یہ بات سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ قرآن غیر مسلموں سے نفرت نہیں سکھاتا، حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے، کان رسول الله ﷺ یوتی بالاسیر فیدفعه الی بعض المسلمین فیقول احسن الیه فیکون عنده الیومین والثلاثه فیوثره علی نفسه یعنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کوئی قیدی پیش کیا جاتا تو آپ ﷺ اسے کسی مسلمان کے سپرد فرماتے اور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم فرماتے۔ یہ قیدی دو تین دن تک اس کے پاس رہتا اور وہ مسلمان اس کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دیتے ہوئے اس کا خاص خیال رکھتا تھا۔ (زمخشری: کشاف ۴/ ۱۹۶)

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی ابو عزیز بن عمیر کہتے ہیں کہ وہ جنگ بدر میں نضر بن حارث کے بعد مشرکین کے علمبردار تھے گرفتار ہوئے اور قیدیوں میں لائے گئے، انہیں انصار میں سے بعض کے سپرد کیا گیا فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی نصیحت کا یہ اثر تھا کہ صبح و شام کھانے کے وقت مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور کھا کر گزارہ کرتے ان میں سے کسی کو روٹی کا کوئی ٹکڑا میسر آتا تو وہ مجھے پیش کرتا اور خود اسے ہاتھ نہ لگاتا۔ ان کے اس حسنِ سلوک سے مجھے شرمندگی ہونے لگتی (ابن ہشام: سیرت النبی ﷺ ۲/ ۲۵۶)

غیر مسلم پڑوسی اور قرآن:

قرآن کریم میں ہے واعبدوالله ولا تشرکوا به شیئا و بالوالدین احسانا وبذی القربی والیتامی والمساکین والجارذی القربی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم ان الله لا یحب من کان مختالا فخورا (النساء ۳۶) یعنی اللہ کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں کے ساتھ مسکینوں کے ساتھ اور رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور غیر رشتہ دار پڑوسی کے ساتھ اور ہم مجلس اور مسافر کے ساتھ، اور اپنے غلاموں (زیردستوں) کے ساتھ حسن سلوک کرو

marfat.com

بے شک اللہ تعالیٰ مغرور و متکبر (مفتخر) لوگوں کو پسند نہیں فرماتا۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں فالوصاة بالجار مامور بها مندوب اليها مسلما كان اوكافرا نیز فرماتے ہیں کہ قال العلماء الاحاديث الواردة فى اكرام الجار جاء ت مطلقة غيرمقيدة حتى الكافر (قرطبی الجامع لاحكام القرآن ١٨٤/٥) یعنی علماء نے کہا ہے کہ پڑوسی کے حقوق کے سلسلہ میں جو احادیث آئی ہیں وہ مطلق ہیں ان میں کوئی قید نہیں یہاں تک کافر کی بھی قید نہیں۔ گویا قرآن و سنت نے غیر مسلم پڑوسی سے نفرت نہیں محبت سکھائی ہے۔

غیر مسلموں کا طعام اور قرآن :

غیر مسلموں سے میل جول میں ان کے ہاتھ کا کھانا پینا اور روزمرہ کے استعمال کی اشیاء کا معاملہ اہم ہے، قرآن کریم نے یہ نہیں کہا کہ غیر مسلموں کی کھانے پینے کی اشیاء سے نفرت کرو یا ان کی مصنوعات کو ناپاک جانو بلکہ حکم ہے وطعام الذين اوتوالكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم (المائده ٥) کہ اہلِ کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔

مفسرین اس کھانے سے مراد عام کھانے کی اشیاء کے علاوہ ذبیحہ بھی لیا ہے، علامہ ابنِ کثیر لکھتے ہیں: اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ اور اسی کو ترجیح حاصل ہے کہ جس طرح تم ان کا ذبیحہ کھا سکتے ہو اسی طرح تم انہیں اپنا ذبیحہ کھلا بھی سکتے ہو اس کی ممانعت نہیں۔ (ابن کثیر تفسیر القرآن العظیم ۲/۲۰)

جہاں تک غیر مسلموں کے طعام اور ان کی دعوت میں شرکت کا تعلق ہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ان يهوديا دعا النبى ﷺ الى خبز شعير واهالة سنخة فاجابه یعنی ایک یہودی نے نبی ﷺ کو جو کی روٹی اور چربی یا تیل کھانے کی دعوت دی آپ ﷺ نے اسے قبول کر لیا۔

marfat.com

غیر مسلموں (اھل کتاب) کا ذبیحہ اور قرآن :

قرآن نے اہل کتاب کے ذبیحہ سے بھی نفرت کا درس نہیں دیا بلکہ حکم ہوا : فلکوا مما ذکر اسم اللہ علیہ ان کنتم بآیاتہ مؤمنین وما لکم الا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ وقد فصل لکم ما حرم علیکم (الانعام ۱۱۸/۱۱۹) یعنی پس کھاؤ وہ جسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہے اگر تم اس کی آیات پر یقین رکھتے ہو۔ اور تم اس جانور کو کیوں نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے وہ چیزیں بتادی ہیں جو اس نے تم پر حرام کی ہیں۔

فقہاء نے اہل کتاب کے اس ذبیحہ کو جو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو کھانا اسی آیت مبارکہ کے تحت جائز رکھا ہے۔

غیر مسلموں کے برتن / لباس اور قرآن :

قرآن کریم نے غیر مسلموں سے مروت اور عدم نفرت کی جو رہنمائی مہیا کی ہے اسی کا اثر ہے کہ کتب حدیث اور فقہ و فتاویٰ میں غیر مسلموں کے لباس، برتن، اور دیگر اشیاء ضرورت کے استعمال کی اجازت و اباحت مذکور ہے۔ ترمذی شریف میں باب ماجاء فی آنیة المشرکین میں ایک روایت اس طرح ہے : سئل رسول اللہ ﷺ عن قدور المجوس فقال انقوھا غسلا واطبخوا فیھا۔ رسول اللہ ﷺ سے مجوسیوں کے کھانا پکانے کے برتنوں کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انھیں دھو کر پاک کرلو اور پھر ان میں کھانا پکالو۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں غیر مسلم کے ان برتنوں کے استعمال سے منع کیا گیا ہے جن برتنوں میں وہ خنزیر کا گوشت پکاتے تھے یا شراب پیتے تھے مگر یہ ممانعت اس وقت ہے جب دوسرے برتن میسر ہوں اور اگر کہیں ایسا ہو کہ دوسرے برتن میسر ہی نہ ہوں تو پھر انہی کو دھو کر استعمال کر لینے کی اجازت ہے۔ فقہاء کے نزدیک وہ دھونے سے پاک ہو جاتے

marfat.com

ہیں۔ اور ان میں کوئی کراہت باقی نہیں رہتی۔ بلکہ اگر دوسرے برتن ہوں بھی جب بھی ان برتنوں کو دھو کر استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں (نووی شرح مسلم، ۵/ص ۷۹۔۸۰) امام اوزاعی، سفیان ثوری، امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب کے نزدیک دھونے سے یہ برتن پاک ہو جاتے ہیں۔ (عینی، عمدۃ القاری ۲/ ۳۹۱)

قرآن کریم سے غیر مسلموں کے سلسلہ میں ملنے والی ہدایت کی روشنی میں علامہ ابن قدامہ حنبلی فرماتے ہیں کہ اہلِ کتاب کا استعمال شدہ لباس استعمال کرنا جائز ہے۔ (ابن قدامہ المغنی، ۱/ ۱۱۱)

غیر مسلم مریضوں کی عیادت اور قرآن :

غیر مسلموں کے احترام کے سلسلہ میں قرآنِ کریم کی فراہم کردہ رہنمائی کی روشنی میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے غیر مسلموں سے میل جول کے آداب سکھائے ہیں چنانچہ احادیث مبارکہ سے غیر مسلموں سے حسنِ سلوک کی تعلیم ملتی ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بنو نجار کے ایک شخص کی عیادت کے لئے نبی ﷺ تشریف لے گئے جو کہ غیر مسلم تھا آپ ﷺ نے اس سے فرمایا اے ماموں لا الہ الا اللہ کا اقرار کیجئے، اس نے کہا میں ماموں ہوں یا چچا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں آپ ماموں ہیں (کہ آپ ﷺ کی والدہ حضرت آمنہ کا تعلق بنو نجار سے تھا) اس نے کہا کہ کیا لا الہ الا اللہ کا اقرار میرے حق میں بہتر ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا ہاں (مسند احمد، ۳/ ۱۵۲۔ ۱۵۴)

یہ اور اس طرح کی دیگر روایات سے غیر مسلموں مریضوں کی عیادت کا جواز ملتا ہے جو بر بنائے نفرت نہیں بر بنائے تالیف قلب و الفت ہے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے کہ ان كانت قرابة قريبة بين مسلم وكافر فليعد المسلم الكافر (مصنف عبدالرزاق ۶/ ۳۵) یعنی اگر مسلم و کافر کے درمیان قریبی رشتہ داری ہے تو مسلمان کو کافر کی عیادت کرنی چاہیئے۔ جبکہ سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں کہ نعود بني

marfat.com

النصاری وان لم تکن بیننا وبینهم قرابة کہ ہم تو نصاری کی اولاد کی عیادت کرتے ہیں اگرچہ ہمارے اور ان کے مابین کوئی قرابت داری نہ بھی ہو۔ (مصنف عبدالرزاق ۳۶/۶) فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ میں یہود ونصاری کی عیادت کا جواز بایں الفاظ مذکور ہے ولا باس بعیادة الیهودی والنصرانی لانه نوع بر فی حقهم وما نهینا عن ذلك (هدایه ۲۷۲/٤) یہودی ونصرانی کی عیادت میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ ان کے حق میں ایک طرح کی بھلائی ہے اور حسن سلوک ہے اس سے ہمیں منع نہیں کیا گیا۔

غیر مسلموں کے جنازہ کا احترام :

نبی کریم ﷺ غیر مسلموں کے جنازہ کا بھی احترام فرماتے صحیح بخاری کتاب الجنائز میں باب من قام لجنازة الیهودی اور صحیح مسلم کتاب الجنائز باب القیام للجنازة میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے۔

غیر مسلم خواتین سے نکاح اور قرآن :

غیر مسلم عورتوں سے نکاح کا معاملہ قرآنِ کریم سے ثابت ہے، ارشادِ باری ہے والمحصنا ت من المؤمنات والمحصنات من الذین اوتو الکتاب من قبلکم اذا آتیتموهن اجورهن محصنین غیر مسافحین ولا متخذی اخدان ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله وهو فی الآخرة من الخاسرین (المائدة ٥)

یعنی اہلِ ایمان کی پاک دامن عورتیں اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں جنہیں تم سے قبل کتاب دی گئی، جب تم انہیں مہر ادا کردو انہیں قیدِ نکاح میں لے آؤ بدکاری نہ کرو اور چوری چھپے دوستی نہ کرو جو شخص ایمان کا انکار کردے اس کا عمل رائیگاں جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

marfat.com

غیر مسلم عورتوں سے نکاح کا جواز اس بات کا ایک اور ثبوت ہے کہ غیر مسلموں سے بلاوجہ نفرت کا حکم نہیں بلکہ نفرت کے جذبات تو بعض عوامل واسباب کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں اگر اہل کتاب وہ اسباب پیدا نہ ہونے دیں تو اسلام خواہ مخواہ ان سے نفرت کا درس نہیں دیتا اور نہ قرآن نے ایسا کوئی حکم دیا ہے جس سے غیر مسلموں سے نفرتِ مطلقہ کا عندیہ ملتا ہو۔

غیر مسلموں سے سلام وکلام اور قرآن :

قرآن کے تعلیم کردہ معاشرتی آداب میں سے ایک سلام اور اس کا جواب بھی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے : واذا حییتم بتحیة فحیوا باحسن منها او ردوها (النساء ٨٦) اور جب تمہیں کسی لفظِ دعاء سے سلام دیا جائے تو تم ایسے لفظ سے اس کا جواب دو جو اس سے بہتر ہو یا کم از کم انہی الفاظ کو دہرا دو۔

اس آیتِ طیبہ کے ضمن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے ہے کہ ردو السلام علی من کان یهودیا او نصرانیا او مجوسیا (بخاری ، الادب المفرد مع فضل الله الصمد ٢/ ٥٣٣) یعنی ہر ایک کے سلام کا جواب دو اگرچہ وہ یہودی یا نصرانی ہی ہو۔

علامہ ابن جریر طبری کی رائے ہے کہ من سلم علیك من خلق الله فاردد علیه وان کان مجوسیا (طبری ، الجامع لاحکام القرآن ٨/ ٥٨٧) یعنی اللہ کی مخلوق میں سے جو کوئی بھی تمہیں سلام کہے اس کے سلام کا جواب دو اگرچہ وہ مجوسی ہی کیوں نہ ہو۔

حضرتِ قتادہ کی رائے میں آیتِ مذکورہ میں سلام کا بہتر طریقہ پر جواب کا حکم مسلمان کے لئے اور سلام کرنے والے کے الفاظ کے ساتھ جواب اہلِ کتاب کے لئے ہے (طبری جامع البیان ٨/ ٥٨٧)

غیر مسلموں کو سلام کہنے اور اس کا جواب دینے سے متعلق متعدد روایات کتب

marfat.com

حدیث میں موجود ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ غیر مسلم اگر سلام کرنے میں پہل کرے تو اس کا جواب وعلیکم کی صورت میں دیا جائے اور اس کا سبب قرآن کریم نے بتادیا کہ واذا جاء و ك حيوك بما لم يحيك به الله و يقولون فى انفسهم لولا يعذبنا الله بما نقول حسبهم يصلونها فبئس المصير(المجادلة ۸) یعنی (اے حبیب ﷺ) جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کو سلام اس طرح کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ پر سلام نہیں بھیجا اور یہ اپنے دل میں کہتے ہیں کہ ہماری اس حرکت پر ہمیں اللہ تعالیٰ کوئی عذاب کیوں نہیں دیتا، جہنم ان کے لئے کافی ہے اس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔

یہ وہ رویہ تھا جس کے سبب غیر مسلموں کے سلام کا جواب وعلیکم کی صورت میں دینا طے پایا اگر غیر مسلم خود اپنے رویے میں ایسی روش پیدا نہ دیتے تو ظاہر ہے انہیں سلام کرنے اور ان کے سلام کا جواب باحسن طور دینے میں کیا رکاوٹ ہو سکتی تھی۔ چنانچہ جنابِ سرورِ کونین ﷺ نے فرمایا اذا سلم عليكم اليهود فانما يقول احدهم السام عليكم فقل وعليك۔ کہ یہود تمہیں سلام کرتے ہیں تو السام علیکم کہتے ہیں تم جواب میں وعلیک کہا کرو۔

چونکہ یہاں نفرت کا اظہار غیر مسلموں کی طرف سے ہوا اس لئے مسلمانوں کو احتیاط کی راہ اختیار کرنے کو کہا گیا۔

غیر مسلموں کے معبودوں کو سب وشتم کی ممانعت :

نفرت میں انسان بسا اوقات دوسرے کو برا بھلا کہنے پر اتر آتا ہے قرآنِ کریم نے اس سے منع کیا حکم ہوا : ولا تسبوا الذين يدعون من دون الله فيسبوا الله عدوا بغير علم (الانعام ۱۰۸)

یعنی جو لوگ اللہ کے ساتھ غیروں کو شریک ٹھراتے اور پکارتے ہیں انہیں گالی مت دو ورنہ وہ

marfat.com

اپنی جہالت کے سبب دشمنی میں آگے بڑھ کر اللہ کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔ کس قدر احتیاط کی تعلیم ہے کہ کسی غیر مسلم کے خود ساختہ خدا کو گالی مت دو کہ اس سے اس کی دل آزاری ہوگی اور وہ جس رد عمل کا اظہار کرے گا پھر وہ تمارے لئے نا قابلِ برداشت ہو جائے گا۔

غیر مسلموں کی گواہی اور قرآن :

غیر مسلموں کو معاملات میں گواہ بنانے کے بارے میں قرآنِ کریم کی اس آیتِ مبارکہ سے رہنمائی ملتی ہے : یا ایها الذین آمنوا شهادة بینكم اذا حضراحدكم الموت حين الوصية اثنان ذوا عدل منكم او آخران من غيركم ان انتم ضربتم فی الارض فاصابتكم مصيبة الموت......... الخ (المائدة ۱۰۶)

یعنی اے ایمان والو جب تم میں سے کسی کو موت آئے اور وہ وصیت کرے تو اپنوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ بنائے اور اگر تم سفر میں ہو اور موت کا وقت آپہنچے تو دوسروں میں سے دو کو گواہ بنا سکتے ہو۔ علامہ ابنِ جریر طبری فرماتے ہیں کہ وآخران منكم میں اللہ تعالیٰ نے کسی گروہ کی تخصیص نہیں کی الفاظ عام ہیں جو لوگ اسلام سے باہر ہیں خواہ یہودی اور نصرانی ہوں یا مجوسی وبت پرست سب ہی اس میں شامل ہیں۔ یہی رائے سعید بن جبیر، مجاہد، ابنِ سیرین، ابنِ زید، عبیدہ بن عمر والسلمانی کی بھی ہے کہ انہوں نے من غيركم کی تشریح من غير اهل دينكم اورمن غير اهل ملتكم سے کی ہے۔ یعنی جو تمارے دین والے اور تمہاری ملت والے نہ ہوں (ابن جریر طبری جامع البیان ۱۱/ ۱۶۹) رہا معاملہ بعض اہل علم کے اس آیت کو منسوخ ماننے کا تو اس پر بحث کی یہاں گنجائش نہیں ہاں امام رازی کا یہ قول ہمیں مفید ہے کہ اس حکم کو منسوخ قرار دینا صحیح نہیں اس لئے کہ اس بات پر امت کی اکثریت کا اتفاق ہے کہ سورہ مائدہ سب سے آخر میں نازل ہوئی اور اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ (امام فخر الدین الرازی التفسیر الکبیر ۳/ ۶۷ ۴) امام طحاوی بھی اسے منسوخ نہیں مانتے (عینی، عمدۃ القاری ۱۱/ ۳۱۰)

marfat.com

غیر مسلموں سے جہاد اور قرآن :

قرآنِ کریم میں جہاد کو فرض قرار دیا گیا ہے مگر اس طرح نہیں کہ بیٹھے بٹھائے غیر مسلموں کے خلاف تلوا اٹھالو اور انہیں تہِ تیغ کرنے لگو بلکہ اس کی شرائط و ضرورت کو پوری طرح واضح کیا گیا پھر جہاد کے معاملہ میں کس قدر احتیاط کا حکم دیا کہ **وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین (البقرة ۱۹۰)** یعنی تم اللہ کے راستہ میں انہی لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑ رہے ہیں اور زیادتی نہ کرو بے شک اللہ تعالی زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ علامہ ابو السعود تفسیر ابی السعود میں لکھتے ہیں : اللہ کے راستے میں جنگ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے دین کی سربلندی اور اسکے کلمہ کو اونچا کرنے کے لئے جہاد کرو اس کے سوا تمہارا دوسرا کوئی مقصد نہ ہو زیادتی نہ کرو سے مراد یہ ہے کہ جنگ خود سے شروع نہ کرو جو شخص تمارے عہد و پیان میں ہے اس سے جنگ نہ کرو دین کی دعوت دیئے بغیر ہی اچانک حملہ نہ کردو، مقتولین کا مثلہ نہ کرو، ان کی لاشوں کی بے حرمتی نہ کرو، عورتیں بچے اور ان جیسے کمزور انسانوں کے قتل سے تمہیں منع کیا گیا ہے اس کا ارتکاب نہ کرو (ابو السعود تفسیر ابی السعود زیر آیت ۱۹۰۔ البقرۃ)

اور پھر اگر فریقِ مخالف جنگ کی بجائے صلح کو ترجیح دے تو مسلمانوں کو صلح قبول کرنے او جنگ روک دینے کا حکم ہے۔ ارشاد باری ہے : **وان جنحوا للسلم فاجنح لها وتوکل علی الله انه هو السمیع العلیم (الانفال ٦١)** یعنی اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لئے تیار ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو بے شک وہ بہت سننے اور جاننے والا ہے۔

غیر مسلم مقتول کی دیت اور قرآن :

وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کے معاہد ہوں ان کے بارے میں قرآن کریم نے کہا : وان کان من قوم بینکم وبینهم میثاق فدیة مسلمة الی اهله (النساء ۹۲) یعنی اگر مقتول کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جس سے تمارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو پوری دیت ادا کی جائے گی۔

marfat.com

گویا ایسے غیر مسلم جن سے امن کا معاہدہ ہے ان کے کسی فرد کو کوئی مسلمان قتل کردے تو اس کی پوری دیت ادا کرنا ہوگی۔ کیا نفرت کی جانے والی قوم سے معاہدہ کی بنا پر یہ حسن سلوک ہو رہا ہے یا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر غیر مسلم قابل نفرت نہیں، وہی قابل نفرت ہے جو مسلمانوں سے نفرت کرتا اور ان سے دشمنی رکھتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عمرو بن امیہ ضمیری نے دو افراد کو جن کے نام عامر تھے قتل کر دیا ان افراد کا رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ تھا چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی مسلمانوں کے برابر دیت ادا کی۔ (ترمذی ابواب الدیات)

غیر مسلموں کے لئے پناہ اور قرآن

اسلام غیر مسلموں کو جان کی امان اور پناہ مہیا کرنے کی ذمہ داری بھی قبول کرتا ہے جبکہ وہ پناہ کے طالب ہوں، چنانچہ سورۃ التوبہ میں حکم ہے **وان احد من المشرکین استجارک فاجرہ حتی یسمع کلام اللہ ثم ابلغه مامنه ذلك بانهم قوم لا یعلمون** (التوبہ ٦) یعنی اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اسے اس کی امن گاہ تک پہنچا دو ایسا اس لئے کرو کہ یہ (قرآن کے بارے میں) علم نہیں رکھتے۔ اس سے پہلی آیات میں قتال کا حکم ہے چنانچہ ایسے مشرک جن سے آیات ما قبل میں حرمت والے مہینوں کے بعد جہاد کا حکم ہے انہی سے یہ رواداری بھی ہے کہ اگر ان میں سے کوئی اسلام کے دامن میں پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دی جائے گی اور اسے قرآن کا پیغام سمجھنے کا پورا پورا موقع فراہم کیا جائے گا پھر اگر وہ اس پیغام حق کو قبول کرلے تو فبہا اور اگر وہ اسے قبول نہ کرے تو اسے کوئی گزند پہنچائے بغیر اسکی امن گاہ تک حفاظت پہنچایا جائے گا۔

مذکورہ بالا بیانات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن نے اپنے ماننے والوں کو غیر مسلموں سے نفرت نہیں محبت کا درس دیا ہے جب تک وہ خود مسلمانوں سے نفرت آمیز رویہ نہ اپنا لیں، ان سے امن کا معاہدہ نہ توڑ لیں یا جب تک ان کے خلاف تلوار نہ اٹھا لیں۔ غیر مسلم اگر مسلم ریاست کا شہری بن کر رہنا پسند کرے تو اسے مکمل امن اور حفاظت فراہم کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ وہ اپنی غیر مسلم حکومت کے تابع رہ رہا ہو اور مسلمانوں

marfat.com

کے نظریہ و عقیدہ کے خلاف جنگی عزائم نہ رکھتا ہو، ان کے خلاف کسی سازش میں شریک یا ملوث نہ ہو تو اس سے کوئی تعارض نہیں۔ غیر مسلم تک دین کی دعوت پہنچانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، پھر اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو مسلمانوں کے دینی بھائی کا درجہ پائیں گے نہ قبول کریں تو لااکراہ فی الدین ان سے زبردستی نہیں کی جائے گی۔ موجودہ بین الاقوامی صورت حال میں غیر مسلم خود مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں مسلمانوں نے انہیں دعوتِ مبارزت نہیں دی ہے۔ اس صورتحال میں مسلم نوجوانوں کو confuse کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، غیر مسلم این جی اوز کی طرف سے پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ یہ جو مسلم نوجوان جہادی تنظیموں کے آلۂ کار بن رہے ہیں، تو یہ اس لئے ہے کہ قرآن مسلمانوں کو غیر مسلموں سے نفرت کا درس دیتا ہے یہ ایسا پروپیگنڈہ اور confusion ہے جس سے مسلم نوجوان کو قرآن سے برگشتہ کرنا مقصود اور مذہب سے بے گانہ کرنا مطلوب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اس وقت دفاعی پوزیشن میں ہیں، اور وہ اپنے نظریے و عقیدے کے دفاع میں جو کچھ کر رہے ہیں اسے دہشت گردی کا نام دیا جارہا ہے۔ اسلام غیر مسلموں سے رواداری ضرور سکھاتا ہے مگر وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اگر غیر مسلم تمہارے عقیدہ و نظریہ کو مٹانے کے درپے ہو جائیں تو تم قرآن و سنت میں ترمیم کی حد تک compromise کرنے پر اتر آؤ اور قرآنی احکامات کو پس پشت ڈال کر غیر مسلموں کی خوشنودی میں لگ جاؤ۔ قرآن ایسی صورت میں بھرپور دفاع اور واعدوا لهم ما استطعم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدوالله وعدوكم کا حکم سناتا ہے۔ پھر وہ فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد کا تقاضا کرتا ہے اور اگر وہ اپنی حرکت سے باز آجائیں تو پھر اس کی ہدایت یہ ہے کہ فان تابوا واقاموا الصلوة وآتو الزكوة فخلوا سبيلهم ....

اللہ رب العزت ہمیں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق کی رعایت کی توفیق اور غیر مسلموں کو حق کی ہدایت نصیب فرمائے۔

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد .... (ڈاکٹر شاہتاز .Shahtaz)

marfat.com

آئندہ صفحات میں پیش کردہ مضمون

نبی اکرم ﷺ بحیثیت حکم و قاضی

حسبِ ذیل رسائل و جرائد میں شائع ہوا۔

ماہنامہ حکمتِ قرآن لاہور	فروری ۲۰۰۰ء
ماہنامہ فقہِ اسلامی کراچی	مئی ۲۰۰۳ء

marfat.com

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت حکم و قاضی

فَلا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ○

(النساء: ۶۵)

پس اے نبی ﷺ! آپ کے رب کی قسم، یہ کبھی مؤمن نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ آپ ﷺ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ فرمادیں اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ سر تسلیم خم کرلیں۔

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہونے کے ساتھ ہی مسلمانوں کے باہمی نزاعات نیز ریاست میں وقوع پذیر ہونے والے جرائم کے سلسلے میں ایک مربوط نظامِ عدل یا نظامِ قضاء کی اشد ضرورت تھی، چنانچہ ابتداء میں سرکار دو عالم ﷺ نے خود منصبِ قضاء سنبھالا اور اللہ ربّ العزت نے آپ ﷺ کی زبردست تائید و نصرت فرمائی۔ متذکرہ بالا آیتِ طیبہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اسلام سے قبل یا زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ تنازعات کا فیصلہ طے کرنے کے لئے فریقین کسی کو اپنا حکم (ثالث) بنالیتے اور اس کے فیصلے کا انتظار کرتے۔ پھر اگر حکم کا فیصلہ فریقین میں سے کسی کے لئے قابل قبول نہ ہوتا تو وہ کسی اور کو حکم بناتا، اگر اُس کا فیصلہ بھی منظور نہ ہوتا تو کسی تیسرے شخص کو حکم بنایا جاتا اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہتا۔ تاآنکہ فریقین کسی ایسے حکم کی تلاش و جستجو میں رہتے جس کا فیصلہ دونوں کے لئے قابلِ قبول ہو۔ یوں یہ طریقہ کار عہدِ رسالت تک جاری تھا۔ (۱)

marfat.com

العجلانی کہتے ہیں:

شروع شروع میں لوگ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ پنچایت کے طریقہ سے کرتے تھے، جو انہوں نے زمانہ جاہلیت ہی سے سیکھ رکھا تھا اور پنچ کا فیصلہ ماننے یا رد کرنے میں وہ آزاد تھے، یہاں تک کہ ان میں سے کسی نے اپنا مقدمہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، لیکن آپ ﷺ کے فیصلے سے راضی نہ ہوا۔ چنانچہ یہ آیتِ طیبہ نازل ہوئی:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ...... الخ﴾

بعض تاریخی روایات بھی اس امر کی مصدق ہیں۔ ثعلبی نے ابنِ عباس سے، ابنِ ابی حاتم نے ابو الاسود سے مرسلاً، نیز بغوی نے کلبی کا قول بواسطہ ابو صالح ابنِ عباس نقل کیا ہے کہ ایک یہودی سے ایک منافق (بشر) کا کچھ جھگڑا ہو گیا۔ یہودی نے فیصلہ کرانے کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی منافق کو دعوت دی اور منافق نے سردار یہود کعب بن اشرف سے فیصلہ کرانے کے لئے یہودی سے خواہش ظاہر کی۔ یہودی نے کعب بن اشرف کے پاس جانے سے انکار کیا اور جناب رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کرانے پر اصرار کیا۔ مجبوراً منافق کو بھی نبی اکرم ﷺ کی طرف آنا پڑا۔ غرض دونوں خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ جب دونوں (فریقین) اٹھ کر باہر چلے تو منافق یہودی کو چمٹ گیا اور کہا کہ فیصلہ کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس چلو۔ دونوں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے۔ یہودی نے بیان کیا کہ ہم دونوں اپنا معاملہ لے کر حضور ﷺ کے پاس گئے تھے اور آپ ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ دیا، لیکن یہ اس فیصلے پر راضی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے منافق سے پوچھا کہ کیا ایسا ہی ہے؟ منافق نے کہا جی ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ذرا ٹھہرو، میں ابھی (اندر جا کر واپس) آتا ہوں۔ چنانچہ آپؓ گھر میں داخل ہوئے اور تلوار لئے ہوئے برآمد ہوئے، پھر فرمایا: جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو میں اس کا فیصلہ اسی طرح کرتا ہوں۔ (۲)

نبی اکرم ﷺ کے منصبِ قضاء سنبھالنے اور تائید الٰہی آ جانے کے بعد زمانہ

marfat.com

جاہلیت کا وہ رواج ختم ہو گیا کہ ایک قاضی یا حکم کا فیصلہ منظور نہ ہو تو دوسرے اور تیسرے کے پاس جا کر مقدمہ پیش کیا جائے اور جب تک من مرضی کا فیصلہ نہ ہو حکم بنانے اور حکم نہ ماننے کا سلسلہ جاری رہے۔ چنانچہ اسلامی ریاست کے قیام کے ساتھ ہی ریاست کے باشندوں پر لازمی قرار دیا گیا کہ وہ اپنے تنازعات کا فیصلہ بارگاہِ نبوی ﷺ سے کرائیں اور پھر جو فیصلہ اس عدالتِ عظمیٰ سے صادر ہو اُس کے سامنے سر تسلیم خم کریں۔

نبی اکرم ﷺ نے بامر الٰہی نظامِ حدود و تعزیرات کو جاری فرمایا اور اپنی زندگی میں حدود و تعزیرات کے متعلق کئی فیصلے صادر فرمائے۔ ان تمام فیصلوں کی مکمل تفصیلات اس مضمون میں نہیں سما سکتیں، لہٰذا سر دست ہم صرف چند ایسے فیصلوں کا ذکر کریں گے جن کا تعلق جرائم کی حدود سے ہے۔ اور دیگر مقامات کے فیصلوں کا ذکر انشاء اللہ آئندہ کسی مضمون میں ہو گا۔

مقدمات زنا

﴿۱﴾ موطا امام مالک میں زانی محصن کو عہد رسالت میں رجم کرنے کے سلسلے میں ایک روایت اس طرح ہے:

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اسلم قبیلے کا ایک شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ میں نے زنا کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا تو نے اس کا ذکر میرے علاوہ کسی اور سے بھی کیا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور اس واقعہ کا کسی اور سے ذکر نہ کرنا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتے ہیں۔ مگر اُس شخص کو اس کے دل نے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے بھی وہی کچھ کہا جس کا ذکر وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کر چکا تھا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح مشورہ دیا، لیکن وہ شخص پھر بھی مطمئن نہ ہوا۔ بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں

marfat.com

حاضر ہوا اور اس نے بتایا کہ میں نے زنا کیا ہے۔ حضرت سعید فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے تین بار رخ انور پھیر لیا، لیکن وہ وہی بات دہراتا رہا، تا آنکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو اس کے گھر بھیجا تاکہ معلوم ہو سکے کہ وہ کہیں کسی مرض یا جنون میں مبتلا تو نہیں۔ گھر والوں نے کہا کہ وہ تو بالکل صحت مند ہے۔ پھر نبی اکرم ﷺ نے اس سے پوچھا کہ تو شادی شدہ ہے یا کنوارا؟ اس نے کہا کہ وہ شادی شدہ ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اسے سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ (۴)

﴿۲﴾ صحیح بخاری میں زانی محصن کو رجم کی سزا دیئے جانے کا ایک اور واقعہ یوں مذکور ہے۔:

حضرت جابر ﷺ سے مروی ہے کہ اسلم قبیلے کا ایک شخص نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے اعتراف زنا کر لیا تو آپ ﷺ نے پوچھا (أبک جنون؟) (کیا تجھے جنون کا مرض لاحق ہے؟) اس نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے پھر سوال کیا کیا "تو شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ جب یہ تمام مراحل طے ہو چکے تو آپ ﷺ نے اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ جب اس پر پتھروں کی بارش ہوئی تو وہ بھاگ کھڑا ہوا، مگر اس پر مسلسل پتھر برسائے گئے یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اس موقع پر نبی اکرم ﷺ نے اس کے حق میں کلمۂ خیر کہا اور اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ ابن جریج اور یونس نے جو روایت امام زہری سے کی ہے اس میں نمازِ جنازہ کا ذکر نہیں کیا۔ (۵)

جبکہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:

اس واقعہ سے دو تین دن بعد لوگ ایک جگہ جمع تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ماعز بن مالک کے لئے بخشش کی دعا کرو۔ صحابہ کرام ﷺ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ

marfat.com

ماعز بن مالک کی مغفرت فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اسے ایک جماعت پر تقسیم کر دیا جائے تو یہ اس کے لئے کافی ہو گی۔

سنن ابی داؤد میں ہے کہ:

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس وقت وہ جنت کی نہروں میں غوطہ زن ہے۔(۶)

﴿۳﴾ موطا امام مالک میں ایک زانیہ کو حد لگائے جانے کا واقعہ اس طرح مذکور ہے:

یعقوب بن زین بن طلحہ کی روایت ہے کہ ان کے والد زید بن طلحہ نے عبداللہ بن ابی ملیکہ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ وہ زنا سے حاملہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بچے کی ولادت کے بعد آنا، چنانچہ وضع حمل کے بعد وہ پھر آئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ، اسے دودھ پلاؤ اور مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد آنا۔ تیسری بار وہ آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بچہ کسی کی کفالت میں دینا ضروری ہے۔ جب وہ بچے کو کسی کے سپرد کر کے آئی تو آپ ﷺ نے اسے رجم کا حکم دیا اور اسے رجم کیا گیا۔(۷)

صحیح مسلم کی روایت میں مندرجہ ذیل کلمات کا اضافہ ہے:

یعنی نبی اکرم ﷺ کے حکم سے اس کے لئے سینے تک گڑھا کھودا گیا۔ اس کے بعد اسے رجم کیا گیا۔ آپ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ ایک زانیہ کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس نے ایسی سچی توبہ کی ہے کہ اگر اسے مدینہ کے ستر افراد پر تقسیم کر دیا جائے تو ان کی بخشش کے لئے کافی ہو۔ اس سے بہتر توبہ کیا ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو خدائے بزرگ و برتر کے حوالے کر دیا۔(۸)

marfat.com

یہ روایت متعدد طریق سے مرسلاً مروی ہے، محدثین کرام کے ہاں بھی مشہور ہے۔ ابوداؤد میں عمران بن حصین کی روایت میں ہے کہ یہ عورت جہینہ قبیلے سے تھی۔ صحیح مسلم کے مطابق یہ غامدیہ قبیلے سے تھی جو جہینہ قبیلے کی ایک شاخ کا نام ہے۔

نسائی کی روایت میں ہے کہ:

نبی اکرم ﷺ خود بھی اس عورت کے رجم کئے جانے کے وقت حاضر تھے، آپ ﷺ نے چنے کے دانے کے برابر ایک کنکر اس پر پھینکا، پھر فرمایا:

اِرْمُوْا وَ اِیَّاکُمْ وَجْھَھَا۔

اسے پتھر مارو، لیکن چہرے کو بچا کر۔

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار تھے۔(۹)

سنن ابی داؤد میں زکریا بن سلیم کی سند کے ساتھ روایت ہے، جس میں یہ زائد عبارت موجود ہے کہ آپ ﷺ نے اسے چنے کے دانے کے برابر کنکری ماری اور فرمایا:

اسے پتھر مارو، لیکن چہرے سے احتراز کرنا۔ پھر جب اس کا جسم ٹھنڈا ہو گیا تو اسے نکال کر آپ ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی۔(۱۰)

﴿۴﴾ موطا امام مالک میں ایک یہودی جوڑے کو رجم کرنے کا واقعہ اس طرح ہے:

نافع عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ چند یہودی نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے او عرض کیا کہ ان کے ہاں ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: تورات میں زنا کا کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم ان کو ذلیل و رسوا کرتے اور کوڑے لگاتے ہیں۔ اُس وقت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے کہا: تم جھوٹ بول رہے ہو، تورات میں تو زنا کی سزا رجم ہے۔

یہودی تورات لائے اور متعلقہ حصہ پڑھنا شروع کیا، لیکن ایک شخص نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ دیا۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔ اس نے ہاتھ اٹھایا تو وہاں آیت رجم

marfat.com

موجود تھی۔ اس کے بعد انہوں نے تسلیم کیا کہ زانی کی سزا رجم ہے۔ چنانچہ اس یہودی جوڑے کو آپ ﷺ کے حکم سے رجم کیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ مرد اس عورت پر جھک کر اسے پتھروں سے بچانے کی کوشش کرتا تھا۔ امام مالک کا قول ہے: یَجْنِیْ عَلَیْهَا یعنی مرد عورت پر جھکتا تھا تاکہ وہ پتھروں سے محفوظ رہے۔(۱۱)

سنن ابوداؤد میں بھی یہ روایت قدرے اختلاف کے ساتھ یوں بیان ہوئی ہے، حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ:

چند یہودی ایک زانی مرد اور عورت کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم اپنے دو سب سے بڑے عالم میرے پاس لاؤ''۔ چنانچہ وہ صوریا کے دو بیٹے حضور ﷺ کے پاس لائے۔ آپ ﷺ نے انہیں قسم دے کر پوچھا کہ تورات میں زنا کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ تورات میں یہ حکم ہے کہ اگر چار آدمی زنا کے وقوع پذیر ہونے کی شہادت اس طرح دیں کہ ہم نے مرد کا آلہ تناسل عورت کی شرمگاہ میں اس طرح دیکھا ہے جس طرح سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے تو دونوں کو رجم کیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ پھر تم انہیں رجم کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارا اقتدار ختم ہو گیا اور ہم قتل کو ناپسند کرنے لگے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے گواہ طلب کئے۔ چار گواہ آئے اور انہوں نے گواہی دی تو حضور ﷺ نے رجم کا حکم دیا۔

اور کہا جاتا ہے کہ مجاہد غیر مقبول الحدیث ہیں:

نبی اکرم ﷺ نے اس جوڑے کو یہود کی شہادت کے بغیر رجم کیا تھا، یا تو وحی کی بناء پر، یا دو مسلمانوں کی گواہی کی بنا پر یا ان دونوں ملزموں کے اقرارِ جرم کی بناء پر۔(۱۲)

marfat.com

﴿۵﴾ موطا امام مالک میں ایک زانی وزانیہ کو حد لگائے جانے کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دو آدمی اپنا جھگڑا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔ ایک نے کہا: اے خدا کے رسول ﷺ! ہمارے مابین کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کیجئے۔ دوسرے نے، جو زیادہ سمجھ دار تھا، کہا: ہاں، یارسول اللہ! کتاب اللہ کے مطابق ہمارے درمیان فیصلہ فرمایئے اور مجھے اصل واقعہ پیش کرنے کی اجازت دیجئے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس شخص سے فرمایا کہ بات کرو۔ اس نے عرض کیا کہ میرا بیٹا اس شخص کے ہاں ملازم تھا۔ اس نے اس کی بیوی سے زنا کیا۔ اس شخص نے مجھے کہا کہ میرے بیٹے کو رجم کیا جائے گا۔ میں نے بطورِ فدیہ سو بکریاں اور ایک لونڈی پیش کی۔ لیکن میں نے اہل علم سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ تیرے بیٹے کو ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ملے گی اور عورت کو رجم کیا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: خدا کی قسم، میں تمہارے درمیان اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ سنو! تیری لونڈی اور بکریاں تجھے واپس کی جائیں گی اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ہوگی۔ آپ ﷺ نے انیس اسلمی رضی اللہ عنہ کو دوسرے شخص کی بیوی کے پاس بھیجا کہ اگر وہ اعتراف جرم کرلے تو اسے رجم کیا جائے۔ چنانچہ اس کے اعتراف پر اسے رجم کیا گیا۔ (۱۳)

﴿۶﴾ موطا امام مالک ہی میں ایک روایت ایک زانی کو کوڑوں کی سزا دیئے جانے کے بارے میں اس طرح ہے:

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں ایک شخص نے زنا کا اعتراف کیا۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے کوڑا منگوایا۔ چنانچہ ایک ٹوٹا ہوا کوڑا آپ ﷺ کو پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس سے مضبوط لاؤ۔ اُس وقت

marfat.com

مقدمات سرقہ (چوری)

﴿۱﴾ اسلام میں سب سے پہلے جس شخص پر حدِ سرقہ جاری کی گئی وہ خیار بن عدی بن نوفل بن عبد مناف ہے، اور عورتوں میں جس پر حد جاری ہوئی وہ بنو مخزوم کی ایک عورت مرۃ بنت سفیان بن عبد الاسد ہے۔

قرطبی کہتے ہیں کہ اسلام میں مردوں میں سب سے پہلے جس کا ہاتھ کاٹا گیا وہ خیار ابن عدیؒ بن نوفل بن عبد مناف تھا اور عورتوں میں سے سب سے پہلے جس کا ہاتھ کاٹا گیا وہ مرۃ بنت سفیان بن عبد الاسد تھیں، جن کا تعلق بنی مخزوم سے تھا۔(۱۷)

نافع نے ابن عمرؓ سے روایت کی کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک ڈھال کی چوری کی سزا میں، جس کی قیمت تین درہم تھی، ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔(۱۸)

﴿۲﴾ موطا امام مالک میں نفاذِ حد سرقہ کے سلسلے میں ایک نظیر اس طرح ملتی ہے:

عبداللہ بن صفوان بیان کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہؓ کو حضور ﷺ کے اس ارشاد کا علم ہوا کہ "جس نے ہجرت نہ کی وہ ہلاک ہوا" تو وہ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آئے اور اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر مسجد میں سو گئے۔ اسی اثناء میں ایک چور مسجد میں داخل ہوا اور اس نے چادر اپنے قبضہ میں لے لی۔ حضرت صفوان ؓ نے اسے پکڑ لیا اور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ حضو اکرم ﷺ نے پورا واقعہ سننے کے بعد اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ صفوان نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میرا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا، میں اسے معاف کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس آنے سے قبل تم نے اسے کیوں معاف نہ کر دیا؟"(۱۹)

marfat.com

﴿۳﴾ بخاری و مسلم میں حدِ سرقہ کے سلسلے میں ایک روایت حسبِ ذیل ہے:

بنو مخزوم کی ایک خاتون کے معاملے نے سنگینی اختیار کر لی جس نے چوری کا ارتکاب کیا تھا۔ اس پر قریش پریشان ہوئے اور باہم مشورہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی اور وہی اس طرح کی بات کرنے کی جرأت کر سکتے تھے۔ چنانچہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو حدودِ الٰہیہ کے بارے میں سفارش کرتا ہے؟ یہ سن کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے لئے اللہ سے مغفرت کی دعا کیجئے۔ عشاء کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور خطبہ ارشاد فرمایا! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی اس کی شان کے مطابق تعریف کی اور فرمایا:

اما بعد! تم سے پہلے بہت سے لوگ محض اس وجہ سے ہلاک ہو چکے ہیں کہ جب ان میں سے کوئی بااثر آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا، لیکن جب یہی جرم کمزوروں سے سرزد ہوتا تو ان پر حد قائم کی جاتی۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔" اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا اور اس مخزومی عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ (۲۰)

﴿۴﴾ مصنف عبدالرزاق میں ایک غلام کو حد سرقہ لگائے جانے کا بیان اس طرح آیا ہے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام لایا گیا جس نے چوری کی تھی۔ وہ چار مرتبہ لایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار اسے چھوڑ دیا۔ جب اسے پانچویں بار اس جرم میں پیش کیا گیا تو اس کا ایک

marfat.com

ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ چھٹی بار پھر اس نے چوری کی تو اس کا پاؤں کاٹ دیا گیا۔ ساتویں بار اس جرم کی پاداش میں اس کا دوسرا ہاتھ اور آٹھویں بار اس کا دوسرا پاؤں کاٹ دیا گیا۔(۲۱)

﴿۵﴾عادی چور کو سزا دیئے جانے کے بارے میں ایک روایت اس طرح آئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک چور لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے قتل کر دو۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اس نے صرف چوری کی ہے، تو آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد ایک اور چوری کے جرم میں آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے قتل کر دو۔ صحابہ ؓ نے وضاحت کی کہ اس نے صرف چوری کی ہے، آپ ﷺ نے قطع ید کا حکم دیا۔ چنانچہ عادی چور ہونے کی بناء پر (مختلف اوقات میں) اس کے چاروں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیئے گئے۔ اس کے بعد اسی شخص نے اپنے منہ کے ذریعہ چوری کی اور پکڑا گیا۔ اسے حضرت ابو بکر ؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ؓ نے اسے قتل کا حکم دیا۔(۲۲)

﴿۶﴾ دار قطنی میں ایک روایت بچے چرانے (اغوا کرنے) والے شخص پر حد جاری کرنے کے بارے میں یوں مذکور ہے:

مروان بن حکم جب مدینہ کا گورنر تھا تو اس کے پاس ایک شخص لایا گیا جو بچوں کو اغوا کر کے انہیں کسی دور دراز علاقہ میں فروخت کرتا تھا۔ مروان نے ممتاز فقہاء اور علماء مدینہ سے مشورہ کیا تو حضرت عروہ بن زبیر نے حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک شخص لایا گیا جو بچے اغوا کر کے کسی دور دراز مقام پر لے جا کر فروخت کیا کرتا تھا، آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹا تھا۔ چنانچہ مروان نے

marfat.com

بھی رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کی روشنی میں اس شخص کا ہاتھ کاٹ دیا۔(۲۳)

مقدمات حرابہ ﴿ڈکیتی﴾

حضرت انس بن مالک ؓ کی بیان کردہ روایت سے عہدِ رسالت میں نفاذِ حرابہ کا پتہ چلتا ہے۔روایت کے الفاظ صحیح مسلم میں یوں ہیں:

حضرت انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ عرینہ کے کچھ لوگ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے۔انہیں مدینہ منورہ کی آب و ہوا راس نہ آئی۔رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو صدقہ کے اونٹوں کے باڑے میں جا رہو اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔انہوں نے اسی طرح کیا اور تندرست ہو گئے۔پھر انہوں نے اونٹوں کے چرواہوں پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیا اور دین اسلام سے مرتد ہو کر رسول اللہ ﷺ کے اونٹوں کو بھگا کر لے گئے۔نبی اکرم ﷺ کو اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے ان کے تعاقب میں لوگوں کو بھیجا۔چنانچہ وہ پکڑ کر لائے گئے۔آپ ﷺ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا دیں اور ان کو تپتے ہوئے میدان میں چھوڑ دیا، یہاں تک کہ وہ مر گئے۔(۲۴)

مقدمات شرب خمر ﴿مے نوشی﴾

﴿۱﴾ عہدِ رسالت میں مے نوشوں کو حد لگائے جانے کے واقعات ملتے ہیں۔ذیل میں چند واقعات بطورِ نظیر پیش کیے جاتے ہیں:

انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک ایسے شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی رکھی تھی۔چنانچہ آپ ﷺ نے دو چھڑیوں سے اسے چالیس بار مارا۔

marfat.com

حضرت ابو بکر ؓ نے بھی اپنے دور میں ایسی ہی سزا دی۔ جب حضرت عمر ؓ کا دور آیا تو آپ ؓ نے لوگوں سے مشورہ کیا۔ حضرت عبد الرحمٰن ؓ نے کہا کہ کم از کم مقدار اسی ۸۰ کوڑے ہے۔ چنانچہ حضرت عمر ؓ نے اسی کو قائم اور مقرر فرمایا۔(۲۵)

﴿۲﴾ ایک اور روایت نفاذِ حد شرب خمر کے سلسلے میں یوں ہے:

حضرت انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے شرابی کو چھڑیوں اور جوتوں سے مارا، پھر حضرت ابو بکر ؓ کے دور میں چالیس کوڑے لگائے جاتے۔ حضرت عمر ؓ نے اپنے دور میں مشورہ کیا کہ مے نوشی کی سزا کیا ہونی چاہئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے کہا حدود کی کم از کم مقدار کے برابر مقرر کیجئے۔ چنانچہ آپؓ نے اسی ۸۰ کوڑے مقرر کئے۔(۲۶)

﴿۳﴾ مصنف عبدالرزاق کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے اسی ۸۰ کوڑے حدِ شُربِ خمر جاری فرمائی۔

عَنِ الْحَسَنَ اَنَّ النَّبِی صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرَبَ فِی الْخَمْرِ ثَمَانِيْنَ - (۲۷)

حسن بصریؒ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے شراب نوشی پر اسی ۸۰ کوڑے مارے۔

﴿۴﴾ کتاب الآثار میں امام محمدؒ نے ایک شرابی کو حد شربِ خمر لگائے جانے کا واقعہ یوں لکھا ہے:

عبدالکریم بن ابی المخارق بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک مخمور شخص لایا گیا۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ اسے جوتوں سے ماریں۔ اُس وقت وہ چالیس تھے، ہر شخص نے اس مخمور کو دو دو جوتے مارے۔(۲۸)

﴿۵﴾ امام بخاری نے ایک روایت نفاذ حد شربِ خمر سے متعلق یوں بیان کی ہے:

عبداللہ بن ابی ملیکہ نے عقبہ بن حارث سے روایت کی ہے کہ

marfat.com

نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نعیمان کے بیٹے کو نشہ کی حالت میں لایا گیا۔ یہ بات آپ ﷺ پر گراں گزری اور جو لوگ اُس وقت گھر میں تھے انہیں آپ ﷺ نے حکم فرمایا کہ اسے ماریں۔ چنانچہ لوگوں نے اسے چھڑیوں اور جوتوں سے مارا، اور میں بھی مارنے والوں میں شامل تھا۔(۲۹)

﴿۶﴾ حضرت ابوہریرہؓ کے حوالے سے بخاری کی ایک روایت نفاذِ شربِ خمر کے بارے میں یوں ہے:

حضرت ابوہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص کو لایا گیا جس نے شراب پی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی پٹائی کرو۔ حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ کوئی اسے اپنے ہاتھ سے مارتا تھا، کوئی اپنے جوتے سے اور کوئی کپڑے سے اسے مارتا تھا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو کسی نے کہا: اللہ نے تجھے ذلیل کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہ کہو اور اس پر شیطان کی مدد نہ کرو۔(۳۰)

﴿۷﴾ مے خوار کو کوڑے لگانے کا ایک واقعہ صحیح بخاری میں حضرت عمر بن خطابؓ سے مروی ہے کہ:

ایک شخص کو نبی اکرم ﷺ کے دور میں آپ ﷺ کے پاس لایا گیا جس کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا۔ یہ نبی اکرم ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا۔ اس نے ایک روز شراب پی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اسے کوڑے لگانے کا حکم دیا۔ جب کوڑے لگائے گئے تو ایک شخص نے کہا: اے اللہ لعنت! اسے کتنی دفعہ لایا گیا۔ مگر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس پر لعنت نہ کرو، میں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے۔(۳۱)

نبی اکرم ﷺ خود تو مدینہ طیبہ میں مقدمات کی سماعت فرماتے اور دیگر اطراف واکناف ریاست اسلامی میں آپ ﷺ نے قاضی مقرر فرمائے، جو ابتدائی سماعت کیا

marfat.com

کرتے اور ضرورت محسوس ہوتی تو مقدمات کو مدینہ کی عدالت عظمیٰ میں منتقل کر دیتے۔

عہد رسالت کے قاضی

مدینہ منورہ میں بھی آپ ﷺ نے بعض صحابہ ؓ کو قاضی و حکم مقرر فرمایا۔ ذیل میں چند معروف قاضیوں کے اسماء گرامی پیش کئے جاتے ہیں۔(۳۲)

۱۔ حضرت علی ؓ ، ۲۔ حضرت معاذ بن جبل ؓ ، ۳۔ حضرت العلاء بن الحضرمی ؓ ، ۴۔ حضرت معقل بن یسار ؓ ، ۵۔ حضرت عمرو بن العاص ؓ ، ۶۔ حضرت عقبہ بن عامر ؓ ، ۷۔ حضرت حذیفہ بن یمان ؓ ، ۸۔ حضرت عتاب بن اسید ؓ ، ۹۔ حضرت دحیہ کلبی ؓ ، ۱۰۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ ، ۱۱۔ حضرت عمر بن الخطاب ؓ ، ۱۲۔ حضرت ابی بن کعب ؓ ، ۱۳۔ حضرت زید بن ثابت ؓ ، ۱۴۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ ،

مندرجہ بالا روایات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ وہ نبی رحمت ﷺ جو رحمۃ للعالمین بن کر آئے تھے، کسی پر ظلم ہوتا دیکھتے تو ربِ ذوالجلال کی شانِ جلالت کا مظہر بن جاتے اور کسی ایسے شخص کے ساتھ نرمی نہ برتتے جس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا ہوتا۔ آپ ﷺ کی یہ سختی مظلوم کے حق میں رحمت ثابت ہوتی کہ اسے انصاف مل جاتا۔ تاریخ نے نبی اکرم ﷺ جیسا حکیم، مہربان، عادل اور انصاف پسند حکم اور قاضی کہیں نہیں دیکھا ہوگا۔

حواشی

۱۔ محمد شہیر ارسلان، القضاء والقضاۃ، ص ۶۰،

۲۔ منیر العجلانی، عبقریۃ الاسلام فی عہد الحکم، (دمشق، جامعہ دمشق)، ص ۳۳۷،

۳۔ ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، (کوئٹہ، بلوچستان بک ڈپو، ۱۳۰۶ھ / ۱۹۸۶ء) ج ۳ / ص ۱۵۳،

۴۔ مالک بن انس بن مالک الموطا، ج ۲ / ص ۱۶۵، کتاب الحدود، باب فی الرجم،

۵۔ بخاری، صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب الرجم بالمصلی،

۶۔ مسلم، صحیح مسلم، کتاب ۲۹، حدیث ۲۴،

marfat.com

۷۔ مالک بن انس بن مالک، الموطا، کتاب الحدود، باب ماجاء فی الرجم، ص ۱۶۶، نیز مسلم، کتاب ۲۹، حدیث ۲۴، و ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب ۳۷، باب ۲۴ و ترمذی، سنن الترمذی، کتاب ۱۵/ باب ۹،

۸۔ مسلم، صحیح مسلم، ج ۳/ ص ۳۲۳، کتاب الحدود، باب من اعترف علیٰ نفسہ بالزنا۔

۹۔ نسائی، ابو عبدالرحمٰن، احمد بن اشعث، سنن النسائی، کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت و کتب، (سن ندارد) ج ۴/ ص ۶۳، کتاب الجنائز، باب الصلوٰۃ علی الرجوم،

۱۰۔ ابوداؤد بجستانی، سنن ابی داؤد، ج ۴/ ص ۵۲،

۱۱۔ مالک بن انس بن مالک، الموطا، ج ۲/ ص ۱۶۵، کتاب الحدود، باب ماجاء فی الرجم، نیز الشیبانی، محمد بن حسن، موطا امام محمد، (لاہور، مسلم اکادمی، محرم ۱۴۰۶ھ/ نومبر ۱۹۸۵م) ص ۳۶۹/ حدیث ۶۹۱،

۱۲۔ ابوداؤد، سنن ابی داؤد، ج ۳/ ص ۱۵۶، کتاب الحدود، باب رجم الیہودین،

۱۳۔ مالک بن انس بن مالک، الموطا، ج ۲/ ص ۱۶۷، کتاب الحدود، باب ماجاء فی الرجم،

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۶۹، کتاب الحدود، باب ماجاء فیمن اعترف علی نفسه بالزنا،

۱۵۔ البیہقی، السنن الکبریٰ للبیہقی، ج ۸/ ص ۲۳/ کتاب الحدود،

۱۶۔ نسائی، السنن للنسائی،

۱۷۔ قرطبی، ج ۶/ ص ۱۶،

۱۸۔ مالک بن انس بن مالک، موطا امام مالک، ج ۲/ ص ۱۷۴، کتاب الحدود، باب مایجب فیه القطع، نیز موطا امام محمد، ص ۳۶۳/ حدیث ۶۸۳،

۱۹۔ ایضاً، کتاب الحدود، باب ترک الشفاعة للسارق اذا بلغ السطان، نیز ابوداؤد، ج ۴/ ص ۳۶۲/ حدیث ۶۸۲، و موطا امام محمد/ ص ۳۶۲/ حدیث ۲ ، و بخاری، ج ۳/ ص ۶۵۵،

۲۰۔ بخاری صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب کراهیة الشفاعة فی الحدود اذا رفع الی السلطان، و صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۳۱۵، کتاب الحدود، قطع السارق الشریف وغیره والنهی عن الشفاعة فی الحدود، و ابوداؤد، کتاب ۳۷/ باب ۱۶، و نسائی، کتاب ۴۶، باب ۶،۵ و مسند احمد بن

marfat.com

حنبل، ج ۲/ ص ۱۵۱۔
۲۱۔ عبدالرزاق، المصنف، ج ۱/ ص ۱۸۸/ حدیث ۱۸۷۷۳۔
۲۲۔ ابوداؤد، کتاب المراسیل، (کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب، سن ندارد)، ص ۲۷، نیز، البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی، السنن الکبریٰ، (بیروت، لبنان، دارالفکر، سن ندارد) ج ۸/ ص ۲۷۳، والنسائی، سنن النسائی، ج ۸/ ص ۸۹، و حاکم، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، نیشاپوری، المستدرک، (مکۃ المکرمہ، دارالباز للنشر، سن ندارد)، ج ۲/ ص ۳۸۲۔
۲۳۔ دار قطنی، ابوالحسن علی بن عمر، سنن الدار قطنی، (دہلی، مطبع فاروق) ج ۲/ ص ۳۷۳۔
۲۴۔ امام مسلم، صحیح مسلم، كتاب القسامة والمحاربين، باب ۵۴۵، حدیث ۴۲۴)
۲۵۔ صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب ۵۵۸، حدیث ۴۳۳۸۔
۲۶۔ ایضاً، حدیث ۴۳۴۔
۲۷۔ عبدالرزاق، مصنف، کتاب الحدود۔
۲۸۔ امام محمد بن حسن الشيبني، کتاب الآثار، ص ۱۳۷۔
۲۹۔ بخاری، صحیح البخاری، کتاب الحدود، باب ۹۵۲، حدیث ۱۶۷۹۔
۳۰۔ ایضاً، حدیث ۱۶۸۱
۳۱۔ ایضاً، ۹۵۳، حدیث ۱۶۸۴۔
۳۲۔ اعظمی، محمد ضیاء الرحمٰن، اقضية الرسول، ص ۳۵۔۴۷۔

marfat.com

آئندہ صفحات میں پیش کردہ مضامین حسبِ ذیل رسائل وجرائد میں شائع ہوئے۔

۱۔ نقشِ نعلینِ رسولِ اکرم ﷺ

ماہنامہ آگہی کراچی جولائی ۱۹۹۳ء

۲۔ اسلامی نظامِ حدود و تعزیرات کی حکمت

ماہنامہ الفاروق کراچی جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ

۳۔ رحم کرایہ پر لینے کی شرعی حیثیت

مجلّہ فقہ اسلامی کراچی اکتوبر ۲۰۰۱

۴۔ شکاگو تحریک اور شہادت کے تقاضے

ماہنامہ الجامعہ جھنگ / لاہور مئی ۱۹۹۸

ماہنامہ کاروانِ قمر کراچی مئی ۱۹۹۶ء

marfat.com

نقشِ نعلینِ رسولِ ﷺ کی برکات

سیر و میلاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض محافل میں شرکت کے دوران اور ریڈیو ٹی وی سے بارہا یہ شعر سنا۔

جو سر پہ رکھنے کو مل جائے نعلِ پاکِ حضور
تو پھر کہیں گے کہ ہاں تاجدار ہم بھی ہیں

اور ہر بار یہ حسرت دل میں مچل کر رہ گئی کہ کاش نعل پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے برکت حاصل کرنے کا موقع ملتا۔ اگرچہ ان گناہگار آنکھوں نے نعلین پاک کی زیارت تو متعدد مرتبہ کی ہے۔ مگر سر پہ رکھنے والا معاملہ نہیں ہو سکا۔ ایسے ہی ایک روز مدارج النبوہ کے مطالعہ کے دوران تعریف نعلین مبارکہ نظر سے گزری پھر علامہ عبدالرحمٰن ابن جوزی کی ''الوفا'' میں صفت نعلین مبارکہ پڑھی تو اشتیاق مزید بڑھا۔ پھر تو تعریف نعلین مبارکہ سے متعلق احادیث واقوال کی جستجو میں کئی ایک کتابیں دیکھ ڈالیں۔ اسی عرصہ میں مصر جانے کا اتفاق ہوا، اور ایک دوست نے علامہ محمود کردی کی کتاب تبرک الصحابہ بآثار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تحفۃً دی۔ جس کے مطالعہ سے اس اعتقاد کو تقویت حاصل ہوئی کہ نعلین پاک سے تبرک حاصل کرنا کوئی امر بدعت نہیں بلکہ معمول صحابہؓ وتابعین رہا ہے۔ محدثین کی روایات اور مؤرخین کے بیانات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو سابقون الاولون اور بدری صحابہ میں سے ہیں انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک اٹھائے رکھنے کی ڈیوٹی اپنے ذمہ لے رکھی تھی۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعود کے مناقب میں ان کی پہچان ہی صاحب النعلین والوسادۃ والمطہرہ لکھی ہے۔ (۱)

مواہب اللدینہ اور علامہ ابن جماعہ کی مختصر السیر میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ

marfat.com

بن مسعود رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین بردار تھے جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جانے کے لئے اٹھتے تو یہ آپ ﷺ کو نعلین پہناتے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نعلین اتار کر تشریف فرما ہوتے تو یہ آپ ﷺ کی نعلین اٹھا کر اپنے بازوؤں میں پہن لیتے تھے۔ (۲)

التراتیب الاداریہ میں قاسم بن عبدالرحمٰن کی مراسیل سے حارث بن ابی عمر کی روایت میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نعلین مبارک پہنایا کرتے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نعلین مبارک اتارتے تو یہ انہیں اپنے ہاتھوں میں پہن لیتے، اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جاتے تو یہ حضور کے ساتھ آگے آگے چلتے تھے۔ (۳)

امام زرقانی مواہب اللدنیہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارک کو اپنے بازوؤں میں پہن لینے کا راز یہ تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے خالی رکھتے تھے تاکہ اگر ضرورت پڑے تو وہ اپنے ہاتھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بجالائیں۔

جامع ترمذی کی شرح قوت المغتذی میں علامہ بیضاوی کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے تھے اور ہر حال میں آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ جب آپ ﷺ وضو کیلئے اٹھتے تو وہ آپ ﷺ کا کوزہ اٹھاتے تھے اور نعلین سنبھالتے تھے اور نعلین کو اپنے بازوؤں میں پہن لیتے تاکہ دوبارہ پہننے تک محفوظ رہیں۔ (۴)

احترام نعلین پاک جو صحابہ سے متوارث چلا آتا ہے ہر دور میں عاشقانِ رسول کے ہاں یکساں رہا ہے بلکہ عام و خاص امراء و فقراء سبھی نعلین مبارکہ کو محترم سمجھتے رہے ہیں۔

علامہ ابن کثیر نے امیر المؤمنین محمد المہدی کے مناقب بیان کرتے ہوئے تاریخ ابن کثیر میں لکھا ہے کہ ایک دن محمد المہدی کے پاس ایک شخص آیا جس کے پاس جوتوں کا ایک جوڑا تھا اس نے کہا یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین ہیں جو میں آپ کو تحفۃً پیش کرتا

marfat.com

ہوں۔ پس اس نے یہ نعلین لے لئے انہیں بوسہ دیا اور اپنے دائیں طرف رکھا اور اس شخص کو دس ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

جب وہ شخص چلا گیا تو مہدی نے کہا بخدا میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ جوتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہنے تو کیا انہیں کبھی دیکھا بھی نہ ہو گا لیکن اگر میں یہ اسے واپس کر دیتا تو وہ جا کر لوگوں سے کہتا پھرتا کہ میں نے مہدی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کا تحفہ دیا جو اس نے لوٹا دیا اور لوگ اس کی بات کو سچ سمجھتے۔

یہ تو تھا معاملہ برکات و احترام نعلین پاک کا۔ اب ذرا اس سے آگے بڑھئے تو معلوم ہو گا کہ عاشقانِ رسول ﷺ تو نقش کف پائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مر مٹنے کو تیار ہیں۔ حضرت علامہ عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چوں سوئے من گزر آری من مسکیں زنا داری
فدائے نقش نعلینت کنم جاں یا رسول اللہ

ایک اور عاشق رسول نقش نعلین کو اپنا سرمایہ افتخار سمجھتے ہوئے یوں گویا ہیں:

نقش نعلین تو عزو جاہ من
سنگ باب تست سجدہ گاہ من

ایک اور خیال نشان کف پائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے سلسلہ میں ایک عاشق صادق کی زبانی سنئے۔

بمقامیکہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

بات صرف نقش نعلین پر ہی ختم نہیں ہوتی اور نہ نعلین و نقش نعلین کے احترام و برکات پر بلکہ بعض علماء نے تو عکس نقشِ نعلینِ رسول کو بھی باعث برکت بتایا ہے۔ چنانچہ مولانا

marfat.com

اشرف علی تھانوی نے ایک مستقل رسالہ بعنوان نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ تحریر کیا ہے۔ جس میں نقش نعلین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بے حد باعث خیر و برکت ثابت کیا ہے، لکھتے ہیں:

> ''بعد الحمد والصلوٰۃ یہ ناچیز اشرف علی عرض کرتا ہے کہ ان دنوں ہم لوگوں کے کثرت معاصی سے جو کچھ ہجوم بلیات صوریہ و معنویہ ہے، ظاہر ہے اس کا علاج بجز اصلاح اعمال وتوبہ و استغفار کے کچھ نہیں ہے مگر ہم لوگوں کے قلب وزبان کی جو کیفیت ہے معلوم ہے، البتہ اگر کوئی وسیلہ قوی ہوتو اس کی برکت سے حضور قلب بھی میسر ہوسکتا ہے اور امید قبول بھی قریب ہے۔ منجملہ ان وسائل کے بتجربہ بزرگان دین نقشہ نعل مقدس حضور سرور عالم فخر آدم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت قوی البرکت، سریع الاثر پایا گیا ہے۔''

یہ چند سطور تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ میری طرح اور بھی اگر کچھ دوست ''تاجداری'' کے حصول کے متمنی ہوں تو وہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک کے نقش وعکس سے یہ تمنا پوری کرنے کے لئے اس کے فضائل و برکات کا مطالعہ فرمائیں اور استفادہ کریں۔

نقش نعلین پاک کے بہت فوائد ہیں جو علمائے کرام نے معتبر و مستند حوالوں سے اپنی تالیفات میں نقل کئے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

> اس نقش شریف کے آثار وخواص وفضائل کوکون شمار میں لاسکتا ہے مگر اس مقام پر (یعنی رسالہ نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ میں) نہایت اختصار کے ساتھ کتب معتبرہ علمائے محدثین ومحققین سے چند برکات اور کچھ ابیات برائے ذوق وشوق نقل کئے جاتے ہیں۔
>
> ''فتح المتعال فی مدح خیر النعال'' میں علامہ محدث حافظ تلمسانی فرماتے ہیں کہ اس نقش پاک کے فوائد اس قدر واضح ہیں کہ محتاج بیان نہیں۔

marfat.com

ان فوائد عجیبہ میں سے ایک یہ ہے کہ ابوجعفر کا کہنا ہے کہ میں نے ایک طالب علم کو نقش نعلین بنوا دیا تھا، چنانچہ ایک روز اس نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے کل رات اس نقش پاک کی ایک عجیب برکت دیکھی۔ ہوا یوں کہ رات کو میری بیوی کے شدید درد اٹھا میں نے یہ نقش پاک اس کی درد کی جگہ پر رکھ کر اللہ تعالیٰ سے التجا کی، یا اللہ مجھے اس کی برکت سے صاحب نعلین صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت دکھلا اور میری بیوی کو شفا عطا فرما۔ چنانچہ اللہ کے فضل سے فوراً شفاء ہوئی۔

نقش نعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و برکات میں بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جن میں محدث تلمسانی کی مذکورہ بالا کتاب ''فتح المتعال فی مدح خیر النعال'' اورالقول السدید فی ثبوت استبراک نعل سید الاحرار والعبید، نیز المرتجیٰ بالقبول فی خدمۃ قدم الرسول محمد بن عیسیٰ المقری کی قرہ العینین فی تحقیق امر النعلین عبداللہ بن محمد بن ہارون الطائی القرطبی کی باہر النظام و بارع الکلام فی صفۃ مثال نعل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام، ابو العباس المقری التلمسانی کی النفحات العنبر یہ فی وصف نعل خیر البریہ قابل ذکر ہیں۔ علاوہ ازیں ابو الیمن ابن عساکر، سراج البلقینی البستی اور دیگر کئی علماء متقدمین و متاخرین نے نعلین پاک کے نقش کے فضائل و برکات میں کم و بیش پچاس مستقل کتابیں لکھیں ہیں۔ محدث تلمسانی کی کتاب فتح المتعال فی مدح خیر النعال کی کئی شروح اور کئی خلاصے چھپ چکے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ محدث تلمسانی نے یہ کتاب موضوع کی مناسبت سے مسجد نبوی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمان ناز کی سمت بیٹھ کر لکھی ہے ایسے ہی ان کی ایک کتاب عمامہ کے بارے میں ہے۔ جو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کی طرف بیٹھ کر تحریر کی۔ محدث بزرگ کا مزار مصر میں مرجع خلائق ہے۔ شیخ محقق، علامہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ نقش نعلین کی تعریف و مدح میں اور اس کے فضائل میں بے شمار قصیدے لکھے گئے ہیں۔

ابو المحاسن علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی نے وصف و تعریف نعلین مبارکہ میں

marfat.com

طویل قصیدہ لکھا ہے جس کے مندرجہ ذیل دو شعر ہدیہ قارئین ہیں۔

انی خدمت مثال نعل المصطفیٰ
لاعیش فی الدارین تحت ظلالها

سعد بن مسعود بخدمة نعله
وانا السعید لخدمتی لمثالها

فرماتے ہیں، میں نے (یہ قصیدہ لکھ کر) نقش نعل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خدمت کی ہے وہ اس نظریے سے ہے تاکہ میں دنیا و آخرت میں ان کے سائے میں زندگی بسر کروں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین کی خدمت کر کے شاداں و فرحاں تھے، اور میں حضور ﷺ کے نعلین کے نقشہ کی خدمت کر کے خوش ہوں۔

مواہب لدنیہ میں علامہ احمد قسطلانی تحریر فرماتے ہیں کہ نقش نعلین شریف مقامِ درد پر رکھنے سے درد سے نجات مل جاتی ہے، اور پاس رکھنے سے راہ میں لوٹ مار سے محافظت ہو جاتی ہے، اور شیطان کے مکروہ فریب سے امان میں رہتا ہے اور حاسد کے شر و فساد سے محفوظ رہتا ہے۔ مسافت طے کرنے میں آسانی ہوتی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے مختلف علماء و بزرگان دین کے حوالہ سے جن خواص و فضائل نقشہ نعل شریف کا ذکر کیا ہے وہ افادہ عامہ کے پیش نظر تحریر کئے جاتے ہیں۔

فرماتے ہیں:

۱۔ قاسم بن محمد کا قول ہے کہ اس نقشہ کی آزمائی ہوئی برکت یہ ہے کہ جو شخص اس کو تبرکاً اپنے پاس رکھے، ظالموں کے ظلم سے، دشمنوں کے غلبہ سے، شیطان سرکش سے اور حاسد کی نظر بد سے امن و امان میں رہے گا، اور اگر حاملہ عورت زچگی کی تکلیف کے وقت اسے اپنے دائیں ہاتھ میں رکھے تو بفضلہٖ تعالیٰ اس کی مشکل آسان ہو۔

۲۔ شیخ ابن حبیب النبی روایت فرماتے ہیں کہ ان کے ایک دنبل نکلا کہ کسی کی سمجھ میں نہیں

marfat.com

آ تا تھا۔ نہایت سخت درد ہوا کہ کسی طبیب کی سمجھ میں اس کی دوا نہ آئی، انہوں نے یہ نقش شریف درد کی جگہ رکھ لیا معاً ایسا سکون ہو گیا کہ گویا کبھی درد ہوا ہی نہ تھا۔

صاحب فتح المتعال علامہ تلمسانی فرماتے ہیں کہ ایک اثر خود میرا مشاہدہ کردہ ہے اور وہ یہ کہ ایک بار سفر دریائے شور کا اتفاق ہوا اور دوران سفر ایک بار ایسی حالت ہوئی کہ سب ہلاکت کے قریب تھے۔ کسی کو بچنے کی امید نہ تھی۔ میں نے نقشہ نعلین ناخدا کے پاس بھیج دیا تا کہ اس سے توسل کرے چنانچہ اسی وقت اللہ تعالیٰ نے عافیت فرمائی۔

محمد بن الجزری سے منقول ہے کہ جو شخص اس نقشہ نعلین کو اپنے پاس رکھے خلائق میں مقبول رہے، اور خواب میں زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو۔ یہ نقش شریف جس لشکر میں ہوگا اس کو شکست نہ ہوگی، اور جس قافلہ میں ہو وہ لوٹ مار سے محفوظ رہے۔ جس سامان میں ہو وہ چوری سے محفوظ رہے، جس کشتی میں ہو وہ غرق ہونے سے بچے اور جس حاجت میں اس سے توسل کریں وہ پوری ہو۔

مولانا نے نقشہ نعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کا طریقہ بھی لکھا ہے فرماتے ہیں بہتر ہے کہ رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر وضو کر کے جس قدر نوافل تہجد پڑھ سکے پڑھے۔ پھر گیارہ مرتبہ درود شریف، گیارہ مرتبہ کلمہ طیبہ اور گیارہ مرتبہ استغفار پڑھ کر اس نقشے کو باادب اپنے سر پر رکھے اور بتضرع (نہایت گریہ وزاری سے) جناب باری تعالیٰ میں عرض کرے کہ الٰہی میں جس مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ نعل شریف کو اپنے سر پر لئے ہوئے ہوں ان کا ادنیٰ درجہ کا غلام ہوں۔ الٰہی اس نسبت غلامی پر نظر فرما کر ببرکت اس نعل شریف کے میری فلاں حاجت پوری فرمائیے، مگر خلاف شرع کوئی حاجت طلب نہ کرے۔ پھر سر پر سے اسے اتار کر چہرے پر ملے اور اس کو محبت سے بوسہ دے اور اشعار ذوق وشوق بغرض ازدیاد عشق محمدی پڑھے۔ انشاء اللہ عجیب کیفیت پائے گا۔

حافظ زین الدین العراقی نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار اشعار میں لکھی ہے، ان میں سے بعض اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین مبارکہ کے بارے میں

marfat.com

ہیں۔ ہر ہر شعر عشق و محبت مصطفیٰ کا آئینہ دار ہے۔

لکھتے ہیں۔

و نعلہ الکریمہ المصونہ طوبیٰ لمن مس بہا جبینہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین بڑے برکت والے ہیں۔ خوش نصیب ہے وہ جس نے اپنی پیشانی کو ان سے مس کیا۔

حوالہ جات

۱۔ صحیح بخاری کتاب المناقب، حدیث نمبر ۹۴۸۔

۲۔ علامہ احمد قسطلانی، المواہب اللدنیہ و مختصر السیر لابن جماعۃ

۳۔ علامہ عبدالحئی الکتانی، التراتیب الاداریہ۔

۴۔ زرقانی، شرح المواہب اللدنیہ۔

۵۔ قوت المغتذی شرح الجامع الترمذی۔

۶۔ تاریخ ابن کثیر۔

۷۔ نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ از مولانا اشرف علی تھانوی۔

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً

۱۰۔ التراتیب الاداریہ از علامہ عبدالحئی الکتانی۔

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً

۱۳۔ علامہ احمد قسطلانی المواہب اللدنیہ۔

۱۴۔ نیل الشفاء بنعل المصطفیٰ از مولانا اشرف علی تھانوی۔

۱۵۔ ایضاً

marfat.com

اسلامی نظام

حدود و تعزیرات کی حکمت

اسلامی نظام حدود و تعزیرات پر سطحی نظر رکھنے والے بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ قاتل کو قتل کی سزا دینا، چور کا ہاتھ کاٹنا اور زانی کو سنگسار کرنا، اسلامی شریعت کے سخت اور ظالمانہ قوانین ہیں اور یہ کہ اب لوگ بہت باشعور اور حساس ہو چکے ہیں۔ اس لئے اس قسم کی سزاؤں کا سلسلہ اب ختم کیا جانا چاہئے اور اس کی جگہ ایسا طرز سزا اختیار کیا جانا چاہئے جو عصر حاضر کے جدید تقاضوں کے مطابق ہو۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ مجرم دراصل اس بیمار کی طرح ہے جس کا علاج ممکن ہے یہ ایسا بیمار نہیں جو لاعلاج ہو چکا ہو اور کسی بھی بیماری سے نجات کا یہ طریقہ نہیں کہ مریض ہی کو ختم کر دیا جائے۔ بلکہ مریض کا علاج کر کے مرض کا خاتمہ کیا جانا چاہئے۔ بظاہر یہ بڑا حکیمانہ انداز لگتا ہے لیکن اسلامی حدود و تعزیرات کو ظالمانہ ثابت کرنے کے لئے یہ انتہائی احمقانہ استدلال ہے۔

یہ خیال دراصل اسلامی نظام عدل کی حکمت سے عدم واقفیت اور اسلامی نظام حدود اور تعزیرات کے بارے میں سطحی معلومات ہونے کی وجہ سے ایک طبقہ کے دماغ میں رچ بس گیا ہے اور وہ کسی بھی طرح اپنی سوچ کو صحیح اور اپنی خام خیالی کو حقیقت ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے۔

حالانکہ یہ طبقہ اگر اسلامی نظام عدل کی ان حکمتوں پر غور و فکر کرے۔ جو چور کا ہاتھ کاٹنے، زانی کو سنگسار کرنے اور قاتل کو قتل کرنے میں پنہاں ہے تو انہیں معلوم ہو کہ امن عامہ کی بحالی، جرائم کے خاتمے، اور معاشرہ کی خوشحالی کا راز ان حدود و تعزیرات پر عمل کرنے ہی میں مضمر ہے۔ ان حدود و تعزیرات پر عمل کرنے سے جو پاکیزہ معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے۔ اگر عملاً اس کی ایک جھلک یہ لوگ دیکھ لیں تو یقیناً سزاؤں کو ظالمانہ کہنے کے بجائے منصفانہ بلکہ مشفقانہ کہے بغیر نہ رہ سکیں۔

یہ بات اب پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ فطرتاً انسان، قوانین اور ضوابط کی پابندیوں سے آزادی چاہتا ہے اور وہ اپنی خواہشات کے مطابق وہ سب کچھ کرنا چاہتا ہے جس سے

marfat.com

اس کی نفس کے تسکین ممکن ہو۔ کوئی بھی ایسی پابندی جو اس کی کسی خواہش کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ ہو۔ وہ اسے قبول کرنے کو ہرگز تیار نہیں یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک کمسن بچہ اگر آگ کی چنگاری کو پکڑنا چاہے اور اسے اس سے منع کیا جائے تو وہ ضد کرنے اور رونے لگتا ہے اور اس کے والدین جب اسے اس خواہش کی تکمیل سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ اسے اپنے اوپر ایک پابندی تصور کرتے ہوئے اس سے آزادی کے لئے چیخ و پکار کرتا ہے۔

ایک نوجوان اپنے والدین کی نگاہوں سے بچ کر کوئی غیر اخلاقی فعل کرتا ہے اور اس کے اس فعل کا علم جب اس کے والدین کو ہوتا ہے اور وہ اس کے بہک جانے یا بھٹک جانے کے خوف سے اسے منع کرتے ہیں تو وہ والدین کی طرف سے اس ممانعت کو قبول نہیں کرتا ہے اور بعض اوقات تو والدین کی طرف سے عائد پابندی کے خلاف اس کا ردِ عمل اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ اپنے والدین کے مرتبہ و مقام کو فراموش کر کے اپنی انا کی تسکین کی خاطر اپنے ان مہربان والدین کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ جنہوں نے اسے نہایت محبت و پیار سے پال کر جوان کیا ہوتا ہے۔ موجودہ دور میں اس کی مثالیں بے شمار ہیں اور اخبارات اس قسم کی خبریں آئے دن شائع کرتے رہتے ہیں۔

پابندی کو قبول نہ کرنے کی عادت اور قوانین و ضوابط سے فرار کوئی نئی بات نہیں اور نہ ہی یہ اس دور کا کوئی نیا مسئلہ ہے۔ یہ سلسلہ تو زمانہ قدیم سے قائم ہے اور اس کی کڑیاں انسان اوّل کے دور سے ملی ہوئی ہیں۔

اس ضمن میں ہابیل اور قابیل کا واقعہ (جس کا ذکر قرآن حکیم میں تفصیل کے ساتھ موجود ہے) ایک بین دلیل ہے کہ انسان فطری طور پر پابندیوں سے آزادی چاہتا ہے۔ حتیٰ کہ ...... بعض ایسی پابندیوں کو جو وہ اپنے ہم نسلوں پر خود عائد کرتا ہے بسا اوقات انہیں اپنے لئے برداشت نہیں کرتا۔ مثلاً

کوئی بھی انسان یہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس سے ترش روئی سے پیش آئے گویا وہ ترش روئی اختیار کرنے پر پابندی عائد کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اکثر اوقات وہ خود دوسروں سے معمولی سی بات پر ترش روی پر اتر آتا ہے۔ یعنی اپنی تخلیق کردہ پابندی کی خود ہی خلاف ورزی کرنے لگتا ہے۔

marfat.com

پھر جب انسان اپنی ہی بنائی ہوی پابندیوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ ہو تو وہ ایسی پابندیوں کو کیونکر قبول کر سکتا ہے جو اس پر کسی قوت نافذہ کے ذریعہ جبراً عائد کی جائیں۔

پس معلوم ہوا کہ انسان فطری طور پر آزادی پسند اور پابندیوں کے خلاف ہے۔

اب اس تناظر میں یہ سمجھنا زیادہ آسان ہوگا کہ بہت سے انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد پابندیوں کو قبول کرنے کو کیوں تیار نہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حدود و تعزیرات کو ظالمانہ اور سخت کیوں قرار دیتے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے کہا کہ انسان فطری طور پر "آزادی پسند" ہے اور اس کی یہ آزادی پسندی طبعی ہے۔ اختیاری نہیں۔ سو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سخت اور ظالمانہ تصور کرتے ہیں وہ ان پابندیوں کو (جو اللہ تعالیٰ نے عائد کی ہیں) سطحی انداز سے لیتے ہیں اور یہ بات بھول جاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ (ان کے خالق) کی طرف سے عائد کردہ احکامات ہیں۔ جن کی خلاف ورزی سے خالق کی حکم عدولی ہوتی ہے۔ جو اس کی ناراضگی اور عتاب کا موجب بنتی ہے۔

لیکن یہ بات تو جبھی یاد رہ سکتی ہے جب خالق کی رضا و ناراضگی پر اعتقاد ہو۔ اور اس کی رضا و ناراضگی سے مرتب ہونے والے اثرات پر یقین ہو۔ بالفاظ دیگر ایمان باللہ کامل ہو۔ تو اس کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کو قبول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہو سکتی اور اگر ایمان باللہ ناقص ہو تو پھر انسان اس فطری دباؤ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد شدہ پابندیوں کے خلاف بھی آواز بلند کرنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھے گا۔ جس کے باعث وہ خود اپنی بنائی ہوئی پابندیوں سے فرار اختیار کرتا ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جب تک اللہ تعالیٰ پر ایمان کامل نہیں اور اسے مالک حقیقی اور اس کے ہر حکم کو حکمت پر مبنی تصور کرتے ہوئے اس کی احکامات کی بجا آوری کو عبادت کا درجہ نہیں دیا جاتا اور اس کے حکم کی خلاف ورزی کو اس کی ناراضگی کا باعث تسلیم نہیں کیا جاتا، تب تک اللہ کے احکامات یا بالفاظ دیگر اللہ کی طرف سے عائد کردہ پابندیوں کو قبول کرنے پر حضرت انسان تیار نہیں ہو سکتا۔

سو ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اس بات پر توجہ دیں اور غور کریں کہ جو لوگ اسلامی نظام عدل کو ظالمانہ قرار دینے کے لئے ایڑھی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں وہ

marfat.com

کون ہیں؟ اور ان کے مقاصد کیا ہیں؟

کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کو ظالمانہ قرار دے کر لوگوں کے دلوں میں "اللہ تعالیٰ کے بارے میں قائم عقیدہ توحید کو مٹانے کی خاطر کوشاں ہوں اور یوں الحاد کی راہ ہموار کر رہے ہوں؟"

اسلامی حدود تعزیرات کو ظالمانہ قرار دینے والوں کا موقف قصاص کے سلسلے میں بڑا ہی عجیب ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قاتل کو مقتول کے بدلے میں مار ڈالنا صحیح نہیں۔ بلکہ اس کی اصلاح ہونی چاہئے اور قاتل کو قید و بند کی سزا دینا ہی کافی ہے اور اس سلسلے میں وہ مغربی ممالک کی مثالیں بڑے طمطراق سے پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ مغربی ممالک کی اکثریت خود مجرم کو سزائے موت دیتی ہے برطانوی جریدے "سنڈے ٹیلی گراف" کی مئی ۱۹۶۲ء کی ایک اشاعت اس بات پر گواہ ہے۔ اخبار لکھتا ہے:

"روس نے قالت کی سزائے موت منسوخ کر دی تھی لیکن پھر روس میں اتنے قتل ہونے لگے کہ مجبوراً روس کو سزائے موت کا قانون بحال کرنا پڑا۔ اسی طرح امریکہ کی بہت کم ریاستیں ایسی ہیں جہاں سزائے موت کا قانون نہ ہو اور امریکہ کی کئی ریاستیں یہ تجربہ کر چکی ہیں کہ جب بھی اس قانون کو بدلایا ختم کیا گیا ہے ریاست میں قتل کی وارداتوں میں بے پناہ اضافہ ہوا اور بالا آخر سزائے موت کے قانون کو بحال کرنا پڑا۔"

قاتل کے لئے سزائے موت کی حکمت پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سزا امن عامہ کے سلسلے میں اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ جب ہر شخص یہ جانتا ہو کہ قاتل کو زندہ نہیں چھوڑا جائے گا تو پھر کوئی بھی شخص کسی کی جان لے کر اپنی جان داؤ پر لگانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ لیکن اگر یہ معلوم ہو کہ کسی کی زندگی کا یہ چراغ گل کر کے اپنی جان سلامت رہے گی اور چند برس جیل میں رہ کر آزادی مل جائے گی تو کسی پر بندوق تاننے، کسی کا گلا دبانے اور کسی کی جان لینے میں زیادہ تامل نہیں ہوگا اور یوں جرائم کی تعداد میں اضافہ ہی ہوگا کمی نہیں ہوگی۔

مذکورہ الصدر گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اسلامی نظام حدود و تعزیرات حکمت پر مبنی ہے۔ اور اللہ جل شانہ کا اس کے بندوں کے مفاد میں انتہائی حکیمانہ نظام عدل ہے جسے فطری آزادی پسندی کی بھینٹ نہیں چڑھایا جاسکتا ہے۔

marfat.com

رحم کرائے پر لینے کی شرعی حیثیت

یورپ کا لادین طبقہ انسانی قدروں کو مٹانے اور اسلامی معاشرتی نظام کو درہم برہم کرنے کے درپے ہے چنانچہ وہ ہر ایسا اقدام کر رہا ہے جس سے تکریم انسان ختم اور توہین انسان عام ہو۔ چنانچہ اس نے بے اولاد لوگوں سے ہمدردی کے جذبے کے خوبصورت سلوگن کے تحت متبادل ماؤں، کرائے کے رحموں یا کرائے کے پیٹوں کو رواج دیا ہے۔

تاجیر الارحام یا پیٹ کرائے پر حاصل کرنے یا کرائے کی ماؤں کا معاملہ اسلامی و انسانی اقدار کے سراسر منافی ہے۔ آسان لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص کی بیوی مریضہ ہے اور وہ اولاد نہیں جن سکتی مگر اس میں تولیدی جراثیم موجود ہیں تو اس کے جرثومے (جنہیں سائنسی زبان میں انڈے کہا جاتا ہے) حاصل کر کے اس عورت کے شوہر کے مادہ منویہ سے ملا کر کسی دوسری عورت کے رحم میں داخل کر دیئے جائیں اور یوں اس دوسری عورت کے رحم میں نطفہ قرار پکڑے اور بچے کی ولادت سے قبل کے تمام مراحل اس عورت کے رحم میں مکمل ہوں اور جب بچہ رحم میں مکمل نشوونما پا کر پیدا ہو تو یہ اس مرد و عورت کے سپرد کر دیا جائے جن کے جرثومے حاصل کر کے آمیزش کے بعد اس دوسری عورت کے رحم میں داخل کیے گئے تھے۔

اس طرح اولاد پہلی عورت کی ہو اور دوسری عورت کو استقرارِ حمل سے تولید جنین تک کے عرصہ کی تکالیف کا معاوضہ ادا کر دیا جائے۔ اس عمل کو تاجیر الرحم کہا جا سکتا ہے۔ یورپ میں اپنے رحم کرائے پر دینے والی عورتوں کو متبادل ماں کا نام بھی دیا جا رہا ہے۔ اس صورتحال نے جو مسائل پیدا کیے ہیں وہ متعدد اور مختلف النوع ہیں مثلاً:

- مرد کے مادہ منویہ اور عورت کے جرثومہ (انڈے) حاصل کرنے کا عمل اور فطری طریقہ سے ہٹ کر ان کو کسی دوسری خاتون کے رحم میں منتقل کرنا۔
- دوسری خاتون کے غیر شادی شدہ ہونے کی صورت میں مترتب ہونے والے احکام۔
- دوسری خاتون کے شادی شدہ ہونے کی صورت میں (اس امانت کی حاملہ ہونے کے بعد) اپنے شوہر سے قربت (ملاپ) اور اس اختلاط کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے مسائل۔

marfat.com

- دوسری خاتون اگر پہلی کی رشتہ دار، بہن یا ماں وغیرہ ہو تو اس صورت میں پیدا ہونے والے مسائل۔
- بچے کی ولادت پر اس کے ثبوتِ نسب کا معاملہ کہ وہ بچہ کس کا کہلائے گا پہلی عورت کا یا دوسری کا۔ اسی طرح وہ کس مرد کی میراث پائے گا پہلے باپ کی جس کا وہ نطفہ ہے یا دوسرے باپ کی (جس کی بیوی نے اسے اپنے رحم میں نشو ونما کے عمل سے گزار کر ولادت اور جنم دیا)۔
- خود اس دوسری عورت کی معاشرہ میں حیثیت اور احترامِ آدمیت کے معاملات۔
- رحم کرائے پر فراہم کرنے والی عورت نے اگر ایک سے زائد خاندانوں کے مردوں کو اپنا رحم بچوں کی ولادت کے لئے پیش کیا ہو اور اس طرح اس نے متعدد بچوں کو جنم دیا ہو تو ان کے آپس میں رشتوں اور تعلق کا معاملہ۔

اس طرح کے متعدد مسائل اس ایک غیر فطری عمل کے نتیجہ میں پیدا ہوں گے۔ مگر ہم پہلے اس عمل یعنی کرائے پر رحم لینا یا کرائے پر رحم پیش کرنے کے معاملہ پر گفتگو کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک عزت و تکریم بخشی ہے، اس کا اظہار خالق نے اپنی مقدس کتاب قرآن مبین میں یوں فرمایا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۷۰)

یعنی: بیشک ہم نے شرف عطا کیا اولادِ آدم کو اور ہم نے انہیں سوار کیا خشکی اور تری میں اور پاکیزہ چیزوں سے انہیں رزق دیا اور ہم نے انہیں بہت سی ایسی چیزوں پر فضیلت دی (واضح فضیلت) جنہیں ہم نے پیدا کیا۔

دوسری جگہ فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ (لقمن:۱۴)

یعنی: ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (نیکی کا) حکم دیا۔ اس کی ماں نے اسے پیٹ میں اٹھایا، کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے۔

گویا انسانی کرامت یا عزت و تکریم عطیۂ ربانی ہے۔ اور اسے ضائع کرنے یا اسے مجروح کرنے کا عمل اس عطائے خداوندی کی ناقدری اور اس کی منشاء (کہ انسان صاحب کرامت ہو) کے خلاف ہے۔ اسلام نے اسی عزت و تکریم کو مقاصدِ شریعت میں نمایاں کیا ہے اور حفظِ نسل کو

marfat.com

عمل شرعاً جائز نہیں اور اس کے عدم جواز کے اسباب و وجوہ اس کی متعدد قباحتوں کی بناء پر ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ (الدھر:۲)

کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا ایک مخلوط نطفہ سے۔

اور مخلوط نطفہ میں جس مرد و عورت کے جرثومے شامل ہیں وہی دراصل ماں باپ ہونے چاہئیں۔ جبکہ ایک دوسری آیت میں ہے:

"إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا الّٰئِي وَلَدْنَهُمْ ؕ"

کہ بے شک ان کی مائیں وہ ہیں جنہوں نے انہیں جنم دیا۔

پھر ارشادِ باری ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ (لقمٰن:۱۴)

کہ ہم نے انسان کو والدین کے (حقوق کے) معاملہ میں نصیحت کی کہ اس کی ماں نے اسے تکالیف پر تکالیف برداشت کر کے (بصورت حمل) اٹھائے رکھا۔

اور حدیث شریف پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ

"الولد للفراش و للعاھر الحجر"

تو اس طرح بچہ اس عورت کا قرار پائے گا جس کے رحم میں اس نے نطفہ سے علقہ، علقہ سے مضغہ، مضغہ سے عظام اور عظام پر لحم و روح پانے کے مراحل طے کئے اور پھر اس کی ایک کامل انسان کی صورت میں ولادت ہوئی۔ اور از روئے حدیث مذکور بھی وہ صاحب فراش کا یعنی اس مرد کا بیٹا ہوگا جس کی بیوی کے رحم میں اس کی پرورش ہوئی اور جس نے اسے جنم دیا۔
یوں حفظِ نسب کا معاملہ الجھ جائے گا۔

۲۔ پھر جیسا کہ ہم نے شروع میں کہا اگر وہ عورت جس کے رحم میں نطفہ منتقل کیا گیا اس کا شوہر اس کے بعد اس سے ازدواجی معاملہ (جماع) کرے گا تو ممکن ہے کہ منتقل شدہ نطفہ کسی بھی وقت ضائع ہو کر اس کا اپنی بیوی سے امشاج تیار ہو کر قرار پکڑے۔ اب نزاع اس پر ہوگا کہ بچہ پہلی عورت و مرد کا ہے یا دوسرے جوڑے کا۔

marfat.com

۳۔ اگر کرائے کا رحم کسی غیر شادی شدہ عورت کا ہو تو تصور کیجئے کہ استقرارِ حمل سے وضع حمل تک کے عرصہ میں ایک اسلامی معاشرہ میں اس لڑکی کی حیثیت کیا ہوگی اور بصورتِ ولادت اس کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی؟ اور وہ ایک بن بیاہی ماں کی حیثیت سے اپنی فطری کرامت یا تکریم کو کس طرح کھو بیٹھے گی۔

۴۔ اگر کرائے کا رحم پیش کرنے والی عورت ایک سے زائد مرتبہ یہ عمل کرے گی تو اس کے رحم سے پیدا ہونے والے بچوں کی رشتہ داریاں ان کی لاعلمی میں قائم ہو جانے کی صورت میں یا ان کے علم میں ہونے کے باوجود قائم ہونے پر ایک نیا فتنہ پیدا ہوگا۔

۵۔ کرائے کا رحم پیش کرنے والی عورت سے جنم لینے والا بچہ کس کی میراث پائے گا؟ اپنے جرثوے اور امشاج والے ماں باپ کی یا جنم دینے والے جوڑے کی؟

علیٰ ھذا القیاس متعدد معاشرتی مسائل جنم لیں گے اور اسلام کا حفظِ نسب و حفظ نسل کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ ان دو مقاصد کو قصداً نظرانداز کر کے خلافِ شریعت اس عمل کو اختیار کرنا حدود اللہ سے تجاوز کے زمرے میں آتا ہے، لہٰذا سدِ ذرائع کی حکمت و منفعت کے پیش نظر علیٰ وجہ الاحتیاط اس عمل کو حرمت کا درجہ حاصل ہوگا۔ اس میں ذرا سی لچک اور جھول بھی انسانی تکریم کے خلاف ایک پنڈورا بکس کھول دے گی پھر کرائے کی مائیں، کرائے کے رحم اور نطفوں کی خرید و فروخت کا کاروبار فروغ پائے گا۔ جس کے شوہر کے جرثوے مردہ ہوں وہ کسی اور کے جرثوے لے کر اولاد حاصل کر لے اور جس عورت کے بویضات (انڈے) ناکارہ ہوں اس کا شوہر کسی دوسری عورت سے یہ بویضات حاصل کر کے کام چلا لے۔

مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ (مصر) نے اس مسئلہ پر طویل غور و خوض کے بعد جو فتویٰ جاری کیا ہے اس میں تاجیر ارحام کو حرام قرار دیتے ہوئے مصری حدود میں ایسے کسی بھی آپریشن کی اجازت دینے پر پابندی عائد کرنے اور اس فعل کے مرتکب افراد کو سزا دینے کی سفارش کی گئی ہے۔

راقم کے خیال میں تاجیر ارحام کو اگرچہ زنا سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی تاہم اس آپریشن میں کئی قباحتیں ایسی موجود ہیں جو تکریم نسواں اور احترام آدمیت کے صریح خلاف ہیں۔ مثلاً آپریشن میں مرد ڈاکٹروں کا خاتون کے رحم تک امشاج کو پہنچانے کے لئے خاتون کی شرمگاہ کو دیکھنا، چھونا اور اس طرح کے دیگر معاملات حرمت کے زمرے میں آتے ہیں، قرآنِ کریم نے کہا ہے:

marfat.com

Dubble

۳۔ اگر کرائے کا رحم کسی غیر شادی شدہ عورت کا ہو تو تصور کیجئے کہ استقرارِ حمل سے وضع حمل تک کے عرصہ میں ایک اسلامی معاشرہ میں اس لڑکی کی حیثیت کیا ہوگی اور بصورتِ ولادت اس کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے گی؟ اور وہ ایک بن بیاہی ماں کی حیثیت سے اپنی فطری کرامت یا تکریم کو کس طرح کھو بیٹھے گی۔

۴۔ اگر کرائے کا رحم پیش کرنے والی عورت ایک سے زائد مرتبہ یہ عمل کرے گی تو اس کے رحم سے پیدا ہونے والے بچوں کی رشتہ داریاں ان کی لاعلمی میں قائم ہو جانے کی صورت میں یا ان کے علم میں ہونے کے باوجود قائم ہونے پر ایک نیا فتنہ پیدا ہوگا۔

۵۔ کرائے کا رحم پیش کرنے والی عورت سے جنم لینے والا بچہ کس کی میراث پائے گا؟ اپنے جرثومے اور امشاج والے ماں باپ کی یا جنم دینے والے جوڑے کی؟

علیٰ ھذا القیاس متعدد معاشرتی مسائل جنم لیں گے اور اسلام کا حفظِ نسب و حفظ نسل کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ ان دو مقاصد کو قصداً نظر انداز کر کے خلافِ شریعت اس عمل کو اختیار کرنا حدود اللہ سے تجاوز کے زمرے میں آتا ہے، لہٰذا سدِ ذرائع کی حکمت و منفعت کے پیش نظر علیٰ وجہ الاحتیاط اس عمل کو حرمت کا درجہ حاصل ہوگا۔ اس میں ذرا سی لچک اور جھول بھی انسانی تکریم کے خلاف ایک پنڈورا بکس کھول دے گی پھر کرائے کی مائیں، کرائے کے رحم اور نطفوں کی خرید و فروخت کا کاروبار فروغ پائے گا۔ جس کے شوہر کے جرثومے مردہ ہوں وہ کسی اور کے جرثومے لے کر اولاد حاصل کر لے اور جس عورت کے بویضات (انڈے) ناکارہ ہوں اس کا شوہر کسی دوسری عورت سے یہ بویضات حاصل کر کے کام چلا لے۔

مجمع البحوث الاسلامیہ قاہرہ (مصر) نے اس مسئلہ پر طویل غور و خوض کے بعد جو فتویٰ جاری کیا ہے اس میں تاجیر ارحام کو حرام قرار دیتے ہوئے مصری حدود میں ایسے کسی بھی آپریشن کی اجازت دینے پر پابندی عائد کرنے اور اس فعل کے مرتکب افراد کو سزا دینے کی سفارش کی گئی ہے۔

راقم کے خیال میں تاجیر ارحام کو اگرچہ زنا سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی تاہم اس آپریشن میں کئی قباحتیں ایسی موجود ہیں جو تکریم نسواں اور احترام آدمیت کے صریح خلاف ہیں۔ مثلاً آپریشن میں مرد ڈاکٹروں کا خاتون کے رحم تک امشاج کو پہنچانے کے لئے خاتون کی شرمگاہ کو دیکھنا، چھونا اور اس طرح کے دیگر معاملات حرمت کے زمرے میں آتے ہیں، قرآن کریم نے کہا ہے:

marfat.com

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ اَنْ يَّغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ''

کہ مومن مردوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

جبکہ ایسے کسی آپریشن میں نہ غضِ بصر ہو سکتا ہے نہ عدم لمس۔ اور نہ ستر نہ حفظِ فروجِ خواتین۔

۲۔ نکاح میں ایک مسلم مرد ایک مسلم خاتون کے بضع کا مالک بن جاتا ہے اور رحم بضع کے تابع ہے اسی لئے بضع کا مالک رحم کا مالک ہوتا ہے۔ مگر متبادل ماں اور کرائے کے رحم کی صورت میں جب کوئی خاتون کسی اجنبی مرد کو اپنا رحم کرائے پر دیں گی تو گویا بضع کا مالک بنائیں گی، اور اس طرح کا عقد جس میں بغیر نکاحِ شرعی کے کوئی عورت کسی اجنبی مرد کو اپنے بضع و رحم کا مالک بنا دے جائز نہیں ہو سکتا۔

شریعت اسلامی کا یہ اصول نہیں کہ پہلے فساد کو پھیل لینے دیا جائے اور پھر اس کا علاج کیا جائے بلکہ اسلام تو سدِ ذرائع کا حکم دیتا ہے یعنی ان راستوں کو ہی بند کر دینے کا جو کسی غیر فطری غیر شرعی امر کا باعث بن سکتے ہوں۔ چنانچہ حفظِ نسل و حفظِ نسب کی خاطر زنا کی تمام صورتوں کو حرام قرار دے کر وہ راستہ ہی بند کر دیا جس سے یہ دو مقصد فوت ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی نقب زنی کی کوشش کرتے ہوئے یوں راہ نکالے کہ زنا بھی نہ ہو اور اولاد بھی مل جائے تو اس سے اگر چہ اصطلاحی زنا تو نہیں ہوگا۔ حفظِ نسب و نسل کا مقصد جس کی خاطر زنا کو حرام قرار دیا گیا فوت ہو جائے گا، لہٰذا اس نقب زنی کے عمل کو بھی سد ذرائع کے تحت لاتے ہوئے حرام قرار دینا ضروری ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ تاجیر ارحام کا جواز بر بنائے قیاس قرآن و سنت سے ثابت ہے کہ قرآن و سنت نے بچوں کو ان کی ماؤں کے علاوہ دیگر خواتین کا اجرت پر دودھ پلانا جائز رکھا ہے جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ج وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ج وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗ اُخْرٰى ۝ (الطلاق: ۶)

کہ..... اگر وہ تمہارے لئے بچے کو دودھ پلائیں تو انہیں ان کی اجرت دو اور آپس میں دستور کے مطابق مشورہ کرو، اور اگر تم باہم دشواری محسوس کرو تو اب اسے (کوئی) دوسری عورت دودھ پلائے۔

marfat.com

نیز قرآنِ کریم میں ہے:

وَ اُمَّهَاتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ (النساء:۲۳)

(یعنی: تمہاری رضاعی مائیں اور تمہارے رضاعی بھائی)

اور حدیث شریف میں ہے:

یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب

یعنی جو چیز نسب سے حرام قرار پاتی ہے وہ رضاعت سے بھی حرام قرار پائے گی۔

ان دلائل کی بناء پر کسی عورت کو دودھ پلانے کے لئے اجرت پر مقرر کرنا جائز ہے تو قیاس کرتے ہوئے رحم کو بھی کرائے پر حاصل کرنا جائز ہونا چاہئے۔ مگر یہ قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ دودھ پلانے کا عمل ایک خارجی عمل ہے جو کسی قباحت کا باعث نہیں بنتا اور دودھ پینے والا بچہ دودھ پلانے والی عورت سے کسی بھی وقت الگ کیا جا سکتا ہے اور اس کی ضرورت کسی اور ذریعہ سے بھی پوری کی جا سکتی ہے۔ مگر وہ بچہ جو جنین ہے اور رحم مادر میں ہے اسے وہاں سے کسی بھی وقت الگ کرنا اسے ہلاک کرنا ہے۔ وہ اس عورت کے رحم میں ایک بار قرار پکڑنے کے بعد اس کا محتاج ہے، اسے اسی کے رحم میں غذا کی ضرورت بھی ہے اور نشوونما کی بھی۔

نیز شرعی عقود میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ جانبین میں سے کسی کو ضرر نہ پہنچے اور کوئی صورتِ نزاع پیدا نہ ہو، اسی لئے ایسے عقود کو شریعت نے عقد صحیح قرار نہیں دیا جن کی شرائط میں کوئی شرط ایسی ہو جو متعاقدین کے مابین نزاع کا باعث بن سکتی ہو یا ضرر کا سبب۔ تاجیر رحم میں جو عقد ایک جوڑے کا دوسرے جوڑے یا دوسری عورت سے طے پائے گا اس میں ضرر اور نزاع کا پہلو بڑا واضح ہے کہ دوسری عورت کسی بھی وقت اس جنین کا اخراج کرا دے یا ایسی دوا استعمال کر لے جس سے اسقاطِ حمل واقع ہو جائے یا استقرارِ حمل سے قبل ہی دوسرے میاں بیوی جماع کر کے اپنا امشاج رحم میں پہنچانے میں کامیاب ہو جائیں۔ ان تمام صورتوں میں بچہ حاصل کرنے کے خواہش مند میاں بیوی اور کرائے پر اپنا رحم پیش کرنی والی عورت کے مابین لازمی نزاع پیدا ہو گا اور ضرر بھی پہنچے گا۔ چنانچہ اس اعتبار سے بھی یہ معاملہ عقد جائز نہ ہو گا۔

ڈاکٹر ابوالسرور ڈین فیکلٹی آف میڈیسن جامعہ ازہر نے ایک ایسا کیس پیش کیا ہے جس

marfat.com

میں برطانیہ میں ایک خاتون کا رحم کرائے پر حاصل کیا گیا اور بیس ہزار پاؤنڈ کرایہ طے پایا۔ نو ماہ کا معاہدہ تھا مدت پوری ہونے پر خاتون نے مطالبہ کر دیا کہ وہ بچے کی ماں ہے اور وہ اپنے اس حق سے دستبردار نہیں ہوگی الا یہ کہ اسے چالیس ہزار پاؤنڈ مزید ادا کیے جائیں۔

یہ اور اس طرح کے دیگر پیچیدہ مسائل تاجیر ارحام کے جواز سے پیدا ہوں گے، چنانچہ اقرب الی الصواب بات یہی ہوگی کہ تاجیر ارحام کی حرمت قائم رکھی جائے اور جواز کا راستہ دیگر بہت سی قباحتوں کو روکنے اور بذاتِ خود قبیح عمل ہونے کی بناء پر بند رکھا جائے۔

لادینیت میں جو کام بھی لوگوں کی نیت وارادہ میں ہو اس کا کرنا ان کے ہاں درست بلکہ ان کا حق قرار پاتا ہے جبکہ دینداری بالخصوص اسلام جیسے پاکیزہ ونفیس دین میں ایسی آزادی نہیں۔

۳ر اکتوبر ۱۹۸۷ء کے اخبارات میں ایک خبر AFP کے حوالہ سے شائع ہوئی تھی کہ جنوبی افریقہ کے شہر جوہانسبرگ میں ایک خاتون نے اولاد کی خواہش کے پیش نظر اپنی ماں سے یہ درخواست کی کہ وہ اپنا رحم پیش کرے۔ چنانچہ میاں بیوی کے جرثوموں کا آمیزہ اولاد کی خواہش مند خاتون کی والدہ کے رحم میں منتقل کیا گیا اور اس خاتون نے تین جڑواں بچوں (دو لڑکوں اور ایک لڑکی) کو جنم دیا۔ اپنی بانجھ بیٹی کی خواہش اولاد کی تکمیل کی خاطر جس خاتون نے اپنی خدماتِ رحم پیش کیں گویا اس کے رحم میں داماد اور بیٹی کا مادۂ تولید منتقل کیا گیا اور یوں اس نے اپنے ہی ۲ نواسوں اور ایک نواسی کو جنم دیا۔ کیا کوئی غیرت مند مسلم خاتون یہ برداشت کریں گی کہ وہ اپنے داماد کے ماءِ غلیظ کو اپنے بدن میں منتقل کرنے کی اجازت دیں؟ یہ معاملہ تو حیاء کے اعتبار سے بھی انتہائی گرا ہوا ہے، مگر مستقبل میں یورپ یہی کرنے جا رہا ہے کہ اسلام کے قائم کردہ فیملی سسٹم کو کسی بھی طرح تباہ کیا جائے اور حیاء وعفت کو ختم اور اخلاقی اقدار کو موت کی نیند سلا دیا جائے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

ہمارے خیال میں سائنسی ترقی لازم وضروری ہے مگر ترقی کے اس شتر بے مہار کو اخلاقی قواعد وضوابط کی نکیل ڈال کر قابو میں رکھنا بھی انتہائی اہم ہے۔

مذکورہ مسئلہ میں ممکن ہے اہل علم راقم کی رائے سے اختلاف کریں اگر ایسا ہو تو متبادل موقف اپنے دلائل کے ساتھ پیش فرمائیں تاکہ اس فقہی مسئلہ پر گفتگو (Bebate) کو مزید آگے بڑھایا جا سکے اور عصر جدید کے دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ پر بھی صحیح فقہی موقف نکھر کر سامنے آ سکے۔

marfat.com

شکاگو تحریک اور شہادت کے تقاضے

دنیا کی دیکھا دیکھی چند برسوں سے پاکستان میں بھی ہر سال یوم ''مئی'' یوم محنت اور یوم مزدور کے عنوان سے منایا جاتا ہے۔ اس دن مزدور یونینیں جلسوں، جلوسوں اور ریلیوں کا اہتمام کرتی ہیں۔ مزدور لیڈر تقاریر کرتے ہیں اور مزدوروں کی انجمنیں رنگا رنگ تقاریب کا اہتمام کرتی ہیں۔ وزیر محنت اور دیگر حکومتی ارکان کے بیانات و تصاویر اخبارات کی زینت بنتی ہیں۔ گویا سرکاری سطح پر مزدوروں کی پذیرائی (چند کلمات کی صورت میں) کرنے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ جبکہ عملی صورت حال کسی سے مخفی نہیں کہ عالم انسانیت کا سب سے زیادہ کمزور اور پسا ہوا طبقہ یہی مزدور طبقہ ہے، جس کا کام سب سے مشکل اور اجرت و مراعات سب سے کم ہیں۔

وہ طبقہ جسے اس وقت عالمی سطح پر سب سے زیادہ بے وقوف بنایا جا رہا ہے وہ بھی شاید مزدوروں ہی کا ہے کہ ان کی مالی مشکلات کا ازالہ اور ان کی معاشی بدحالی کے سدباب کا کوئی منظم پروگرام اور کوئی ٹھوس منصوبہ، دنیا کی کسی بڑی سے بڑی حکومت کے پاس بھی نہیں مگر زبانی جمع خرچ کے اعتبار سے ہر ملک اور ہر حکومت ایک دوسرے سے گوئے سبقت لے جانے کی کوشش میں ہے اور تو اور جو کل مزدوروں کے قاتل تھے، وہ آج اپنے آپ کو اس کا سب سے بڑا خیر خواہ ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں۔ وہ جن کے ظلم و ستم نے مزدوروں کو پابند سلاسل کیا اور پھانسی کے پھندوں تک پہنچایا، جن کی ہٹ دھرمی اور بربریت نے مزدور تحریک کو جنم دیا اور یکم مئی یوم مزدور قرار پایا۔ وہی آج عالمی سطح پر مزدوروں کے حامی اور ان کے سب سے بڑے ہمدرد ہونے کے دعویدار ہیں۔

یوم مئی کیوں منایا جاتا ہے اس کی ایک تاریخ ہے، جس کے حوالہ سے ہر سال دنیا بھر کے اخبارات میں مضامین چھپتے اور میڈیا سے پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ یہ تاریخی اعتبار سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے ہاں کام کرنے والے مزدوروں پر آج سے ایک سو دس سال قبل ڈھائے جانے والے مظالم، تشدد، بربریت اور استحصال کے خلاف مزدوروں کے منظم احتجاج کی یادگار ہے۔ پس منظر اس کا یہ بتایا جاتا ہے کہ ۱۸۲۷ء میں ''فلاڈیلفیا'' کے مقام پر پندرہ یونینوں کے ایک اتحاد نے ''مکینکس یونین آف ٹریڈ ایسوسی ایشن'' کے نام سے مزدوروں کی فلاح و بہبود کے لئے کام شروع کیا اور سب سے پہلا مطالبہ یہی پیش کیا کہ مزدوروں کے ڈیوٹی کے اوقات کا تعین ہونا چاہئے

marfat.com

کیونکہ اس وقت تک مزدوروں سے غیر معینہ مدت تک روزانہ کام لیا جاتا تھا۔ چنانچہ مذکورہ ایسوسی ایشن نے دس گھنٹے یومیہ کام کا مطالبہ کیا اور امریکی حکومت کے خلاف پرزور احتجاجی تحریک چلائی تاکہ حکومت مزدوروں کا استحصال بند کردے۔ ۱۸۶۱ء میں امریکہ کی کانوں میں کام کرنے والے مزدور کان کنوں نے بھی اپنے آپ کو منظم کر لیا۔ ۱۸۶۲ء تک امریکہ میں مزدوروں کی کم و بیش بیس (۲۰) انجمنیں قائم ہوگئیں جو سب کی سب مزدوروں کے اوقات کار میں کمی کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ ۱۸۶۴ء میں سگار بنانے والے اور بحری جہازوں کے مزدور اور ۱۸۶۵ء میں اینٹیں بنانے والے امریکی مزدور بھی اس کارواں میں شامل ہو چکے تھے۔ ۲۰ اگست ۱۸۶۶ء کو امریکہ کی تمام ریاستوں کی مزدور تنظیموں کے نمائندوں نے "بالٹی مور" کے مقام پر جمع ہو کر ایک مشترکہ تنظیم "نیشنل یونین لیبر" قائم کی اور یہ طے پایا کہ اوقاتِ کار آٹھ گھنٹے مقرر کئے جائیں اور امریکہ کی تمام ریاستوں میں آٹھ گھنٹہ یومیہ کا شیڈول نافذ کرنے کا تقاضا کیا۔ اس مطالبہ کے نتیجہ میں امریکی صنعتوں سے ایسے مزدوروں کا اخراج شروع ہو گیا جو نیشنل لیبر یونین کے حمایتی یا اس کے مطالبات کے حق میں تھے اور ان کی جگہ ایسے مزدوروں کو بھرتی کیا جانے لگا جو سرکاری اوقات کے مطابق کام کرنے کو تیار تھے، حکومت کی پشت پناہی نے صنعتی اداروں اور ان کے سرمایہ دار مالکوں کو دلیر کر دیا۔ چنانچہ ہزاروں محنت کش بے روزگار ہو گئے۔ ۱۸۷۳ء میں امریکہ کے شہر شکاگو میں ایک بھرپور مظاہرہ کیا گیا جو امریکہ کی تاریخ میں امریکی حکومت کے خلاف سب سے بڑا مظاہرہ تھا اس میں حکومتی پالیسی اور سرمایہ داروں پر کڑی تنقید کی گئی اور ہڑتالیں شروع ہو گئیں۔ ہڑتالی ملازمین نے صنعتوں میں کام کرنے والے ان مزدوروں کو بھی اپنا ہموا بنا لیا جو فارغ کئے گئے مزدوروں کی جگہ کام کر رہے تھے۔ ۱۸۷۵ء میں مزدور تحریک کے دس سرگرم کارکنوں کو جابر امریکی حکومت نے سزائے موت دی اور یوں مزدوروں کے بارے میں سرکاری اور سرمایہ دارانہ امریکی نظام کا اصل رخ سامنے آیا۔ اس اقدام سے محنت کشوں میں شدید ردعمل پیدا ہوا اور تمام صنعتی اداروں کے مزدور امریکی ظالم حکومت کے خلاف میدان میں اتر پڑے۔ مزدوروں کو منظم کرنے اور انہیں صنعتی انقلاب کی جانب بڑھانے کا کام امریکہ میں موجود سوشلسٹ تنظیموں نے انجام دیا۔ چنانچہ ۱۸۸۰ء میں جرمن سوشلسٹوں کی تنظیم ورکنگ مینز ملٹری سوسائٹی نے شکاگو کی مزدور تنظیموں کو سرمایہ داروں کے خلاف مسلح مزاحمت کے لئے تیار کیا۔ ۱۸۸۱ء میں انقلابیوں کے نمائندوں نے ایک سوشلسٹ تنظیم انقلابی سوشلسٹ پارٹی کے نام سے قائم کر لی تھی جس کے قائدین میں پارسنز، اگست اسپائسز اور پیٹرسن، پیش پیش تھے۔ گویا اب

marfat.com

مزدوروں کی قیادت سوشلسٹوں کے ہاتھ میں تھی اور ان مزدور تنظیموں اور انجمنوں میں جو امریکہ میں صنعتی انقلاب کے لئے راہ ہموار کر رہی تھیں کوئی بھی مسلم تنظیم یا مسلم لیڈر نہ تھا اور نہ کارکنوں میں مسلم عنصر کا کوئی ذکر ملتا ہے بلکہ یہ خالصتاً مقامی آبادی کے یہودی النسل اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی ایسی مزدور انجمنیں تھیں جنہیں مذہب سے کوئی سروکار نہ تھا اور اشتراکی رہنماء اس تحریک کی قیادت اور پشت پناہی کر رہے تھے۔

اکتوبر ۱۸۸۴ء میں فیڈریشن آف ٹریڈ لیبر یونین نے ایک قرارداد منظور کی جس کی رو سے طے پایا کہ یکم مئی ۱۸۸۶ء تک اگر سرکاری طور پر ڈیوٹی کے اوقات کار آٹھ گھنٹہ کرنے کے سلسلہ میں ضروری کارروائی نہ ہوئی تو کام بند کر دیا جائے گا، اس اعلان کے ساتھ ہی مزدوروں کے خلاف امریکی حکومت نے تشدد میں اضافہ کر دیا اور محنت کشوں پر مظالم کی رفتار بڑھا دی، مزدوروں کی انجمنیں بدستور جلسے جلوسوں کا اہتمام کرتی رہیں۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء سے قبل بھی ایک بڑا مظاہرہ کیا گیا جس سے پارسز، اسپائز، فیلڈن، شواب اور کئی دیگر سوشلسٹ مزدور رہنماؤں نے خطاب کیا۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو ہڑتال اور احتجاجی مظاہرے ہوئے، تین مئی کو پکاروس بہروکس نامی ادارہ کے ہڑتالی ملازمین نے ایک احتجاجی جلسہ کیا جس پر امریکی پولیس فورس نے لاٹھی چارج کر دیا اور پھر فائرنگ کر کے پانچ مزدوروں کو ہلاک اور متعدد کو زخمی کر ڈالا۔

چار مئی کو ان ہلاک و زخمی ہونے والے مزدوروں کے حق میں شدید مظاہرے ہوئے ایک مرکزی احتجاجی جلسہ سے مزدوروں کے نمائندے فیلڈن خطاب کر رہے تھے کہ پولیس نے مداخلت کر کے زبردستی جلسہ ختم کرانے کی کوشش کی اسی اثناء میں زوردار شیلنگ شروع ہوگئی اور ایک بم مجمع میں پھینک دیا گیا۔ پولیس نے گرفتاریاں شروع کر دیں اور سوشلسٹ مزدور رہنماؤں مسٹر اگست اسپائز، ایڈوولف فشر، مائیکل شواب، سیموئیل فیلڈن، جارج رینجل وغیرہ کو گرفتار کر لیا اور ان پر مقدمات قائم کر دیئے گئے۔

۱۹ اگست ۱۸۸۶ء کو عدالت نے گرفتار شدگان میں سے سات افراد کو سزائے موت اور ایک کو پندرہ سال قید کی سزا سنائی۔ رحم کی اپیلیں کی گئیں اور عام معافی کے لئے تحریک چلی مگر اس کے باوجود ۱۱ نومبر ۱۸۸۷ء کو پارسز، اسپائز، فشر اور رینجل کو پھانسی دے دی گئی۔ اب ہر سال عالمی سطح پر ان مزدوروں کی اس تحریک اور محنت کشوں کے حقوق کے لئے جدوجہد کرتے ہوئے مارے جانے

marfat.com

والے یا پھانسی پانے والے مزدور لیڈروں کی خدمات کو سراہنے کی خاطر یوم مئی منایا جاتا ہے۔

انتہائی مختصر الفاظ میں یہ یوم مئی کا تاریخی پس منظر ہے پاکستان میں ہر سال یوم مئی کے موقع پر میڈیا سے مزدوروں کے لئے خصوصی پروگرام نشر ہوتے ہیں، اخبارات و جرائد میں مضامین شائع ہوتے ہیں، دانستہ یا نادانستہ طور پر شکاگو (امریکہ) میں چلنے والی مزدور تحریک میں مارے جانے والے مزدوروں کو شہدائے شکاگو کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے، میرے سامنے گزشتہ چند برسوں کے یوم مئی کے اخبارات کے ایڈیشن ہیں، ان میں سے ایک یکم مئی ۱۹۹۱ء کا خصوصی ایڈیشن ہے جس میں محنت کش عوام کی کامیاب لڑائی کا یادگار دن کے عنوان سے ایک مضمون ہے۔ مضمون نگار (سوار خان) محنت کشوں کی کامیاب لڑائی کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۳ر مئی کو پکاروس ابھروکس نامی ادارے کے ہڑتالی مزدوروں پر پولیس نے حملہ کر کے پانچ مزدوروں کو شہید اور بیسیوں کو زخمی کر دیا۔

۴ر مئی کو مزدوروں نے اپنے شہید اور زخمی ہونے والے ساتھیوں کی حمایت میں بہت بڑا جلوس نکالا۔

ایک اور مضمون نگار محمد اشرف عباسی یوم مئی کی عظمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آج شکاگو کے شہداء کی یاد میں پوری دنیا میں یوم مئی کے موقع پر بڑے اجتماع، جلسے اور جلوس اور ریلیاں منعقد کر کے انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا جا رہا ہے۔

ایک اخبار میں ماضی کے ایک (سابق) وزیر محنت کا بیان ان الفاظ کے ساتھ شائع ہوا ہے:

''شکاگو کے شہیدوں کو سرخ سلام''

ریڈیو اور ٹی وی پر یوم مئی کی مناسبت سے پیش کئے جانے والے پروگراموں میں بھی بعض مقررین شکاگو کے ان سوشلسٹ مزدوروں کے لئے شہید کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو مزدور تحریک میں جاں بحق ہوئے۔ ہمارا خیال ہے کہ میڈیا سے اس طرح کے بیانات وکلمات کا استعمال نادانستگی ہی میں ہوتا رہا ہے کیونکہ ایک مسلم ملک کے میڈیا کے ذمہ دار اور کار پردازان یہ بات ضرور جانتے ہوں گے کہ شہید کا لفظ اسلام ہی نے متعارف کروایا اور یہ صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص ہے۔ شہید کی تعریف عربی زبان کی معروف کتاب لسان العرب میں یوں بیان ہوئی ہے۔ شہید کے معنی ہیں اللہ کی راہ میں قتل کیا جانے والا اور شہید کو شہید اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول اور اس کے

marfat.com

فرشتے اس کے جنتی ہونے کی گواہی دیتے ہیں اور شہید کا مرتبہ یہ ہے کہ وہ قیامت کے روز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر موجودہ امتوں کے احوال پر گواہ بنیں گے، شہید وہ ہے جو اللہ کے لئے اور اس کے نام کی سربلندی کے لئے میدانِ جہاد میں مارا گیا ہو۔

احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شہید کے معنی ایک ایسے شخص کے ہیں جو کفار کے ساتھ جنگ کر کے اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دے اور اپنے ایمان پر سچائی کی مہر لگا دے۔ شہیدوں کے لئے حدیث رسول میں واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ وہ جنت کے اعلیٰ مقامات پر فائز ہوں گے۔ فقہ حنفی کی معروف کتاب درمختار میں شہید کی تعریف یہ لکھی ہے کہ جو مسلمان میدانِ جنگ میں کفار کے ہاتھوں مارا جائے وہ شہید ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شہید وہ مسلم ہے جو مشرکین سے جہاد کرتے ہوئے مارا جائے۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک شہید کی تعریف یہ ہے کہ ایسا مسلمان جو دشمنوں کے ہاتھوں لڑائی میں مارا جائے۔

مندرجہ بالا اقوال و احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شہید کا لفظ صرف مسلمان کیلئے استعمال کیا جا سکتا ہے غیر مسلم یا یہود مقتول کیلئے نہیں، شہید کے مفہوم میں احادیث نبوی سے وسعت بھی ثابت ہوئی ہے مثلاً یہ کہ جو کوئی مسلمان پیٹ کے مرض میں مر جائے یا مرض طاعون میں انتقال کر جائے یا فاقہ کشی، پیاس، غرقابی، زندہ درگور، زہر خورانی یا آسمانی بجلی گرنے کے نتیجہ میں مر جائے وہ بھی شہید کے مفہوم میں داخل ہے، مگر جو مرتبہ میدانِ جہاد میں مارے جانے والے (شہید) کا ہے وہ ان سب کا نہیں۔ اسی طرح کوئی مسلمان سفر حج میں انتقال کر جائے یا دیارِ غیر میں بے یار و مددگار مر جائے، یہ بھی شہادت کے زمرے میں ہے مگر یہاں بھی اسلام شرط ہے اور یہ شہادت بھی جہاد فی سبیل اللہ والی شہادت کے برابر نہیں۔ گویا مرتبہ شہادت پانے یا شہید کہنے کہلانے کیلئے جو شرطیں ہیں ان میں سے شرط اول مسلمان ہونا ہے، اب ان اقوال اور احادیث کی روشنی میں دیکھئے کہ کیا شکاگو (امریکہ) میں ۱۸۸۶ء کی تحریک یا اس سے قبل و بعد کی تحریکوں میں مارے جانے والے مزدور مسلمان تھے؟ تاریخ میں کہیں کوئی نام ایسا نہیں ملتا جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ ان مزدور تحریکوں میں مارے جانے والے لوگ مسلمان تھے، جیسا کہ ہم یوم مئی کا تاریخی پس منظر بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ

marfat.com

۱۸۸۶ء کی مزدور تحریک کے قائدین غیر مسلم اور امریکہ کے یہودی سوشلسٹ تھے، جن مزدور رہنماؤں کو امریکی عدالت نے تحریک چلانے اور بغاوت کے جرم میں پھانسی دی، ان میں ایک بھی مسلمان نہ تھا، تو کیا انہیں شہید کہنا درست ہوگا؟ اگر بفرض محال یہ ثابت بھی ہو جائے کہ ان میں بعض یا کوئی ایک فرد مسلمان بھی تھا جب بھی اسے شہید قرار دینے کیلئے تحریک کے مقاصد پر غور کرنا ہوگا۔ کیا کوئی مسلمان یہ جانتے ہوئے بھی کہ غیر مسلم کو شہید کہنا درست نہیں پھر بھی اس پر اصرار کرے گا؟ تاریخی وقائع یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ مزدور تحریک میں مارے جانے والے تمام کے تمام یہودی اور غیر مسلم تھے، جن کیلئے شہید کا مقدس ٹائٹل کم از کم کسی مسلمان کو استعمال کرنا زیب نہیں دیتا۔

ممکن ہے کوئی شخص یہ کہے کہ چونکہ ۱۸۸۶ء کے مزدوروں نے اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کی اور اپنے حق کے لئے لڑنا جہاد ہے اور جہاد میں مارا جانے والا شخص شہید ہے لہٰذا شکاگو میں مرنے والے شہید ہوئے تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اولاً تو اپنے حق کے لئے جدوجہد کرنا بھی اسلام ہی میں جہاد کہلائے گا اور غیر مسلم کا کسی بھی مقصد کے لئے لڑنا جہاد نہیں، اور نہ کسی غیر مسلم کا مارا جانا اسے شہادت کے درجہ پر فائز کر سکتا ہے کیونکہ اس کا تعلق صرف اسلام سے ہے نہ کہ ہر قوم و مذہب کے لئے۔

یومِ مئی کے موقع پر سرخ سلام کے الفاظ بھی سننے میں آتے ہیں، حالانکہ سلام تو سلامتی کی دعا کا نام ہے اور دعائیں نہ سرخ ہوتی ہیں نہ سبز، پھر السلام اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس کے ساتھ سرخ یا سبز کا استعمال کسی صورت بھی جائز نہیں، کم از کم اہل اسلام تو ایسی حماقت نہیں کر سکتے، مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ہم ہر چیز دیگر اقوام سے بلا سوچے سمجھے لے کر اپنا لیتے ہیں۔ سلام نہ سرخ ہے نہ سفید سلام تو امن وسلامتی کے فروغ کے لئے ایک کلمہ خیر ہے۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ یوم مئی کے موقع پر غیر ذمہ دارانہ بیانات، کافرانہ رسومات اور مشرکانہ کلمات کے استعمال سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ اپنی ثقافت اور اپنے دستور حیات کے مطابق محنت کی عظمت کو اجاگر کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر مغرب کی اندھی تقلید کہاں کی دانشمندی ہے۔

یومِ مئی دراصل ایسی قوتوں کے خلاف نفرت کے جذبات کے اظہار کا موقع ہے جنہوں نے اسلام کی ابدی تعلیمات سے منہ موڑ کر مزدوروں پر ظلم کیا جو ۱۸۸۶ء میں بھی اسلام کے سنہری اصولوں کے خلاف چل رہی تھیں اور مزدوروں کے استحصال کا باعث بن رہی تھیں اور جو آج بھی اسلام کے نظام عدل اجتماعی کے خلاف سرگرم عمل ہیں اور آج بھی دنیا بھر میں لوگوں کا استحصال کر

marfat.com

رہی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی وہ واحد راستہ ہیں جن پر چل کر مزدور آقا بن سکتا ہے اور آقا غلاموں کی صف میں کھڑا نظر آتا ہے، اس نظام کے علاوہ کسی اور نظام میں عدل تلاش کرنا عبث ہے۔

یوم مئی موقع ہے ۱۸۸۶ء کی اس ظالم فکر اور نظام کے خلاف احتجاج کا، جس نے اس دور میں کمزوروں کی آواز دبانے کے لئے طاقت کا استعمال کیا اور جو آج بھی کمزوروں کی آواز دبانے کے لئے طاقت کے استعمال پر یقین رکھتی ہے۔

یوم مئی موقع ہے ان طاقتوں کے خلاف جذبات نفرت کے اظہار کا جنہوں نے "مزدور کی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا کرنے کے اصول" کو ۱۸۸۶ء میں بھی پامال کیا اور جو آج بھی ایسے سنہری اصولوں کی پامالی کے درپے ہیں۔

عالم اسلام کے مسلم مزدوروں کو مبارک ہو کہ ان کے ہادی و رہنماء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود محنت کشی کی، مزدوروں کی طرح پتھر اٹھائے اور مزدوروں کے حقوق کی ادائیگی کو یقینی بنانے کے لئے ایسے اصول وضوابط مقرر کئے کہ جو ہر دور میں انسانیت کی فلاح اور مزدوروں کے حق کی بقاء کا سامان فراہم کرتے رہیں گے۔

یوم مئی کے موقع پر اسلامی دنیا کے آجروں کو سوچنا چاہئے کہ ان کے زیر اثر کام کرنے والے مزدور کیا اسلام کے مقررہ اصولوں کے مطابق اپنی محنت کا اجر پا رہے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم شکاگو کے مزدوروں پر ہونے والے ظلم کے خلاف تو واویلے میں شریک ہوں مگر دوسری طرف ہمارا شمار ان لوگوں میں بھی ہو رہا ہو جن کے رویے کے خلاف مزدور سراپا احتجاج بنے اور پھانسی کے پھندوں تک پہنچے۔

یوم مئی اسلامی ملکوں کے سربراہوں کو یہ پیغام دیتا ہے کہ وہ اپنے مخصوص کلچر اور اپنے سچے مذہب کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے ملک کے مزدوروں کے لئے ایسی آسائشیں اور مراعات مہیا کریں کہ دنیا بھر کے مزدور یہ کہنے پر مجبور ہو جائیں کہ مزدور کی قدر صرف اور صرف اسلام جانتا ہے یا مسلمان۔ مجھے اسلامی دنیا کے باسیوں سے یہ کہنا ہے کہ وہ یوم محنت منائیں مگر اسلامی اقدار کو نہ بھولیں، مسلمانوں کا یہ دینی فریضہ ہے کہ وہ اپنے شعائر کی حفاظت کریں اور کسی کو ان شعائر کی بے حرمتی یا غلط استعمال کی اجازت نہ دیں۔

marfat.com

آئندہ صفحات میں پیش کردہ مضامین

حسب ذیل جرائد میں شائع ہوئے

۱۔ رمضان المبارک تاریخی تناظر میں   ۲۔ نمازِ تراویح چند توجہ طلب پہلو

روزنامہ جنگ کراچی اقراء ایڈیشن	۱۸ فروری ۱۹۹۴
روزنامہ نوائے وقت کراچی	۲۸ فروری ۱۹۹۴
روزنامہ جنگ کراچی (مکرر)	۳ فروری ۱۹۹۵
ماہنامہ آگہی کراچی	جنوری ۱۹۹۶ء
روزنامہ امت کراچی	۱۱، ۱۲ جنوری ۱۹۹۷ء
روزنامہ خبریں لاہور (اشاعتِ خاص)	۳۱ دسمبر ۱۹۹۷ء
روزنامہ جسارت کراچی (فرائیڈے اسپیشل)	۲ تا ۸ جنوری ۱۹۹۸ء
ماہنامہ فقہِ اسلامی کراچی	دسمبر ۲۰۰۰ء

۳۔ تعداد رکعاتِ تراویح

ماہنامہ ضیائے حرم لاہور	جنوری ۱۹۹۹ء

۴۔ ماہِ رجب کی مذہبی و تاریخی اہمیت

۵۔ امام بخاری کے ایک شیخ (علامہ ابن سلام ہروی)

ماہنامہ معارف اعظم گڑھ انڈیا	دسمبر ۱۹۹۶
سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ	اکتوبر تا دسمبر ۱۹۹۹

marfat.com

رمضان المبارک......تاریخی تناظر میں

رمضان المبارک میں انجام پانے والے قدرتی امور اور پیش آمدہ تاریخی واقعات پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اللہ رب العالمین نے اس ماہ کو روحانی خزینوں کے ساتھ ساتھ زبردست تاریخی اہمیت کا حامل مہینہ بھی بنا دیا ہے۔

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن (۱)

سے اگرچہ صرف اتنا ہی تاریخی گوشہ واہوتا ہے کہ انسانی تاریخ کی لازوال کتاب قرآنِ مبین رمضان المبارک میں نازل ہوئی۔ (۲) تاہم کتب تفسیر و تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دیگر آسمانی کتب اور الہامی صحیفے بھی اسی ماہ مبارک میں نازل کیے گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آسمانی صحیفے یکم رمضان المبارک کو نازل کیے گئے۔ (۳)

حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور مقدس ۱۲ر رمضان کو دی گئی۔ (۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات ۶ر رمضان کو نازل کی گئی۔ (۵)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل ۱۳ر رمضان یا ۱۸ر رمضان کو نازل ہوئی۔ (۶)

جبکہ قرآن کریم حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ۱۷ یا ۲۱ر رمضان المبارک ۶۱۰ھ میں نازل ہونا شروع ہو (۷)

نزول قرآن کی ابتداء ''اقرأ باسم ربک الذی خلق سے ہوئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اطلاع سب سے پہلے اپنی مونس وغمگسار، رفیقہ حیات، ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو دی اور وہ فوراً آپ پر ایمان لائیں۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ ترتیب کے مطابق مردوں میں سے حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بچوں میں سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خواتین میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اول الاسلام قرار پائیں (۸) گویا ان شخصیات کے ایمان لانے کا واقعہ ماہ رمضان المبارک میں ظہور پذیر ہوا۔

مذکورہ بالا آیات کے نزول کے ساتھ ہی دعوت دین توحید اور تبلیغ رسالت کا کام بھی شروع ہو گیا اور اشاعت اسلام کی ابتداء بھی رمضان کے حصے میں آئی۔ دنیا کے سب سے پہلے

marfat.com

مسلمان رمضان المبارک میں کلمہ شہادت پڑھ کر دامن مصطفیٰ سے وابستہ ہوئے۔ بالفاظ دیگر اسلام نے رمضان المبارک میں دنیائے انسانیت کیلئے اپنا دامن رحمت پھیلایا اور جناب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی سب سے بڑی رحمت ونعمت ''ایمان'' اس ماہ مبارک میں لٹانا شروع کی۔

رمضان شہادتوں کا مہینہ:

ام المؤمنین خیر النساء، سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کا انتقال رمضان المبارک کے مہینہ میں ہوا، (۹) مؤرخین کے مطابق ۱۱ر رمضان المبارک سن دس نبوی میں سیدہ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

حضرت رقیہ بنت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال رمضان المبارک ۲ر ہجری میں ہوا۔ (۱۰)

جگر گوشہ رسول، حضرت فاطمہ زہرا، بتول، رضی اللہ عنہا کا وصال گیارہ ہجری میں ماہِ رمضان المبارک میں ہوا، تاریخ وفات ۲ یا ۳ر رمضان ہے۔ (۱۱)

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار، فاتح خیبر امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت ۱۷ر رمضان المبارک سن ۴۰ ہجری کو ہوئی۔ (۱۲)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتقال بھی ماہِ رمضان ۵۸ء میں ہوا۔

ان عظیم تاریخی شخصیات کے علاوہ صحابہ کی ایک قابل رشک و لائق صد احترام جماعت نے بھی رمضان المبارک میں جامِ شہادت نوش کیا ہے، ابن اسحاق کے مطابق ان کی تعداد گیارہ اور موسیٰ بن عقبہ کی روایت کے مطابق ان کی تعداد ۱۴ ہے۔ (۱۳)

یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جنہیں غزوۂ بدر میں مرتبہ شہادت ملا ان کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

۱۔ عبیدہ بن الحارث
۲۔ عمیر بن ابی وقاص
۳۔ عمیر بن حمام
۴۔ سعد بن خیثمہ
۵۔ ذوالشمالین بن عبد عمرو بن نضلہ خزاعی
۶۔ مبشر بن عبد المنذر
۷۔ عاقل بن بکیر اللیثی
۸۔ مھجع (غلام عمرؓ)
۹۔ صفوان بن بیضاء الفہری
۱۰۔ یزید بن حارث خزرجی
۱۱۔ رافع بن معلیٰ
۱۲۔ حارث بن سراقہ
۱۳۔ عوف بن عفراء
۱۴۔ معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہم اجمعین۔

marfat.com

غزوۂ بدر سن ۲ھ ہجری میں پیش آیا اور سال کے بارہ مہینوں میں سے یہ تاریخی شہادت و سعادت بھی رمضان المبارک کے حصہ میں آئی (۱۴)

اسلامی تاریخ میں رمضان ہی گویا وہ مہینہ ہے جس میں ۳۱۳ جانثارانِ اسلام کفر کے مقابلہ کے لئے خم ٹھونک کر میدان میں اترے اور اسلام میں رسم شہادت و جہاد کا آغاز کر گئے۔

معبودانِ باطلہ کے خلاف فیصلہ کن بھرپور حملہ بھی اہل توحید نے رمضان المبارک ہی میں کیا اور یہ سن ۸ھ ہجری کا واقعہ ہے، دو جہاں کا سردار اپنے جلو میں صحابہ کا ایک لشکرِ جرار، قدسیوں کا قافلہ اور شہادت کے جذبہ سے سرشار شمع رسالت کے پروانوں کا کارواں لئے مدینہ طیبہ سے سوئے مکہ رواں دواں ہے، مکہ میں داخل ہوتے ہیں تو رمضان کی دس تاریخ ہے (۱۵) کوئی قابل ذکر خونریزی نہیں ہوئی اور انا فتحنا لک فتحاً مبیناً ۝ کی بشارت عظمیٰ پوری ہوئی اور مکہ فتح ہو گیا۔ تاریخ نگاروں نے اسے فتح الفتوح اور نصر عظیم قرار دیا ہے۔ تاریخ کا یہ سنہری کارنامہ بھی رمضان المبارک کے مہینے ہی میں انجام پایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاتحانہ شان سے بیت اللہ میں داخل ہوتے ہی اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت بت شکنی کو زندہ کیا۔ اس طرح بیت اللہ میں **جاء الحق و زھق الباطل** کا نعرۂ مستانہ بھی رمضان المبارک میں لگایا گیا۔

کفر کے خلاف اسلام کو متعدد معرکوں میں نبرد آزما ہونا پڑا۔ مگر وہ پہلا باقاعدہ معرکہ، معرکۂ بدر ہے، ہاں البتہ اس سے قبل سرایا کی صورتوں میں بعض واقعات پیش آئے۔ غزوات ہوں یا سرایا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب بھی کوئی جنگی ٹیم کہیں روانہ کی ایک پرچم بھی ساتھ کیا۔ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلا پرچم جس سریہ میں استعمال کیا گیا وہ سریہ حمزہ کہلاتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ کی کمان میں تیس جوانوں پر مشتمل ایک کمپنی کو قافلہ قریش کی خبر رسانی کے لئے روانہ فرمایا یہ سریہ رمضان المبارک ہی میں پیش آیا۔ (۱۶)

۶ ہجری میں حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کو حکم رسول ہوا کہ بنو فزارہ کی سرکوبی کے لئے جائیں۔ ان کی روانگی رمضان المبارک میں ہی عمل میں آئی۔ (۱۷)

اسلامی احکام میں سے صدقہ، فطر، نماز عید اور جہاد کا حکم رمضان المبارک س ۲ ہجری میں نازل ہوا۔ (۱۸)

ہم نے محض اختصار کے پیش نظر صرف چند نمایاں امور کا ذکر کیا ہے جو رمضان المبارک میں

marfat.com

پیش آئے یا انجام پائے۔ تاریخ اسلامی کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے بے شمار ایسے تاریخی واقعات سامنے آئیں گے جو رمضان المبارک سے نسبت تاریخی رکھتے ہیں۔ اہل ذوق مطالعہ فرمائیں اور نوجوانوں کو دعوت مطالعہ دیں۔

حوالہ جات

۱۔ القرآن، البقرہ، ۱۸۵۔

۲۔ علامہ ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ) ج ۲، صفحہ ۴۲۶، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی

۳۔ ایضاً..................

۴۔ ایضاً..................

۵۔ ایضاً..................

۶۔ ایضاً..................

۷۔ ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد، السیرۃ النبویہ فی ضوء المصادر الاصلیہ، صفحہ ۴۸ (حواشی، مطبوعہ ریاض سعودی عرب)

۸۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی، ج ۲، صفحہ ۲۲۷، ۲۳۱ نیز سیوطی، تاریخ الخلفاء، صفحہ ۹۷۔

۹۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ۱، صفحہ ۱۵۰، دارالاشاعت، کراچی۔

۱۰۔ سعید انصاری، سیرۃ الصحابہ (حصہ صحابیات) ج ۶، صفحہ ۱۰۴، ۹۸، ادارہ اسلامیات، لاہور۔

۱۱۔ ایضاً..................

۱۲۔ جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء، صفحہ ۲۶۲، مطبوعہ مدینہ پبلشنگ، کراچی۔

۱۳۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی، ج ۳، صفحہ ۲۹۷، مطبوعہ لاہور۔

۱۴۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۱، صفحہ ۱۸۸۔

۱۵۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ج ۱، صفحہ ۲۹۵۔

۱۶۔ ایضاً..................

۱۷۔ ایضاً..................

۱۸۔ مہدی رزق اللہ، السیرۃ النبویہ، صفحہ ۴۷۴۔

۱۹۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ۲، صفحہ ۸۵۔

marfat.com

نمازِ تراویح .... چند توجہ طلب پہلو

نمازِ تراویح ایک ایسی عبادت ہے جو صرف ماہِ رمضان المبارک ہی میں ادا کرنا مسنون ہے اور یہ زمانہ رسالت سے آج تک مسلمانوں میں متواتر رائج چلی آ رہی ہے۔ نمازِ تراویح کی ترغیب خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص نے رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے قیام کیا اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے........." (مسلم)

شرح صحیح مسلم میں امام نووی نے لکھا ہے کہ اس حدیث مبارکہ میں قیام رمضان سے مراد نمازِ تراویح ہے۔ دیگر شارحین حدیث نے بھی اس سے مراد نمازِ تراویح ہی لی ہے۔

تاریخ و ابتداء تراویح:

صحیحین کی بعض روایات کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ تراویح پڑھی لیکن مصلحتاً جماعت کے ساتھ پورا مہینہ نہیں پڑھی۔

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت مسجد تشریف لے گئے اور نماز ادا کی، لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنی شروع کر دی، صبح لوگوں نے رات کی نماز کا آپس میں تذکرہ کیا چنانچہ پہلی مرتبہ سے زیادہ لوگ (اگلی رات میں) جمع ہو گئے۔ دوسری رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ پھر لوگوں نے صبح اس واقعہ کا (دیگر لوگوں سے) ذکر کیا (تو) تیسری رات مسجد میں بہت زیادہ لوگ جمع ہو گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی اور چوتھی رات کو اس قدر کثرت سے صحابہ کرام جمع ہوئے کہ مسجد میں جگہ تنگ پڑ گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان (لوگوں) کے پاس تشریف نہیں لائے چنانچہ لوگوں نے نماز، نماز پکارنا شروع کر دیا مگر رسول اللہ صلی

marfat.com

اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے حتیٰ کہ صبح کی نماز کے وقت تشریف لائے،
جب صبح کی نماز ہوگئی تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، کلمہ شہادت پڑھا
اور اس کے بعد فرمایا:
گزشتہ رات تمہارا حال مجھ پر مخفی نہ تھا لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ رات کی نماز
(تراویح) فرض کر دی جائے گی اور تم اس کی ادائیگی سے عاجز ہو جاؤ گے۔
(مسلم)

مندرجہ بالا حدیث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز تراویح باجماعت پسند تھی مگر اس خوف سے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسے فرض ہی قرار نہ دے دیں آپ نے تسلسل کے ساتھ مسجد میں باجماعت یہ نماز ادا نہیں فرمائی۔ پھر اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی دور میں الگ الگ بغیر جماعت نماز تراویح کا سلسلہ جاری رہا۔ تا آنکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز مسلمانوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت میں مسجد میں نماز تراویح باجماعت کے لئے جمع فرمایا۔ پس اسی روز سے رمضان کے پورے ماہ میں باجماعت نماز تراویح بیس رکعت ادا کرنے کا رواج ہوا۔ خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ اگرچہ یہ عمل بدعت ہے مگر بدعت حسنہ (اچھی نئی بات) ہے۔ (کنز العمال، جلد ۸، صفحہ ۴۰۷/ ۴۰۸)

نمازِ تراویح میں ختم قرآن:

نمازِ تراویح میں ختم قرآن کا اہتمام بھی سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی کیا کہ ماہِ رمضان میں نمازِ تراویح میں ایک بار مکمل قرآن کریم تلاوت کیا جائے۔ چنانچہ آپ کی قائم کردہ اس سنت پر دنیا بھر کے مسلمان آج بھی عمل پیرا ہیں۔

البتہ آج جس طرح سے ہم نمازِ تراویح میں ختم قرآن کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس دور میں ہوتے تو ہمارا یہ انداز تلاوت و سماعت قرآن دیکھ کر یا تو اس کی اصلاح کی خاطر بعض ائمہ تراویح اور منتظمین کو کوڑے لگواتے یا اس سلسلہ کو سرے سے موقوف فرما دیتے۔ کیونکہ نمازِ تراویح میں جس تیز رفتاری سے قرآن کریم پڑھا جاتا ہے وہ نماز تراویح یعنی قیام رمضان کی

marfat.com

اصل روح کے سراسر منافی ہے، نمازِ تراویح یا قیامِ رمضان کا مقصد تو یہ تھا کہ عام مہینوں کی بنسبت اس ماہ میں زیادہ دیر تک راتوں کو عبادت کی جائے اور قرآن کریم زیادہ اہتمام کے ساتھ کثرت سے تلاوت و سماعت کیا جائے۔ لیکن بدقسمتی سے ہمارے موجودہ معاشرہ میں نمازِ تراویح میں ختم قرآن اب ایک رسم سے زیادہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ ایسے حافظ یا امام کے پیچھے نماز تراویح پڑھنا پسند کرتے ہیں جو انہیں جلد از جلد تراویح پڑھا کر فارغ کر دے۔ ایسے حفاظ کرام کو پکا اور صحیح حافظ سمجھا جاتا ہے جو انتہائی تیز رفتاری سے تلاوت قرآن کریں اور اس میں غلطی یا بھول چوک بھی نہ ہو۔ نوجوان طبقہ خاص طور سے اس طرف مائل دکھائی دیتا ہے اور ایسی بہت سی مساجد جہاں مناسب رفتار سے ترتیل کے ساتھ الفاظ کی صحیح ادائیگی کا لحاظ کرتے ہوئے نماز تراویح میں تلاوت ہوتی ہو، مقتدیوں کی زیادہ تعداد دکھائی نہیں دیتی لیکن اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اب سرے سے ایسے لوگ ہی نہیں جو سکون و اطمینان سے تراویح میں تلاوت کلام حکیم حروف کی صحیح ادائیگی کے ساتھ سننا نہ چاہتے ہوں، بلاشبہ ایسے نیک لوگ اب بھی ہیں مگر اکثریت کا حال وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔

نمازِ تراویح میں مروجہ جلد بازی کا نقصان:

نماز کے تمام ارکان کو ٹھہر ٹھہر کر اور سکون سے ادا کرنا تعدیل ارکان کہلاتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری اور فقہ و فتاویٰ کی دیگر کتابوں میں لکھا ہے کہ تعدیل ارکان اعضاء کے ایسے سکون کو کہتے ہیں کہ اعضاء کے سب جوڑ کم از کم ایک بار تسبیح پڑھنے کی مقدار ٹھہر جائیں۔ تیز رفتاری سے نمازِ تراویح میں یا کسی بھی نماز میں اگر تعدیل ارکان نہ ہو سکے جو کہ واجب ہے تو نماز ہی نہ ہو۔ جن مساجد میں تیز رفتاری سے نمازِ تراویح پڑھی جاتی ہے وہاں یہ بات بطور خاص نوٹ کی گئی ہے کہ رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ میں اطمینان و سکون ہی مفقود ہوتا ہے، خشوع و خضوع تو بعد کی بات ہے، بعض جگہ تو یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ امام نے نیت باندھ کر سورۃ فاتحہ بھی پڑھ لی اور مقتدی ابھی ثناء بھی نہیں پڑھنے پائے۔

ایسی نماز سے کیا حاصل جس سے روح نماز ہی غائب ہو اور پورا زور کسی نہ کسی طرح بیس رکعت کی تعداد پوری کرنے اور ان میں جلد از جلد سوا یا ڈیڑھ پارہ ختم کرنے پر صرف ہو رہا ہو، خدارا اس عمل کی حوصلہ شکنی کیجئے، ائمہ تراویح کو اس بات کا پابند کیجئے کہ وہ تیز رفتاری سے نماز نہ پڑھائیں۔ نوجوانوں اور اپنے بچوں اور ساتھیوں کو اس بات پر آمادہ کیجئے کہ وہ اطمینان و سکون سے

marfat.com

نماز پڑھنے کو ترجیح دیں۔ میں تو یہ کہوں گا کہ اطمینان وسکون سے پڑھی ہوئی دو رکعتیں، جلد بازی اور بے سکونی کی بیس تراویح سے کہیں افضل ہیں۔ اسی طرح چھوٹی سورتوں کی پرسکون تلاوت سے ادا کی گئی تراویح کی نماز تیز رفتاری، جلد بازی اور بے سکونی کی ان بیس رکعات سے افضل ہے جن میں آداب وقواعد تلاوت کا لحاظ کئے بغیر کسی طرح لشتم پشتم ختم قرآن کرنا مقصود ہو۔

نماز میں جلد بازی اور تیز رفتاری سے نماز نہیں ہوتی:

جو لوگ تراویح میں تیز رفتاری سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں یا جو تیز رفتار تلاوت سننا پسند کرتے ہیں تاکہ تراویح سے جلد فارغ ہو جائیں، انہیں یہ بات بھی جان لینی چاہئے کہ اتنی تیز رفتاری سے قرآن کریم کی تلاوت کرنا کہ جس سے الفاظ پورے ادا نہ ہوں یا حروف اپنے صحیح مخارج وصفات کے ساتھ ادا نہ ہوں، یا مد، شد وغیرہ کا خیال نہ رہے یا وقف، وصل اور فصل کے قاعدوں کو نظر انداز کر دیا جائے جائز نہیں، اور ایسی تلاوت کرنے والے کی نماز نہیں ہوتی۔ جب اس کی نہیں ہوگی جو پڑھا رہا ہے تو ان مقتدیوں کی بھی نہیں ہوگی جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ امام تلاوت کے آداب کا لحاظ کئے بغیر پڑھ رہا ہے۔ اس کے پیچھے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں، کیونکہ نماز میں سکون اور طمانیت شرط ہے جو خشوع وخضوع کا باعث بنتی ہے اور اگر بے سکونی اور جلد بازی کا مظاہرہ ہوا تو ایسی نماز کا کوئی فائدہ نہیں۔

قرآن سنانے کی اجرت:

نمازِ تراویح میں قرآن سنانے کی اجرت مقرر کرنا ایسی قباحت ہے جو معاشرہ میں تیزی سے پھیلی ہے۔ بعض مساجد میں تو ایسے اللہ والے لوگ مل جاتے ہیں جو بغیر کسی معاوضہ کے قرآن کریم سنانے کو تیار ہوتے ہیں تاہم ایسی مساجد کی بھی کمی نہیں جہاں پہلے سے حافظ/ قاری صاحب سے باقاعدہ اجرت طے کی جاتی ہے جسے عرف عام میں خدمت کا نام دیا جاتا ہے۔ بعض حفاظ کرام (اللہ انہیں معاف کرے) طے کئے بغیر قرآن سنانے پر تیار ہی نہیں ہوتے۔ کہیں ایسا بھی ہوتا ہے کہ حافظ صاحب طے تو نہیں کرتے مگر انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ اس محلہ سے اتنی رقم اختتام تراویح پر ملنے کی توقع ہے۔ پھر اگر توقع سے کم ملے تو اس پر قناعت کی بجائے برملا اظہار ناراضگی و برہمی بھی فرماتے ہیں۔ نمازِ تراویح کے لئے یا قرآن پڑھنے یا سنانے کے لئے اجرت پیشگی طے اور مقرر کرنا

marfat.com

حرام ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز نہیں ہوتی جو قرآن سنانے کی اجرت مقرر کرتا یا کرواتا ہے۔ لہٰذا مساجد کی انتظامیہ کمیٹیوں اور حفاظ کرام سے بصد احترام درخواست ہے کہ وہ قرآن سنانے کی اجرت طے کر کے لوگوں کی نمازیں خراب کرنے سے باز رہیں۔

نمازِ تراویح میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر پابندی لگنی چاہئے

رمضان المبارک میں اکثر مساجد میں نمازِ تراویح میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کئے جاتے ہیں، لاؤڈ اسپیکر کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز یہ بذاتِ خود ایک نزاعی مسئلہ ہے تاہم نظریہ ضرورت یعنی زیادہ سامعین و مقتدین تک آواز پہنچانے کی غرض سے اکثر علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے، لیکن اس جواز سے جو بے جا فائدہ اٹھایا جا رہا ہے وہ حد جواز سے تجاوز ہے، شہری محلوں میں مساجد عموماً قریب قریب ہوتی ہیں اور لاؤڈ اسپیکر کی آواز تیز ہوتی ہے جس سے ایک مسجد کی نمازِ تراویح کی آواز دوسری میں بآسانی پہنچ کر وہاں کے نمازیوں کے لئے باعث تکلیف بنتی ہے۔ نیز مساجد کی انتظامیہ اور منتظمین کو اللہ ہدایت دے تو انہیں یہ بات سمجھنی چاہئے کہ جس طرح مساجد میں مرد حضرات نماز تراویح میں مشغول ہیں اسی طرح گھروں پر خواتین بھی نماز ادا کرتی ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کی تیز آواز ان کی نماز میں یقینی خلل کا باعث بنتی ہے۔ علاوہ ازیں تلاوت کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جب تلاوت ہو رہی ہو تو سامع خاموش ہو کر اسے سنے، اب علماء کرام سے یہ دریافت کرنا ہے کہ خواتین جن تک لاؤڈ اسپیکر کی آواز پہنچ رہی ہے وہ اس آواز پر توجہ دیں اور اس تلاوت کو سنیں جو آپ انہیں زبردستی سنوا رہے ہیں یا اپنی نماز پڑھیں؟

آپ خود اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

براہِ کرم مساجد میں اوپر کے لاؤڈ اسپیکر جن کی آواز باہر جاتی ہے نماز تراویح کے دوران تو بند رکھئے تاکہ گھروں پر موجود بوڑھے اور خواتین بھی اپنی نماز سکون سے ادا کر سکیں۔ ہاں البتہ مسجد میں موجود تمام لوگوں تک آواز تلاوت پہنچانے کی غرض سے (اگرچہ اس کے آپ شرعاً مکلف نہیں) صرف اندرونی اسپیکر استعمال کر لیا کریں تو بہت سوں کا بھلا ہو۔ بیرونی اسپیکر پر یہ پابندی مساجد کی انتظامیہ

marfat.com

اور ائمہ حضرات مل جل کر خود ہی لگالیں تو بہتر ہے ورنہ عام مسلمانوں کے مطالبہ پر اگر کبھی کوئی اسلامی حکومت یہ پابندی لگائے گی تو اسے مداخلت فی الدین گردانا جائے گا اور بدمزگی پیدا ہوگی۔

تین روزہ، چھ روزہ، دس روزہ تراویح:

رمضان المبارک میں بڑے بڑے پوسٹرز اور اشتہارات کچھ ان عنوانات کے ساتھ چھپتے ہیں، تین روزہ تراویح، چھ روزہ تراویح، دس روزہ تراویح کا اہتمام وغیرہ وغیرہ۔

عام لوگ بالخصوص نوجوان طبقہ ایسے پروگراموں میں زیادہ پیش پیش ہوتا ہے۔ اگرچہ اس طرح ختم قرآن پر شرعاً کوئی پابندی نہیں لیکن آپ مانیں یا نہ مانیں کہ اس عمل خیر سے بے عملی کا جو پہلو برآمد ہو رہا ہے وہ زیادہ خطرناک ہے کیونکہ بعض نوجوان یہ سمجھنے لگے ہیں کہ تین روزہ یا چھ روزہ تراویح میں اگر ختم قرآن ہو جائے اور اس میں شمولیت کر لی جائے تو پھر رمضان کی باقی راتوں میں تراویح پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی اور عملاً ایسا ہو رہا ہے کہ چھ روزہ تراویح میں شامل ہونے والے اکثر نوجوان باقی ایام رمضان میں مسجد کا رخ نہیں کرتے۔

یاد رہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل کو پسند کیا ہے، جو اگرچہ تھوڑا ہو مگر اس پر مداومت یا تسلسل رہے اور اس کے مقابلہ میں ایسا نیک عمل جو زور و شور سے ہو مگر اس پر مداومت نہ کی جا سکے اور تھوڑے سے عرصہ بعد اس کے اثرات زائل ہو جائیں وہ بہرکیف نظر استحسان سے نہیں دیکھا جائے گا۔

> حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر زیادہ دوام ہو خواہ وہ عمل کم ہی ہو۔'' (مسلم)

نمازِ تراویح پر مداومت اور رمضان کی تمام راتوں میں قیام اور وہ بھی اطمینان و سکون کے ساتھ جبھی ہو سکتا ہے جب سکون و اطمینان کے حصول کے جو طریقے ہیں ان پر عمل کیا جائے اور ایسے تمام طور طریقوں سے اجتناب کیا جائے جو اس ماہِ مقدس کی مخصوص عبادت (قیام) تراویح میں بے سکونی و بے اطمینانی کا باعث بنتے ہوں۔

رمضان کی راتوں میں یہ بات بھی نوٹ کی گئی ہے کہ شروع کی تین چار راتوں میں

marfat.com

مساجد میں نمازیوں کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے جو آہستہ آہستہ کم ہو کر نصف تک جا پہنچتی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو طویل نمازیں پڑھنے کے عادی نہیں یا سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے مگر احترامِ رمضان وحبس شیطان کی وجہ سے مساجد میں آنے لگتے ہیں، تین چار رات مسلسل ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ قیام کر کے تھک جاتے ہیں اور پھر آنا چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر ایسا اہتمام ہو کہ ہر محلہ میں کم از کم ایک مسجد ایسی ہو جہاں چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح پڑھنے کا انتظام ہو تو عبادت کی خاطر رمضان میں مسجد کی طرف اٹھنے والے یہ قدم جو دو چار دنوں میں تھک کر رک جاتے ہیں، ان میں دوام اور استقامت پیدا کی جا سکتی ہے اگر ائمہ حضرات ذرا سی توجہ دیں تو ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے عمل میں مداومت (ہیشگی) پیدا کرنے کے خوگر ہو جائیں گے اور ایک ماہ کا یہ کورس انہیں رمضان کے بعد بھی عبادات کی طرف مائل ہی رکھے گا۔

نوافل میں حاضر فرائض سے غائب:

بعض لوگ رمضان کی راتوں میں نماز تراویح میں تو بڑے اہتمام اور ذوق وشوق سے شامل ہوتے ہیں مگر سحری کھانے کے بعد نیند سے مغلوب ہو کر فجر کی نماز جماعت سے اور وقت پر ادا نہیں کر پاتے اس بات کا خاص خیال رکھا جانا چاہئے کہ نوافل کی وجہ سے کوئی فرض نہ چھوٹنے پائے، دوسری طرف بعض حضرات جو رمضان کی راتوں میں شب بیداری کی دولت لوٹنا چاہتے ہیں وہ دن کے اوقات میں اپنے فرائض منصبی (ڈیوٹی) صحیح طور پر ادا کرنے کی بجائے چھپ چھپا کر سونے کی کوشش کرتے ہیں یا دیر سے ڈیوٹی پر جاتے اور آنکھ بچا کر جلد نکل جانے کی کوشش کرتے ہیں جس سے رزق حلال کمانے میں جو دیانتداری ومحنت مطلوب ہے وہ نہیں ہو پاتی اور یوں نفلی عبادت کی وجہ سے حقوق العباد میں کمی ہو جاتی ہے، جو کسی صورت بھی مستحسن نہیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ نفلی عبادات میں اس طرح وقت لگایا جائے کہ فرائض خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے متعلق، متاثر نہ ہونے پائیں۔

نمازِ تراویح کا حقیقی لطف جبھی حاصل ہو سکتا ہے کہ جب اس کا اصل مقصد پیش نظر رہے اور وہ ہے حقوق اللہ وحقوق العباد ادا کرتے ہوئے، فرائض و واجبات کی پابندی کے ساتھ ساتھ ماہِ رمضان میں اضافی طور پر قیام اللیل کی کوشش کرنا اور کامل اطمینان وسکون اور خشوع وخضوع سے نمازِ تراویح میں کلام حکیم کی سماعت کرنا تاکہ سابقہ گناہوں کی بخشش ہو سکے۔

marfat.com

تعداد رکعاتِ تراویح

تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور درود اس ذاتِ اقدس پر جو تمام رسولوں سے افضل ہے۔

نمازِ تراویح کیا ہے؟ یہ رمضان المبارک کا قیام ہے، جس کی دعوت نبی اکرم ﷺ نے دی اور پھر اپنے قول، فعل اور عمل سے اس کی تائید فرمائی۔ خود آپ ﷺ نے یہ نماز ادا کی اور ہمیں ادا کرنے کی ترغیب دی۔ اس نماز کی ترغیب دلاتے ہوئے آپ ﷺ نے جو کچھ ارشاد فرمایا صحیح بخاری میں اس طرح منقول ہے:

> ''جو کوئی ایمان و احتساب کے ساتھ ماہِ رمضان کا قیام کرے گا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔''

یہ قیام اللہ کے قرب کے ذرائع میں سے عظیم ذریعہ اور اس کی اطاعت کے طریقوں میں سے عمدہ طریقہ ہے کہ رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کے بعد اللہ کی بارگاہ میں ایک مؤمن عبادت کی لذت، چاشنی اور مناجات کی خاطر کھڑا ہو، اس ذاتِ باری کی بارگاہ میں جس نے اپنے بندوں پر اپنی رحمت کے خزانے نچھاور کر دیئے ہیں اور ان کے لئے ابواب رجا کھول دیئے ہیں۔ نمازِ تراویح رمضان المبارک کی زینت ہے کہ اس سے رمضان کی راتیں منور ہوتی ہیں جیسے دن روزہ سے منور ہوتا ہے۔

اہل اسلام اور آئمہ مجتہدین کا اس پر اجماع ہے کہ نمازِ تراویح کی رکعتیں بیس ہیں اور سب سے پہلے جس نے انہیں شروع کیا وہ خود نبی اکرم ﷺ ہیں کہ جنہوں نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ پہلے دوسرے اور تیسرے روز نماز تراویح ادا کی جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت ہے اور جب چوتھا روز ہوا اور مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھر گئی تو نبی اکرم ﷺ نمازِ تراویح کے لئے تشریف نہیں لائے کہ کہیں یہ فرض قرار نہ دے دی جائے۔ اس نبی محسنؐ کے ہم پر اس احسان کی خاطر اللہ رب العزت ان کے مرتبے بلند فرمائے اور ان پر ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے۔

چنانچہ اس کے بعد سے مسلمان الگ الگ انفرادی طور پر نماز تراویح پڑھا کرتے یا چند

marfat.com

افراد کسی کو اپنا امام بنا لیتے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کا دور آیا اور کسی نے کہا اگر ان لوگوں کو کسی ایک امام کے پیچھے جمع کر دیا جاتا تو اچھا ہوتا، چنانچہ آپ نے صحابہؓ میں سے سب سے اچھی قرأت کرنے والے صحابی حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں لوگوں کو جمع کیا۔ اب وہ جماعت سے لوگوں کو تراویح پڑھانے لگے۔ ایک روز حضرت عمرؓ مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں کو حضرت ابی کی اقتداء میں تراویح پڑھتے دیکھ کر فرمایا: ''یہ ایک اچھا نیا کام ہے۔'' صحیح بخاری میں یہ روایت موجود ہے۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ نمازِ تراویح کی رکعت صرف آٹھ ہیں اور آٹھ پڑھنا ہی سنت ہے اور یہ کہ اگر کوئی آٹھ سے زیادہ پڑھے گا تو وہ بدعت کا مرتکب ہوگا، ایسا کہنے والے سے صحابہؓ کی توہین کا ارتکاب ہوگا گویا اس نے صحابہؓ کو غلط راہ پر سمجھا اور مندرجہ ذیل اسباب کی بناء پر اس نے نادانستہ اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی۔

۱۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیں اپنی اور اپنے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے، ارشاد ہے:

> ''جو کوئی تم میں سے زندہ رہے گا بہت سے اختلافات دیکھے گا پس ایسے میں میری سنت اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت پر مضبوطی سے قائم رہنا۔''

۲۔ حضرت ابی بن کعبؓ کو بیس رکعت پڑھانے کا حکم حضرت عمر بن خطابؓ نے دیا اور صحابہؓ نے اس پر عمل کیا چنانچہ یہ اجماع صحابہؓ سے طے پایا کہ بیس ہی رکعتیں پڑھی جائیں گی۔ اجماعِ صحابہؓ کی مخالفت نہایت خطرناک امر ہے۔ کیونکہ اس سے صحابہؓ کو گمراہ ٹھہرانے کا پہلو نکلتا ہے کہ گویا وہ سب کے سب ایک غلط کام پر متفق ہو گئے جب کہ وہ کبھی ایسا نہیں کر سکتے، پھر نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمانا کہ خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرنا اس کی کیا توجیہ ہوگی جبکہ حضرت عمرؓ خلفائے راشدین میں سے ہیں، کیا واقعی ایسا نہیں؟ کسی کو ان کے خلیفہ راشد ہونے میں شک ہے؟ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں تو سنت مطہرہ میں سند موجود ہے۔

۳۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ حضرت عمرؓ نبی اکرم ﷺ کی سنت کے خلاف چلیں، جبکہ ان کے بارے میں خود نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے عمر کے دل اور زبان پر حق جاری کر دیا ہے اور نہ وہ ہیں کہ جن کی رائے کے مطابق متعدد مواقع پر نزول قرآن ہوا ہے۔ جیسا کہ بخاری مسلم کی روایت ہے خود حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ:

marfat.com

تین بار میں نے اپنی منشاء کو رب کی منشاء کے مطابق پایا۔

۴۔ بیس رکعت کے مسنون ہونے پر دلیل سنت میں موجود ہے، جیسا کہ سنن ابو داؤد میں ہے کہ:

''جب حضرت عمرؓ نے لوگوں کو ابی بن کعب کے پیچھے جمع کیا تو وہ انہیں بیس رکعت پڑھاتے تھے اور جب رمضان کا آخری عشرہ ہوتا تو ابی غائب ہو جاتے حتیٰ کہ لوگ کہنے لگتے ابی بھاگ گئے۔''

۵۔ اسی طرح مؤطا میں امام مالک سے مروی ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

۶۔ آئمہ مجتہدین میں سے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا اس پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں، انہوں نے یہ اجماع صحابہؓ کے اجماع کی بناء پر کیا ہے اور اس سے کم رکعات کسی نے نہیں کہیں، البتہ ایک روایت امام مالک کی ۳۶ رکعت کی ہے اور جو کوئی یہ سمجھے کہ حضرت عمرؓ کا عمل بدعت ہے جیسا کہ بعض علم کے دعویداروں کا کہنا ہے تو یہ ایک صحابی جلیل پر بہت بڑا بہتان ہے جو کوئی کم علم، جاہل اور فہم و فراست سے خالی شخص ہی لگا سکتا ہے۔

۷۔ ہمارا مرکز و محور حرمین شریفین ہیں، اور حرمین میں صحابہؓ کے دور سے آج تک ہمیشہ مسلمانوں نے بیس رکعت تراویح ہی ادا کی ہیں۔ مسجد حرام اور مسجد نبویؐ میں اتنے طویل عرصہ سے جو لوگ بیس تراویح ادا کرتے رہے کیا وہ سب جاہل تھے اور بدعت و گمراہی پر قائم رہے؟

اس دور میں اس ملک (سعودی عرب) کے علماء بدعتوں اور نئی نئی باتوں کے سب سے زیادہ مخالف ہیں اگر یہ بیس رکعت بھی بدعت ہیں تو حرمین شریفین میں بدل کر آٹھ رکعات تراویح کیوں نہیں پڑھائی جاتیں؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس ملک کے علماء جانتے ہیں کہ بیس رکعت حضرت عمرؓ کا عمل ہے اور اجماع صحابہؓ سے ثابت ہے اور جس پر امت محمدیہؐ کا اجماع ہو اسے کیوں کر تبدیل کیا جا سکتا ہے؟

۸۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث کا جہاں تک تعلق ہے جس میں آپ نے یہ کہا کہ ''نبی اکرم ﷺ نے رمضان یا رمضان کے علاوہ کبھی بھی گیارہ رکعت سے زیادہ رات کی نماز نہیں ادا کی۔'' تو اس میں وہ اس نماز کا تذکرہ کر رہی ہیں جو نبی اکرم ﷺ

marfat.com

نے گھر میں ادا کی، یہاں یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عائشہ حضور کی نو بیویوں میں سے ایک تھیں، ان کے پاس حضورؐ ایک رات قیام فرماتے تھے اور آٹھ راتیں باقی ازواج کے ہاں گزارتے تھے۔ پھر ضروری نہیں کہ انہوں نے حضورؐ کا ہر عمل دیکھا ہو کیونکہ وہ تو گھر کے معاملات سے زیادہ واقف ہیں۔ اس بات کی تائید حضرت ابن عباسؓ کی بات سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے بتایا کہ انہوں نے حضورؐ کے ساتھ گیارہ رکعتوں سے زیادہ ادا کی ہیں اور بارہ رکعت کے بعد وتر پڑھے ہیں چنانچہ ایک وتر ہو تو تیرہ رکعتیں ہوئیں اور اگر تین وتر حضورؐ پڑھتے تو یہ پندرہ رکعتیں ہو جایا کرتیں اور یہ روایت صحیح بخاری میں پانچ متعدد روایات میں سے ہے جبکہ مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک شب سترہ رکعتیں ادا کیں اور جس نے حضورؐ کے ساتھ نماز ادا کی وہ ابن عباسؓ تھے، جیسا کہ دیگر روایات اور گزشتہ روایت بخاری میں ان کا ذکر ہے۔

حضرت عائشہ کی روایت حضورؐ کی گھر پر نماز تہجد سے متعلق ہے نہ کہ نمازِ تراویح سے متعلق جیسا کہ بعض اہل علم نے اس کی وضاحت کی ہے۔

۹۔ بعض لوگوں نے تراویح کے بارے میں کہا کہ جس نے آٹھ رکعت سے زیادہ ادا کیں وہ ایسا ہے جیسے کوئی فجر کی چار رکعت ادا کرے یا جیسے کوئی دو رکوع اور چار سجدے ایک فرض میں کرے۔ یہ بات کتنی عجیب اور حیرت انگیز ہے۔ نماز تراویح اجماع سے ثابت شدہ سنت ہے۔ اس کو فرض پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے اور اس کی مثال اس طرح کیسے دی جا سکتی ہے؟

۱۰۔ ان تمام باتوں کے خلاصہ کے طور پر ہم وہ بات نقل کرتے ہیں جو باطل کی کمر توڑنے کے لئے کافی ہے اور وہ ہے علامہ ابن قدامہ حنبلی کا قول جو المغنی میں ہے، کہ ابو عبداللہ احمد بن حنبل کے نزدیک تراویح بیس رکعت ہیں۔ یہی امام ثوری اور امام ابوحنیفہ و امام شافعی و امام مالک کا مذہب ہے۔ البتہ امام مالک کا ایک قول چھتیس (۳۶) رکعت کا ہے جو اہل مدینہ کے عمل سے متعلق ہے۔ پھر ابن قدامہ کہتے ہیں کہ:

''ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب لوگوں کو حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء میں جمع کیا تو حضرت ابیؓ لوگوں کو بیس رکعت ہی پڑھایا کرتے تھے جیسا کہ سنن ابو داؤد میں حضرت علی رضی اللہ

marfat.com

تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ رمضان میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھائے اور یہ ایک طرح کا اجماع ہے اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اہل مدینہ چھتیس رکعت ادا کرتے تھے تو بھی حضرت عمرؓ کا عمل اجماع صحابہؓ کی بناء پر قابل اتباع قرار پائے گا۔"

(حوالہ المغنی، جلد ۱، صفحہ ۶۰۴)

علماء فقہائے امت نے اس بارے میں جو کچھ کہا وہ ہم نے آپ کے سامنے پیش کر دیا اور اسی پر حنبلی مذہب کے آئمہ کا عمل ہے اور یہی صحابہ کرامؓ سے بالا جماع ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کی پیروی کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

عربی تحریر: علامہ الشیخ محمد علی صابونی مکہ مکرمہ

اردو ترجمہ: ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

بچوں کے لئے آسان سوال و جواب کی صورت میں

ایک خوبصورت گلدستہ معلومات

چار کتابوں کا انعامی سیٹ

☐ مختصر نصابِ قرآن ☐ مختصر نصابِ حدیث

☐ مختصر نصابِ فقہ ☐ مختصر نصابِ سیرت

ترتیب و پیشکش

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز .... ناشر اسکالرز اکیڈمی، کراچی

marfat.com

ماہِ رجب کی مذہبی و تاریخی اہمیت

یہ مضمون ماہنامہ کاروانِ قمر شمارہ نومبر ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔

اسلامی سال کے بارہ مہینے اپنے اندر کوئی نہ کوئی تاریخی اہمیت ضرور رکھتے ہیں۔ اسی طرح ان بارہ مہینوں پر مشتمل سال کی بھی ایک اہمیت ہے۔ قرآنِ کریم نے بارہ ماہ کے سال کی اہمیت بتاتے ہوئے کہا ہے:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُم (۱)

یعنی یقیناً (ایک سال کے) مہینوں کی تعداد بارہ، اللہ کی کتاب (لوحِ محفوظ) میں ہے (اور یہ اس وقت سے مقرر ہے) جب اللہ نے آسمان و زمین کو بنایا۔ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سال کے بارہ مہینوں میں سے چار (ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب) کی حرمت و عظمت بیان کرتے ہوئے حجۃ الوداع کے موقع پر یوم نحر کو اپنے ایک تاریخی خطاب میں ارشاد فرمایا تھا کہ:

''زمانہ لوٹ کر اپنی جگہ واپس آ گیا ہے اور اب مہینوں کی ترتیب وہی ہوگئی ہے جو اللہ نے تخلیق ارض و سماء کے وقت مقرر کی تھی۔'' (۲)

رجب کی عظمت و حرمت کے سارے عرب قائل تھے۔ مگر اسلام نے اس ماہ مبارک کی فضیلت بعض تاریخی واقعات کی بناء پر اور بڑھا دی۔

لغت کی کتابوں میں رجب کے معنی ''عظمت و بزرگی'' کے بیان ہوئے ہیں اور ترجیب بمعنی تعظیم آیا ہے (۳) زمانہ جاہلیت میں اس ماہ کی تعظیم کے پیش نظر اس میں جدال و قتال منع تھا۔ قبیلہ مضر کے لوگ بطور خاص اس ماہ کی تعظیم کرتے اور قتل و غارت گری کو اس ماہ میں انتہائی معیوب جانتے تھے۔ اس لئے لغت کی بعض کتابوں میں رجب کو رجب مضر بھی کہا

marfat.com

گیا ہے۔(۴) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے خطبہ یوم النحر حجۃ الوداع میں اسے رجب مضر ہی فرمایا (۵)

رجب میں قربانی:

رجب کے مہینے میں زمانہ جاہلیت میں قربانی کرنے کا رواج بھی تھا اور یہ قربانی عتیرہ اور رجبیہ کہلاتی تھی۔ اسلام میں اس قربانی کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا۔ چنانچہ سنن ترمذی میں ایک روایت اس طرح ملتی ہے کہ حضرت ابوذر بن لقیط بن عامر عقیلی کہتے ہیں میں نے دریافت کیا یارسول اللہ! ہم زمانہ جاہلیت میں رجب کے مہینے میں قربانی کیا کرتے تھے جسے ہم خود بھی کھاتے اور جو کوئی ہمارے پاس آتا اسے بھی کھلاتے تھے۔ حضور نے اس کے جواب میں فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔(۶)

زمانہ جاہلیت میں لوگ رجب کی قربانی بتوں کے تقرب کے لئے کرتے تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ایک موقع پر منع بھی فرمایا مگر اس ممانعت کا مقصد دراصل بتوں کے لئے ذبح کرنے سے منع کرنا تھا نہ کہ مطلقاً رجب میں ذبیحہ سے منع کرنا۔(۷) اہلِ اسلام کے لئے ہر ماہ میں اللہ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر ذبح کرنے کی اجازت ہے۔ بعض علماء نے اسے مباح کہا ہے بلکہ علامہ ابن سیرین تو رجب میں باقاعدگی سے ''رجبی'' کرتے تھے۔(۸) جس کی صورت یہ ہوتی کہ جانور ذبح کیا جاتا اور دعوت عام ہوتی۔ ملا علی قاری اور علامہ عینی نے رجب کی قربانی کو ممنوع قرار دیا ہے۔(۹)

رجب میں قتال:

قریش کے ہاں ماہ رجب میں قتال کو سخت ناپسند کیا جاتا تھا اس لئے جب غزوۂ بدر سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ماہ رجب میں ایک سریہ کے لئے صحابہ کو روانہ فرمایا اور انہوں نے بطن نخلہ میں قریش کے ایک قافلہ کو پایا جو عراق کی طرف جا رہا تھا تو اس پر حملہ کرنے میں انہیں تردد ہوا۔

marfat.com

مسئلہ یہ تھا کہ اگر حملہ کرتے تو رجب کی تعظیم وحرمت کے پیش نظر یہ مناسب نہ تھا اور حملہ نہ کرتے تو اگلے ہی روز قافلہ حدود حرم میں داخل ہو جاتا پھر تو حملہ کرنا اور بھی نامناسب ہوتا۔ چنانچہ صحابہ نے کثرت رائے سے فیصلہ کر کے حملہ کر دیا۔ مگر نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ قافلہ کا سامان تو مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا لیکن کفار کو یہ شور مچانے کا موقع مل گیا کہ نبی اکرم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے حرمت والے مہینوں کی حرمت و وقار کا بھی خیال نہیں کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ بھی صحابہ کے اس عمل سے ناخوش ہوئے۔ (۱۰) مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین قلب اور صحابہ کی دلجوئی وعزت افزائی فرماتے ہوئے یہ آیات نازل فرمائیں۔

یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فيه ط قل قتال فيه كبير ط و صد عن سبيل الله و كفر به والمسجد الحرام ط و اخراج اهله منه اكبر عندالله ط والفتنة اكبر من القتل. (۱۱)

وہ پوچھتے ہیں آپ سے کہ ماہ حرام میں جنگ کرنے کا کیا حکم ہے آپ فرمائیے کہ لڑائی کرنا اس میں بڑا گناہ ہے لیکن روک دینا اللہ کی راہ سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روک دینا) مسجد حرام سے اور نکال دینا اس میں بسنے والوں کو اس سے بڑے گناہ ہیں اللہ کے نزدیک۔ اور فتنہ وفساد قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اشہر حرام اور رجب کی فضیلت کو اسلام نے خاص اہمیت دی ہے۔

رجب میں عمرہ:

ماہ رجب میں عمرہ کا رواج زمانہ جاہلیت میں پایا جاتا تھا اور پورا عرب ماہ رجب میں عمرہ کرنے کی کوشش کرتا۔ چنانچہ پورے جزیرہ عرب سے ماہ رجب میں وفود مکہ مکرمہ کا رخ کرتے تھے اور ان قافلوں کو راستے میں کسی قسم کی لوٹ مار یا قتل و غارت گری کا خوف نہ

marfat.com

ہوتا جبکہ دیگر مہینوں (ماسوا اشہر حرام) میں یہ ضمانت نہیں ہوتی تھی۔ عربوں کے ہاں ایک رواج یہ بھی تھا کہ ذوالقعدہ ذوالحجہ اور محرم میں کاروباری منڈیاں قائم کی جاتیں اور حرم کے ارد گرد بڑے بڑے تجارتی میلے لگا کرتے۔ ان مہینوں میں عمرہ نہیں کیا جاتا تھا بلکہ عمرہ کے لئے رجب ہی کا مہینہ مقرر تھا۔ اور اشہر حج میں عمرہ کرنا عربوں کے ہاں افجر الفجور سمجھا جاتا۔ (۱۲)

بعض مسلمانوں میں رجب کے مہینے میں عمرہ کو بہت افضل سمجھا جاتا ہے حالانکہ عمرہ ادا کرنا سنت ہے اور یہ کسی بھی مہینے میں کیا جا سکتا ہے اور یہ جب بھی کیا جائے گا اس کی فضیلت ایک سی ہوگی ماسوا ماہِ رمضان کہ اس کے بارے میں ارشاد مصطفوی بڑا واضح ہے:

"عمرة فی رمضان تقضی حجة او حجة معی"

رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے یا میرے ساتھ حج کے برابر ہے۔ (۱۳)

ہاں البتہ شب معراج کا عمرہ تو اس کی فضیلت بہرکیف تعامل اہل اسلام سے ثابت ہے۔

ماہِ رجب اور معراج شریف:

اگرچہ اس بات میں اختلاف ہے کہ واقعہ معراج کب اور کس ماہ میں پیش آیا۔ اور اس سلسلہ میں علماء سلف کے متعدد اقوال ہیں۔ کسی نے ربیع الاول، کسی نے ربیع الثانی اور کسی نے رمضان المبارک کا مہینہ قرار دیا ہے۔ تاہم اکابر علماء کی ایک جماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ رجب ہی کے مہینے میں پیش آیا اسی کو علامہ سید سلیمان ندوی نے ایک عام اصول کے تحت قبول کیا ہے اور وہ یہ کہ جب کسی بات میں سلف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظن غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عمل درآمد ہو رہا ہو اور جو لوگوں میں مقبول و متداول ہو۔ (۱۴)

واقعہ معراج کے حوالہ سے ۲۷ رشب رجب اہل اسلام کے ہاں عبادات کی راتوں میں ایک رات شمار کی جاتی ہے اس رات لوگ بکثرت نوافل ادا کرتے اور ذکر و اذکار کرتے

marfat.com

ہیں۔ مکہ مکرمہ میں علماء حرم کے منع کرنے کے باوجود حرم شریف عمرہ کرنے والوں سے کھچا کھچ بھر جاتا ہے۔ میرے قیام مکہ مکرمہ (۱۹۸۰ء، ۱۹۸۳ء) کے دوران ایک بار امام حرم نے ماہ رجب کے ایک جمعہ کے خطبہ میں کہا کہ لوگ خواہ مخواہ ۲۷ ویں شب رجب میں عمرہ کو افضل سمجھ کر حرم میں رش (بھیڑ بھاڑ) کر دیتے ہیں حالانکہ اس رات میں عمرہ کی کوئی فضیلت نہیں۔ اگلے ہی روز صبح حرم میں بعد نماز عصر جناب علامہ محمد علوی مالکی نے درس دیتے ہوئے اس کی پرزور تردید کی اور کہا ''لوگوں کو اس رات میں عمرہ کرنے سے یہ کہہ کر روکنا کہ اس رات کی کوئی فضیلت نہیں بہت بڑی غلطی ہے سوال یہ ہے کہ عبادات کی کثرت عنداللہ پسندیدہ ہے یا ناپسندیدہ؟ اگر ناپسندیدہ ہو تو بے شک منع کیجئے لیکن اگر مطلوب ہو تو کرنے دیجئے کہ اس بہانے کچھ لوگ عبادت کے لئے وقت نکال لیں گے۔ نیز یہ کہ ہر وہ دن افضل ہے جس دن کی نسبت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ہر وہ رات افضل ہے جس کو کسی بھی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ اس رات کی نہ کوئی فضیلت ہے نہ افضلیت کسی طور بھی مناسب نہیں۔''

ماہِ رجب میں پیش آنے والے چند اہم تاریخی واقعات:

تاریخ اسلام میں ماہِ رجب میں متعدد تاریخی واقعات پیش آنے کا ذکر ہے ان میں سے ایک ہجرت حبشہ اولیٰ ہے، جب مسلمان اہلِ مکہ کی سختیاں برداشت کرنے سے عاجز آ کر باذن رسول صلی اللہ علیہ وسلم عازم حبشہ ہوئے۔ اس قافلہ میں باختلاف روایات ۱۲ مرد اور چار عورتیں تھیں، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ قافلہ سالار مہاجرین تھے۔ یہ سن پانچ نبوی کا واقعہ ہے۔

- سریہ عبداللہ بن جحش الاسدی اسی ماہ رجب میں ہجرت مدینہ سے کوئی ۱۷ ماہ بعد پیش آیا جس کا ذکر ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ یہ وہ سریہ ہے جس نے اسلامی تاریخ میں نئے ریکارڈ قائم کیے ہیں، مثلاً اسلامی تاریخ کا پہلا مالِ غنیمت، پہلا خمس، پہلا شہید اور پہلا قیدی اس سریہ نے پیش کیا۔

marfat.com

- ۹ر ہجری میں پیش آنے والا عظیم غزوہ، غزوۂ تبوک بھی ماہِ رجب ہی میں پیش آیا تھا جسے غزوہ ذات العسرہ کا نام دیا گیا۔ یہی وہ غزوہ ہے جس میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا گھر بار خالی کر کے تن من دھن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کا شرف ایک بار پھر حاصل کیا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تہائی لشکر کا ساز و سامان اپنی گرہ سے پیش کر کے جنت کا پروانہ اور یہ سند حاصل کی۔ "**ماضر عثمان ما فعل بعد هذا اليوم.**" (۱۵) (آج کے بعد عثمان کچھ بھی کریں انہیں کوئی نقصان نہ ہوگا)
- حبشہ کے مسلمان بادشاہ نجاشی کا انتقال ۹ر ہجری ماہِ رجب میں ہوا اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازخود اطلاع پا کر اپنے صحابہ کی معیت میں اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔
- دمشق کی تاریخی فتح ۱۴ر ہجری سن ۶۳۵ عیسوی میں ماہِ رجب ہی میں ہوئی۔ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جو ربیع الثانی ۱۴ر ہجری سے دمشق کا محاصرہ کئے ہوئے تھے فتح یاب ہوئے اور اہلِ دمشق نے صلح کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔
- سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۳ھ ۱۱۸۷ء میں رجب ہی کے مہینے میں فتح بیت المقدس کے بعد مسلمانوں کے ہمراہ مسجد اقصیٰ میں فاتحانہ داخل ہو کر عاجزانہ سجدہ شکر ادا کرنے کا شرف حاصل کیا۔

اس طرح ماہِ رجب کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے جو اس کی مذہبی فضیلت (شہر حرام) ہونے کے علاوہ ہے۔

رجب اور رجال اللہ:

اعلیٰ حضرت مجدد گولڑوی پیر سید مہر علی شاہ صاحب کے ملفوظات میں ابدال و اقطاب کی تعریف میں حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "رجبیون"

marfat.com

کو بھی ابدال کہا جاتا ہے اور وہ تعداد میں چالیس ہوتے ہیں اور ان کے ''رجبیون'' کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ماہِ رجب میں اپنے اپنے مقام پر ہوتے ہیں اور سال کے باقی مہینوں میں گشت کرتے ہیں۔ ان پر رجب کے پورے مہینے میں کشف وارد ہوتا ہے جس کا اثر بعض پر پورا سال رہتا ہے۔ (۱۶)

حضرت شیخ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری چشتیؒ کا وصال ۶/رجب ۶۳۳ھ میں ہوا جن کے خلفاء و مریدین نے ہندوستان میں اسلام کی نشوونما کے سلسلہ میں تاریخ ساز کردار ادا کیا اور ظلمت کدہ ہند میں حضرت شیخ بزرگؒ کی روشن کردہ شمع اسلام کی بھرپور حفاظت کا فریضہ انجام دیا۔ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے تقریباً تمام مراکز میں رجب کے مہینے میں خواجہ بزرگ کی یاد منائی جاتی ہے۔

ان کے علاوہ کئی بزرگانِ دین کے ایام وصال رجب المرجب کے مہینے سے تعلق رکھتے ہیں۔ (۱۷)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ القرآن، سورۃ التوبہ، آیت ۳۶۔

۲۔ صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب ۷۰۵، حدیث ۱۷۷۳۔

۳۔ ابن منظور افریقی، لسان العرب، زیر مادہ ''رجب''

۴۔ ایضاً۔

۵۔ بخاری و مسلم۔

۶۔ سنن نسائی کتاب الاضحیۃ، حدیث ۴۵۵۶، نیز سنن ابی داؤد، کتاب الاضحیہ۔

۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، ج ۳، ص ۱۷۱، بحوالہ ملا علی قاریؒ۔

۸۔ علامہ بدرالدین عینی، عمدۃ القاری، ج ۱، ص ۸۹، مطبوعہ مصر۔

۹۔ ملا علی قاری، مرقات، ج ۳، ص ۳۱۵، مطبوعہ ملتان۔

marfat.com

۱۰۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی، ج ۳، ص ۳۷۶۔

۱۱۔ القرآن، البقرہ، آیت ۲۱۷۔

۱۲۔ السید رزق الطویل، مقال فی مجلہ الحج، شمارہ ۱/۵۱، ص ۳۱، مکہ مکرمہ ۱۹۹۵ء۔

۱۳۔ صحیح مسلم، باب فضل العمرہ فی رمضان، باب ۳۷۵، حدیث ۲۹۳۴۔

۱۴۔ سید سلیمان ندی، السیرۃ النبویہ، ج ۳، ص ۳۶۰۔

۱۵۔ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۰۲، نیز ترمذی ابواب المناقب، فی مناقب عثمان۔

۱۶۔ مفتی فیض احمد فیض، ملفوظات مہریہ، ص ۵۶۔

۱۷۔ دیکھئے ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ، شمارہ رجب۔

مختصر نصاب فقہ

اسکولوں اور مدارس و مکاتب میں زیر تعلیم بچوں کے لئے فقہِ اسلامی کے بنیادی مسائل پر مشتمل ایک مختصر کتاب سوالاً جواباً۔

مرتب

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

ناشر

اسکالرز اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر 17887 گلشن اقبال کراچی 75300

marfat.com

سیر و سوانح

علامہ ابنِ سلّام ہرویؒ

﴿حیات و خدمات﴾

تاریخ کے صفحات دوسری صدی کے نصف آخر اور تیسری صدی کے ربع اوّل میں ایک ایسی نابغۂ روزگار ہستی کا پتہ دیتے ہیں جو اپنے عہد کے عبداللہ بن عباسؓ گزرے ہیں۔ تاریخ بغداد میں عبداللہ بن طاہر کے حوالہ سے (۱۲/۴۱۱) میں لکھا ہے کہ علمائے اسلام چار ہی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اپنے دور کے، امام الشعبیؒ اپنے دور کے، قاسم بن معینؒ اپنے زمانے کے اور ابو عبید القاسم بن سلامؒ اپنے عہد کے۔

نام و نسب

ابو عبید القاسم بن سلّام بغدادی خراسان کے شہر ہرات سے تعلق رکھتے تھے۔(۱) اس لئے بعض مؤرخین نے ان کے نام کے ساتھ خراسانی اور ہروی لکھا ہے۔(۲) آپ بنی ازد کے غلام تھے۔ بعض نے انصار کا غلام لکھا ہے۔

والد کا نام سلّام ہے (یعنی لام کی تشدید کے ساتھ) نہ کہ سلام (لام کی تخفیف سے) ابوالفضل بن اعید (۳۶۴ھ) کے ہاں کسی نے ابن سلام (لام کی تخفیف سے) کہا تو علماء بغداد نے اسے برا جانا۔

سلّام ہرات کے کسی شخص کے غلام تھے۔ وہ رومی الاصل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سلّام اور ان کے صاحب زادے عبید اپنے مالک کے بیٹے کے ساتھ مدرسہ گئے اور وہاں استاذ سے جا کر کہا "علمی القاسم فانها کیسه" (قاسم کو پڑھایئے یہ بڑے ذہین ہیں) ان عربی الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اچھی عربی نہیں جانتے تھے۔ اسی لئے وہ مذکر اور مونث تک کا لحاظ نہیں کر سکے۔

marfat.com

علمی مصروفیات

علامہ ابو عبید خراسان کے شہر ہرات میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔(۳) زبیدی نے ان کا سن ولادت ۱۵۴ھ بیان کیا ہے۔(۴) ابتدائی تعلیم کے بعد اپنے والد گرامی کی خواہش پر بچپن ہی میں ہرات کو خیر باد کہا اور بصرہ و کوفہ کا رخ کیا جو اس دور کے علمی مراکز تھے۔ وہاں آپ نے لغت (عربی) فقہ، حدیث، علم کلام اور دیگر علوم دور اوّل کے علماء سے حاصل کئے۔(۵) طلب حدیث کے لئے آپ دمشق گئے اور وہاں شیوخ حدیث سے استفادہ کیا۔(۶)

تکمیل علم کے بعد آپ اتالیق مقرر ہوئے چنانچہ بغداد میں شارع بشر وبشیر پر آپ ایک لڑکے کو پڑھایا کرتے تھے۔ پھر خراسان آئے تو ہرثمہ بن اعین کے بچوں کے اتالیق مقرر ہوئے۔ ہرثمہ الرشید اور المامون کے دور کا معروف فوجی کمانڈر تھا جسے مامون نے ۲۰۰ھ میں قتل کروایا تھا۔(۷) شام کے ایک مشہور قائد ثابت بن نصر بن مالک الخزاعی نے بھی (جو ۱۹۲ھ میں ثغور شام (شام کے سرحدی علاقے) کا بھی والی رہا) علامہ ابو عبید کی خدمات اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لئے حاصل کیں۔ ثغور شام کی ولایت ملنے پر ثابت بن نصر نے علامہ ابو عبید کو طرسوس کا قاضی مقرر کیا۔(۸) آپ ۱۸ برس تک اس علاقے کے قاضی رہے۔ پھر ۲۱۰ھ میں دوبارہ بغداد تشریف لے گئے اور وہاں عبداللہ بن طاہر والی خراسان سے ملاقات کی۔ ابن طاہر نے آپ کی عزت افزائی کی اور دو ہزار درہم ماہانہ وظیفہ مقرر کیا۔ ابوالعباس احمد بن یحیٰ ثعلب کہتے ہیں:

> عبداللہ بن طاہر اپنے والد کی زندگی ہی میں خراسان سے حج کو گیا تو اسحاق بن ابراہیم کے ہاں ٹھہرا۔ پھر اس نے اسحاق کو علماء کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ وہ انہیں طاہر سے ملانے کے لئے لائے۔ چنانچہ بعض علماء حدیث و فقہائے کرام ملنے کو آئے ان میں ابن الاعرابی اور ابو نصر (صاحب الاصمعی) بھی تھے۔

علامہ ابو عبید القاسم بن سلام کو بھی حاضری دربار کا پیغام ملا مگر آپ نے کہلا بھیجا کہ: ''علم کی طرف جایا جاتا ہے، علم کو بلایا نہیں جاتا''

marfat.com

اسحاق کو ان کی یہ بات اور پیغام نہایت ناگوار گزرا چنانچہ اس نے عبداللہ بن طاہر کی طرف سے انہیں ملنے والا (دوہزار درہم ماہانہ) وظیفہ بند کر دیا اور عبداللہ بن طاہر کو واقعہ کی اطلاع بھی کر دی، اس پر عبداللہ نے اسے لکھا:

علامہ ابو عبید نے سچ فرمایا اور میں ان کی اس حق گوئی پر ان کا وظیفہ دوگنا کرتا ہوں۔ تم فوراً ان کا سابقہ (روکا ہوا) بھی ادا کرو اور آئندہ بھی (نئی شرح کے مطابق) پابندی سے ادا کرتے رہو۔(۹)

چنانچہ اس واقعہ کا دونوں حضرات کے تعلقات پر گہرا اثر ہوا اور ایک دوسرے کی قدر افزائی پہلے سے زیادہ ہو گئی۔ اب تو کیفیت یہ ہوئی کہ علامہ ابو عبید جب بھی کوئی کتاب لکھتے عبداللہ بن طاہر کو تحفۃً اس کا نسخہ بھجوا دیتے اور عبداللہ جواباً مال خطیر نذر کرتا۔(۱۰) کہا جاتا ہے کہ علامہ ابو عبید نے جب اپنی کتاب "غریب الحدیث" مکمل کی اور عبداللہ بن طاہر کو بھجوائی تو اس نے بڑی تعریف کی اور کہا:

"ایسے شخص کو اپنی عقل و فہم کے مزید جوہر دکھانے کا موقع ملنا چاہئے اور اسے فکر معاش سے آزاد کیا جانا چاہئے۔ چنانچہ اسی کے ساتھ ان کا ماہانہ وظیفہ دس ہزار درہم مقرر ہوا۔"(۱۱)

ابودلف ۲۲۵ھ کو علامہ ابو عبید کے علمی مرتبہ و مقام کا علم ہوا تو اس نے عبداللہ بن طاہر سے درخواست کی کہ دوماہ کے لئے انہیں اس کے ہاں بھیجا جائے۔ چنانچہ علامہ تشریف لے گئے اور دوماہ ابودلف کو میزبانی کا شرف بخشا، واپسی کے لئے روانہ ہونے لگے تو ابودلف نے تیس ہزار درہم کا نذرانہ پیش کیا۔ جسے آپ نے یہ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ:

میں ایک ایسے شخص سے متعلق ہوں جو میری تمام ضروریات کا خیال رکھتا ہے پھر کسی اور سے کچھ لینا میرے لئے کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟

جب آپ واپس ابن طاہر کے پاس پہنچے تو اسے اس واقعہ کا علم ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس نے بھی تیس ہزار درہم پیش کئے جنہیں آپ نے اس کے اصرار پر اس صورت میں قبول کیا کہ وہ رقم کی بجائے کچھ سازو سامان (تحفے تحائف) خرید کر دے دے تاکہ آپ اپنے وطن جا سکیں، عبداللہ نے ایسا ہی کیا۔

marfat.com

ایسا لگتا ہے کہ علامہ ابو عبید نے کچھ عرصہ "مرد" میں بھی گزارا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ طاہر بن الحسین الخزاعی مشہور کمانڈر ۲۰۷ھ جب خراسان گیا تو اس نے "مر میں قیام کیا اور مصاحبوں سے کہا کہ کسی ایسے عالم کو بلائیں جو رات بھر اس کے پاس قیام کرے اور جس سے اس کی مجلس میں کچھ علمی گفتگو ہوتی رہے۔ اسے بتایا گیا کہ یہاں ایسا بڑا عالم سوائے علامہ ابو عبید کے کوئی اور نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ کو پیغام ملا اور وہ تشریف لے گئے۔ گفتگو کرنے پر پتہ چلا کہ علامہ، عربوں کی تاریخ کے بہت بڑے ماہر اور نحو و لغت و فقہ کے امام ہیں۔ طاہر نے کہا:

> آپ کو اس چھوٹے سے شہر میں رکھنا آپ کی قدر اور شخصیت کے ساتھ زیادتی ہے۔

اس نے ایک ہزار دینار آپ کی نذر کیے اور کہا ابھی تو میں خراسان کی جنگ میں جا رہا ہوں اور مجھے اچھا نہیں لگتا کہ آپ کو بھی اس سفر مشقت میں ڈالوں۔ آپ یہ ہدیہ قبول فرمایئے، واپسی پر اللہ نے چاہا تو ملاقات ہو گی۔ علامہ ابو عبید ان دنوں "غریب المصنف" لکھنے میں مصروف تھے۔ طاہر کی واپسی تک آپ نے وہ مکمل کرلی۔ چنانچہ طاہر واپسی پر آپ کو اپنے ساتھ سامرہ لے گیا۔ (۱۲)

۲۱۳ھ میں آپ مشہور محدث یحییٰ بن معین کے ساتھ مصر تشریف لے گئے جہاں آپ نے تصنیف و تالیف کے کام کو آگے بڑھایا اور اپنی تصنیفات میں مصر کا تذکرہ بھی کیا۔ مصر کے اس علمی سفر کا حال آپ نے اپنی کتاب "غریب الحدیث" میں بھی بیان کیا ہے۔

حدیث عقبہ بن عامر کی تشریح میں آپ لکھتے ہیں کہ:

> وہ صبیب (سرخ یا زرد رنگ) کا خضاب استعمال کرتے تھے اور صبیب تلوں کے پتوں کا پانی یا نباتات میں سے کوئی نبات ہے اور مصر میں مجھے بتایا گیا کہ ان کا پانی سرخ ہوتا ہے جس کے اوپر سیاہی ہوتی ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

> نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسی پہننے سے منع فرمایا ہے۔ پھر کہتے ہیں "قسی ایک لباس ہے جو ریشم سے تیار ہوتا ہے اور مصر سے لایا جاتا ہے"

marfat.com

اصحاب حدیث قسی کو قاف کے زیر اور سین کی تشدید سے پڑھتے ہیں، جبکہ مصری لوگ اسے قَسیّ (قاف کے زبر اور سین کی تشدید سے) پڑھتے ہیں اور اس کا تعلق ایک شہر سے بتاتے ہیں جس کا نام "القس" ہے اور علامہ کہتے ہیں میں نے وہ شہر دیکھا ہے۔ (۱۳)

۲۱۹ھ میں علامہ ابو عبید عازم حج ہوئے۔ فریضۂ حج ادا کیا۔ واپسی کے لئے سواری کرایہ پر حاصل کی تا کہ عراق جاسکیں۔ صبح سویرے روانگی کا پروگرام تھا۔ رات کو خواب میں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی دیکھا آپ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ کے آس پاس آپ ﷺ کے محبوب احبابؓ بیٹھے ہیں اور کچھ لوگ آ جا رہے ہیں، جو سلام پیش کرتے ہیں اور مصافحہ سے مشرف ہو رہے ہیں، علامہ فرماتے ہیں، مگر میں جیسے ہی قریب ہونے کی کوشش کرتا ہوں روک دیا جاتا ہوں۔ پھر میں لوگوں سے پوچھتا ہوں تم مجھے حضور (ﷺ) سے ملنے کیوں نہیں دیتے؟ جواب ملتا ہے تم نہیں مل سکتے کیونکہ تم کل عراق جانے کا ارادہ رکھتے ہو۔ میں نے ان (لوگوں) سے کہا اگر یہ وجہ ہے تو میں عراق جانے کا ارادہ ملتوی کر دیتا ہوں۔ لوگ مجھ سے وعدہ لیتے ہیں اور پھر مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات کی اجازت مل جاتی ہے، چنانچہ میں حاضر خدمت ہو کر سلام عرض کرتا ہوں، حضور ﷺ مجھ سے مصافحہ فرماتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو میں نے کرایہ کی سواری واپس کر دی اور عراق واپسی کا ارادہ ترک کر دیا۔ (۱۴)

اس روز سے علامہ ابو عبید مکہ ہی میں سکونت پذیر ہو گئے وہیں آپ کا انتقال ہوا، اور دور جعفر میں محرم ۲۲۴ھ میں تدفین عمل میں آئی۔ (۱۵) بعض مؤرخین نے آپ کا سن وفات ۲۲۲ھ بعض نے ۲۲۳ھ اور بعض نے ۲۳۰ھ بیان کیا ہے۔ (۱۶) آپ نے ۷۳ برس عمر پائی۔ بعض کے بقول آپ کا انتقال ۶۷ برس کی عمر میں ہوا۔ (۱۷) لیکن زیادہ صحیح روایت ۷۳ برس کی ہے۔

اساتذہ

علامہ ابو عبید نے ادب، لغت، حدیث، قرأت اور دیگر علوم اپنے دور کے ممتاز عراقی و شامی علماء سے حاصل کئے۔ آپ کے بعض مشائخ (اساتذہ) کے اسماء گرامی (بترتیب حروف تہجی) حسب ذیل ہیں:

۱۔ شیخ الاحمر علی بن المبارک (م ۱۹۴ھ)

marfat.com

۲۔ شیخ اسحاق بن یوسف الازرق (۱۹۵ھ)

۳۔ شیخ اسماعیل بن جعفر (م ۱۸۰ھ)

۴۔ شیخ اسماعیل بن علیہ الاسدی (م ۱۹۳ھ)

۵۔ شیخ اسماعیل بن عیاش (م ۱۸۱ھ)

۶۔ شیخ الاصمعی ابو سعید عبدالملک بن قریب (م ۲۱۶ھ)

۷۔ شیخ ابن الاعرابی ابو عبید اللہ محمد بن زیاد (م ۲۳۱ھ)

۸۔ شیخ الاموی یحیٰی بن سعید (۱۹۴ء)

۹۔ شیخ ابو بکر بن عیاش (۱۹۳ھ)

۱۰۔ شیخ جریر بن عبدالحمید (م ۱۸۷ھ)

۱۱۔ شیخ حجاج بن محمد (م ۲۰۶ھ)

۱۲۔ شیخ حفص بن غیاث (م ۱۹۴ھ)

۱۳۔ شیخ حماد بن مسعدۃ (م ۲۰۱ھ)

۱۴۔ شیخ ابو زیادہ الکلابی یزید بن عبداللہ بن الحر (سن وفات معلوم نہیں ہو سکا)

۱۵۔ شیخ ابو زید الانصاری سعید بن اوس (م ۲۱۴ھ)

۱۶۔ شیخ سعید بن الحکم بن ابی مریم المصری (م ۲۲۴ھ)

۱۷۔ علامہ سفیان بن عینہ (م ۱۹۸ھ)

۱۸۔ شیخ سلیمان بن عبدالرحمٰن بن حماد (م ۲۵۲ھ)

۱۹۔ شیخ سلیم بن عیسیٰ (م ۱۸۸ھ)

۲۰۔ الامام الشافعی محمد بن ادریس (م ۲۰۴ھ)

۲۱۔ شیخ شجاع بن ابی نصر (م ۱۹۰ھ)

۲۲۔ شریک بن عبداللہ القاضی (م ۱۷۷ھ)

۲۳۔ شیخ صفوان بن عیسیٰ القسام (م ۲۰۰ھ)

۲۴۔ عباد بن عباد المہلبی (م ۱۸۱ھ)

۲۵۔ عبدالاعلی بن مہر بن عبدالاعلیٰ الغسانی (م ۲۱۸ھ)۔ (۱۸)

marfat.com

عادات و اطوار

علامہ ابو عبید مہندی کا خضاب کرتے تھے۔ سرخ داڑھی اور سرخ (سر۔) بالوں والے تھے۔ ان کے چہرے سے ہیبت و وقار جھلکتا تھا۔ نہایت عبادت گزار اور کثیر المطالعہ تھے۔ آپ نے اپنی رات کو تین حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ابو بکر بن الانباری کہتے ہیں کہ:

ان کی راتیں، عبادت اور مطالعہ میں گزرتی تھیں۔ تہائی رات یا اس سے بھی کم آرام فرماتے تھے۔(۱۹)

آپ کا حافظہ قوی اور یادداشت بڑی عمدہ تھی۔ آپ کے ایک شاگرد ابو منصور نصر ابن داؤد صاغانی کہتے ہیں:

ابو عبید فرمایا کرتے تھے کہ ایک نشست میں پچاس حدیثیں یاد کر لینا میرے لئے چنداں مشکل نہ تھا۔(۲۰)

آپ اپنے اساتذہ و شیوخ حدیث کا حد درجہ احترام کرتے۔ اس کی ایک مثال خود ان کا یہ قول ہے کہ میں نے کبھی کسی استاذ یا شیخ حدیث سے ملاقات کرنی چاہی تو ان کے دروازے پر جا کر ان کے از خود باہر آنے کا منتظر رہا۔ دروازہ کھٹکھٹانا یا دستک دینا سوے ادب سمجھا۔ اس سلسلے میں میں نے ہمیشہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ -

اے نبی ان کے لئے بہتر ہو تا کہ اگر وہ آپ کے باہر تشریف لانے تک صبر سے انتظار کرتے۔(۲۱)

آپ کی علمی دیانت داری کا اندازہ آپ کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے کہ جسے آپ کے ایک شاگرد عباس بن محمد الدوری نے نقل کیا ہے کہ:

شکر علم کا تقاضا یہ ہے کہ جب کوئی بات آپ نہ جانتے ہوں پھر آپ کو معلوم ہو جائے اور وہ بات آپ لوگوں سے بیان کریں تو اس اعتراف کے ساتھ بیان کریں کہ مجھے بھی اس کا علم نہیں تھا تا آنکہ فلاں صاحب نے مجھے اس اس طرح یہ بات سکھائی یا

marfat.com

سمجھائی اور یوں میرے علم میں یہ بات آئی۔ (۲۲)

آپ کا قول جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے یہ ہے کہ:

متبع سنت شخص ایسا ہے جیسے آگ پر قابو پانے والا اور میرے نزدیک اتباع سنت فی زمانہ اللہ کی راہ میں (جہاد میں) تلوار چلانے سے بھی زیادہ افضل ہے۔

علم و فضل

علامہ ابو عبید نے اپنی زندگی میں اور بعد از وفات زبردست شہرت پائی۔ آپ کے اپنے دور میں اور بعد کے ادوار میں ہمیشہ آپ کو اچھے الفاظ سے یاد کیا گیا، آپ وایک متقی، زاہد عابد شب زندہ دار، کریم النفس، مجسمہ اخلاق کریمانہ، فاضل علوم و فنون، تصنیف و تالیف کے دھنی اور اجتہاد و تبحر علمی کے مالک شخص کی حیثیت سے شہرت حاصل تھی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے!

علامہ ابو عبید استاذ ہیں اور آپ کے علم و فضل کی وجہ سے روز بروز آپ کی قدر و منزلت ہم پر واضح ہو رہی ہے۔ (۲۳)

سنن ابی داؤد کے جامع علامہ ابوداؤد سلیمان بن اشعث سے علامہ ابو عبید کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے کہا "وہ ایک امین و ثقہ عالم ہیں" معروف محدث و اسماء الرجال کے عالم یحییٰ بن معین سے کسی نے پوچھا کہ:

ابو عبید سے روایت حدیث لینا کیسا ہے؟ آپ نے جواب دیا مجھ سے ابو عبید کے بارے میں پوچھتے ہو؟ وہ تو ایسی شخصیت ہیں کہ ان سے لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے۔ پھر کہا میں اصمعی کے پاس تھا کہ ابو عبید تشریف لائے، علامہ اصمعی نے انہیں آتا دیکھ کر کہا، جانتے ہو آنے والا کون ہے؟ حاضرین نے کہا ہاں، اصمعی نے کہا جب تک یہ شخص زندہ ہے لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ (۲۴)

ابراہیم الحرابی ان کے بارے میں کہتے ہیں:

ابو عبید تو ایسے تھے جیسے پہاڑ میں روح پھونک دی گئی ہو اور اس کی ہر شئے بھلی لگ رہی ہو۔ (۲۵)

marfat.com

قاضی احمد بن کامل کہتے ہیں:

علامہ ابو عبید القاسم بن سلام اپنے مذہب و علم میں انتہائی فاضل تھے، ربانی قسم کے عالم تھے، علوم و فنون اسلامی کے ماہر، قرآن و سنت اور فقہ کے متبحر عالم، ثقہ راوی ایسے ثقہ کہ آج تک کسی نے ان کی ثقاہت میں طعن نہیں کیا۔(۲۶)

الجاحظ نے کتاب المعلمین میں ان کا ذکر اس طرح کیا ہے:

وہ معلمین میں سے اور پھر فقہاء محدثین میں سے تھے۔ ان کا شمار ماہرین علم نحو میں بھی تھا اور وہ ان علماء میں بھی شامل تھے جو کتاب و سنت، ناسخ و منسوخ، غریب الحدیث اور اعراب القرآن کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ جن لوگوں نے علم کے متعدد اصناف میں کتابیں لکھیں ہیں علامہ ابو عبید القاسم بن سلام ان میں سر فہرست ہیں۔ آپ ایسے ادیب تھے کہ ان کی طرز پر علم و ادب کی مفید تالیفات کم ہی لوگوں نے لکھی ہوں گی۔(۲۷)

ابن درستویہ ان کے بارے میں کہتے ہیں:

آپ بغداد کے محدثین اور کوفیوں کے نظریات پر علم نحو کے زبردست عالم تھے، لغت کے راویوں میں تھے اور قرأت میں بصرہ کے علماء میں منفرد تھے۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہے جو فنون کثیرہ میں لکھنے اور شہرت پانے والے تھے۔ آپ صاحب فضل و مجد اور عابد و زاہد صاحب مذہب تھے۔(۲۸)

ابو العباس احمد بن یحییٰ ثعلب کا خیال ہے کہ اگر ابو عبید بنی اسرائیل میں ہوتے تو ان کی شان کچھ اور ہی ہوتی۔(۲۹)

ہلال بن العلاء الرقی کہتے ہیں:

اللہ نے اس امت پر چار اشخاص کا انعام فرمایا جو اپنے زمانہ کے عبقری تھے، ایک تو امام شافعی کہ جن کی فقہ حدیث قابل داد ہے۔ دوسرے امام احمد بن حنبل کہ جنہوں نے صبر و استقامت

marfat.com

سے فتنوں کا مقابلہ کیا، اگر آپ نہ ہوتے تو لوگ کفر کا شکار ہو جاتے، تیسرے یحیٰی بن معین کہ جنہوں نے احادث رسول اللہ ﷺ کو کذب سے محفوظ کیا اور چوتھے ابو عبید القاسم بن سلّام کہ جنہوں نے غریب الحدیث کو بیان کیا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو لوگ گمراہ ہو جاتے۔(۳۰)

علامہ ابو قدامہ، ابن راہویہ، عبداللہ بن طاہر، ابن حبان، حاکم الازہری، الدانی، ابن الجزری، الداودی و دیگر مشاہیر علماء و مشائخ نے بھی علامہ ابن سلّام کی علمی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور انہیں شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

تالیفات

آپ نے تالیفات کا بڑا ذخیرہ ورثہ میں چھوڑا، ان میں سے بیشتر علوم قرآن کریم، علوم حدیث شریف، لغت، امثال، انساب اور تراجم پر مشتمل ہیں۔

ابن دستور کے مطابق آپ پچیس سے زائد مصنفات علوم قرآن، فقہ، غریب الحدیث، امثال، معانی الشعر اور غریب المصنف کے موضوعات پر ہیں۔(۳۱)

ابن ندیم اور ابن خلکان نے آپ کو صاحب تصانیف کثیرہ لکھا ہے۔(۳۲)

ابو طیب لغوی کا خیال ہے کہ چونکہ آپ کی تالیفات کو سرکاری سطح پر سراہا جاتا تھا اس لئے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔(۳۳)

آپ کی بعض معروف کتابوں کے اسماء، ابن ندیم نے الفہرست (ص ۱۱۲) میں ذکر کیا ہے، نیز انباہ الرواۃ (ج ۳ / ص ۲۲) معجم الادباء (ج ۱۶ / ص ۲۶۰) وفیات الاعیان (ج ۴ / ص ۶۳)، عیون التواریخ (ص ۲۸۸)، مراۃ الجنان (ج ۲ / ص ۸۸) اور کشف الظنون (ج ۲ / ص ۱۳۸۵) میں آپ کی تالیفات کا ذکر ملتا ہے۔ ہم اختصار کے پیش نظر صرف چند مصنفات کا ذکر کرتے ہیں۔

الاحداث، آداب السلام، ادب القاضی، استدراک الغلط، الامثال السائرۃ، الاموال، انساب الخیل، الایمان والنذور، الحجر والتفلیس، الحیض، الخطب والمواعظ، الشعراء، شواہد القرآن، الطلاق، الطہارۃ، عدد آی القرآن، غریب الحدیث، غریب القرآن، القرأت، القضاء و آداب، الحکام، کتاب الایمان و معالمہ وسننہ و استکمالہ ودرجاتہ، کتاب

marfat.com

نحو، المجاز فی القرآن، المذکر والمونث، معانی الشعر، معانی القرآن، فضائل الفرسان، المقصور والممدود، الناسخ والمنسوخ، النسب، نصوص فی الحج، النکاح۔ (۳۴)

علامہ کے تلامذہ کی تعداد کا تعین مشکل امر ہے۔ ان کے بعض تلامذہ نے علم و فن کے میدان میں بڑی شہرت پائی۔ اسماء الرجال کی کتب میں ان کے تلامذہ کے احوال بڑے شرح و بسط سے مذکور ہیں۔ علامہ کے علمی مرتبہ و مقام اور ان کی شہرت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے تلامذہ میں صحاح ستہ کے بعض مولفین، تاریخ و رجال کے ماہرین، لغت و ادب کے ائمہ اور فقہ و فتاویٰ کے مصنفین کے نام آتے ہیں۔ ان کے مشہور تلامذہ میں امام احمد بن حنبل، امام بخاری، یحییٰ بن معین، امام ترمذی، امام ابوداؤد سجستانی، علامہ البلاذری، علامہ التغلبی، علامہ الدارمی، ابن ابی الدنیا، امام علی بن عبدالعزیز البغوی، شیخ ابوالحسن الطوسی، جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔

رب قدیر و کریم حضرت علامہ ابوعبید القاسم بن سلاّم کے مرقد پر ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

حواشی و مراجع

۱۔ ابن ندیم، الفہرست، ص ۱۱۲، مطبوعہ القاہرہ، مصر، ۱۳۴۸ھ، الخطیب البغدادی، تاریخ بغداد، ج ۱۲/ ص ۴۰۳، مطبوعہ مصر ۱۹۳۱ھ، ابن سعد، طبقات، ج ۷/ ص ۳۵۵، مطبوعہ سخاو، لیڈن، ۱۹۰۹ء،

۲۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۹۵۷م، تاریخ بغداد، ج ۱۲/ ص ۴۱۵، طبقات ابن سعد، ج ۷/ ص ۳۵۵،

۳۔ ابن عساکر، تاریخ مینہ دمشق، حرف قاف، دارالکتب المصریہ،

۴۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ۴/ ص ۶۲، مطبوعہ مصر،

۵۔ روڈلف زلہائم، الامثال العربیہ القدیمہ، ص ۸۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۱ء،

۶۔ ابن عساکر، تاریخ مدینہ دمشق (حرف قاف) الداودی، طبقات المفسرین، مطبوعہ القاہرہ ۱۹۷۲ء،

۷۔ ابن الاثیر، الکامل، و تاریخ بغداد ج ۱۲/ ص ۴۰۴، القفطی، انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ، مطبوعہ، مصر ۱۹۷۳ء،

marfat.com

۸۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ۴ / ص ۶۱، یاقوت الحموی، معجم الادباء، ج ۱۶/ ص ۲ ۔ ۱ مطبوعہ احمد فرید، مصر ۱۹۲۶ء، ابن عماد الحنبلی، شذرات الذہب، ج ۲/ ص ۵۵ مطبوعہ مصر ۱۳۵۰ھ، امام نووی، تہذیب الاسماء و اللغات، ج ۲/ص ۴۷۰۔۲۵۷، مطبوعہ القاہرہ، ابن ندیم، الفہرست، ص ۱۱۲،

۹۔ ابن عساکر، تاریخ دمشق (حرف قاف) انباہ الرواۃ، ج ۳/ ص ۱۷، معجم الادباد، ج ۱۶/ ص ۲۶۰،

۱۰۔ القفطی، انباہ الرواۃ، ج ۳/ص ۱۳، ابن عساکر، تاریخ دمشق (حروف قاف) ابن الانباری، نزہتہ، الالباء، ص ۱۳۸، مطبوعہ القاہرہ، مصر ۱۹۶۸ء، الیاقوت، معجم الادباء، ج ۱۶/ ص ۲۵۵، ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ج ۱۰/ ص ۲۹۱، مطبعہ السعادۃ، القاہرہ،

۱۱۔ نزہتہ الالباء، ص ۱۳۸، معجم الادباء، ج ۱۶/ ص ۲۵۵، البدایہ والنہایہ، ج ۱۰/ ص ۲۹۱، تاریخ دمشق (حرف قاف) انباہ الراۃ، ج ۳/ ص ۱۵،

۱۲۔ الصحاح (قس) ج ۲/ ص ۹۶۰، ابو عبید القاسم بن سلام، غریب الحدیث، ج ۱/ ص ۲۳۶، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۶۷ء،

۱۳۔ ابو بکر زبیدی، طبقات النحویین واللغویین، ص ۲۲۹، القاہرہ ۱۹۴۸ء، ابن عماد الحنبلی، شذرات الذہب، ج ۲/ ص ۵۵، القاہرہ، ۱۳۵۰ھ، محمد بن شاکر الکتبی، عیون التواریخ، ص ۲۸۸، دار الکتب المصریہ، ابن قاضی شہبہ، طبقات ابن قاضی شہبہ، ج ۲/ ص ۲۲۴، دار الکتب المصریہ،

۱۴۔ البخاری، التاریخ الکبیر، ج ۴/(۱) ص ۱۷۲، مطبوعہ حیدر آباد دکن، ۱۳۶۰، الزبیدی، طبقات النحویین واللغویین، ص ۲۱۹، القاہرہ ۱۹۵۴ء، ابن حجر، تہذیب التہذیب، ج ۸/ ص ۳۱۵، حیدر آباد دکن، ۱۳۲۶ھ،

۱۵۔ خطیب، تاریخ بغداد، ج ۱۲/ ص ۴۱۵، نزہتہ الالباء، ص ۱۴۱، انباہ الرواۃ، ج ۳/ ص ۲۰، ابن مکتوم، تلخیص اخبار النحویین، ص ۱۹۲، دار الکتب المصریہ،

۱۶۔ السیوطی، بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ، ج ۲/ ص ۲۵۴، القاہرہ ۱۹۶۴ء، ابن الجزری، طبقات ابن الجزری، ج ۲/ص ۱۸، القاہرۃ ۱۹۳۵ء، نیز ابوالفداء، تاریخ

marfat.com

ابو الفداء، ج ۲ / ص ۳۶، مکتبہ النہضہ مصر، ابن حجر عسقلانی. تہذیب التہذیب، ج ۸ / ص ۳۱۵، مطبوعہ حیدر آباد دکن،

۱۷۔ خطیب بغدادی، تاریخ بغداد، ج ۱۲ / ص ۴۰۴، السبکی، طبقات الشافعیہ، ج ۱ / ص ۲۷۰، مطبوعہ القاہرہ، ۱۳۲۴ھ، ابن خلکان، وفیات الاعیان، ج ۴ / ص ۶۱،

۱۸۔ السبکی، طبقات الشافعیہ، ج ۱ / ص ۲۷۱، محمد بن شاکر الکتبی، عیون التواریخ، ص ۲۸۹، دار الکتب المصریہ، خطیب، تاریخ بغداد، ج ۱۲ / ص ۴۰۸،

۱۹۔ الزبیدی، طبقات النحویین واللغویین، ص ۲۱۸، القاہرہ ۱۹۵۴ء،

۲۰۔ الداودی، طبقات المفسرین، ج ۲ / ص ۳۶، القاہرۃ، ۱۹۷۲ء،

۲۱۔ المزی، ج ۴ / ص ۳۱۹، الداودی، ج ۲ / ص ۳۹، تاریخ دمشق (حرف قاف)

۲۲۔ المزی، تذہیب الکمال ۵۵۵، عیون التواریخ ۲۸۸، تاریخ بغداد، ج ۱۲ / ص ۴۱۴،

۲۳۔ تلخیص ابن مکتوم، ص ۱۹۲، نزہۃ الالباء، ص ۱۴۱ / انباہ الرواۃ، ج ۳ / ص ۲۱،

۲۴۔ وفیات الاعیان، ج ۴ / ص ۶۱، تہذیب التہذیب، ج ۸ / ص ۳۱۶، البدایۃ والنہایۃ، ج ۱ / ص ۲۹۲،

۲۵۔ بغیۃ الوعاۃ، ج ۲ / ص ۲۵۳، روضات الجنات ۵۴۶، مرآۃ الجنان، ج ۲ / ص ۸۴،

۲۶۔ معجم الادباء ج ۱۶ / ص ۲۵۵، طبقات النحویین واللغویین، ص ۲۱۷،

۲۷۔ الدوادی، طبقات المفسرین، ج ۲ / ص ۳۴، تاریخ بغداد، ج ۱۲ / ص ۴۰۴،

۲۸۔ تاریخ دمشق (حرف قاف) تلخیص ابن مکتوم، ۱۹۲،

۲۹۔ وفیات الاعیان، ج ۴ / ص ۶۱، نزہۃ الالباء، ص ۱۴۰، تاریخ بغداد، ج ۱۲ / ص ۴۱۱،

۳۰۔ نزہۃ الالباء، ص ۱۳۷، وفیات الاعیان، ج ۴ / ص ۶۱، معجم الادباء، ج ۱۶ / ص ۲۶۴،

۳۱۔ ابن ندیم، الفہرست ص ۱۱۳،

۳۲۔ مراتب النحویین، ص ۹۴، السبکی، طبقات الشافعیہ، ج ۱ / ص ۲۶۰،

۳۳۔ ابن ندیم الفہرست، ص ۱۱۲، ۱۱۳، وفیات الاعیان، ۴ / ۶۳، ابن حجر، المعجم المفہرست، ص ۴۴، بروکلمان، تاریخ الادب العربی، ج ۲ / ص ۱۵۹،

۳۴۔ میزان الاعتدال، ج ۴ / ص ۴۱۰، الرجعی، العمر، ج ۱ / ص ۴۱۵، نیز ج ۲ / ص ۵۴ سے ۶۵، ج ۲، ص ۱۲، ۵۴، ۶۲، ۶۵، بروکلمان، تاریخ الادب العربی، ج ۳ / ص ۴۳،

marfat.com

آئندہ صفحات میں پیش کردہ مضامین حسب ذیل رسائل وجرائد میں شائع ہوئے۔

۱۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی افکار و نظریات

ماہنامہ فقہ اسلامی کراچی شمارہ

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ تعالی علیہ

ماہنامہ آگہی کراچی اپریل ۱۹۹۲ء

۲۔ علامہ محمد ابو زہرہ مصری

ماہنامہ آگہی کراچی جنوری ۱۹۹۳ء

ماہنامہ البلاغ کراچی جنوری ۱۹۹۳ء

ماہنامہ کاروان قمر کراچی نومبر ۱۹۹۵ء

۳۔ الشیخ علی الطنطاوی

ماہنامہ کاروان قمر کراچی اگست ۱۹۹۹ء

ماہنامہ میثاق لاہور ستمبر ۱۹۹۹ء

۴۔ علامہ الشیخ عبد الفتاح ابو غدہ

ہفت روزہ ایشیا لاہور مئی ۱۹۹۷ء

ماہنامہ البلاغ کراچی اگست ۱۹۹۷ء

ماہنامہ کاروان قمر کراچی اگست ۱۹۹۷ء

۵۔ ڈاکٹر عبد الجواد خلف

ماہنامہ ساحل کراچی

marfat.com

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

کے فقہی افکار و نظریات

والله واسع عليم يوتى الحكمة من يشاء ومن يوتى الحكمة

فقد اوتى خيرا كثيرا ﴿البقرة ٦٨=٢٦٩﴾

ارشاد باری ہے اور اللہ بڑے وسیع علم والا ہے وہ جسے چاہتا ہے حکمت سے سرفراز فرماتا ہے اور جسے وہ حکمت سے نواز دے پس گویا وہ خیرِ کثیر سے مالامال کر دیا گیا۔

حکمت کے معنی صاحب حکمت رسول ﷺ کے صاحب توفیق مفسر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یوں منقول ہیں 'آپ فرماتے ہیں: الحكمة العقل والفهم والفطنة یعنی حکمت نام ہے علم و فہم و بصیرت کا۔

حکیم رازی کہتے ہیں هى عبارة عن توفيق العمل بالعلم اور پھر حکمت کی تقسیم کرتے ہوئے قرآنی شواہد سے ثابت کرتے ہیں کہ ایک حکمت 'حکمت نظری ہے اور دوسری حکمت 'حکمتِ عملی ہے۔ گویا حکمت نام ہے افکار و نظریات اور عمل کا' اب دیکھتے ہیں کہ فقہ کیا ہے۔ اور علم فقہ کی تعریف اہلِ حقیقت کے نزدیک کیا' صاحب درِ مختار کے بقول: الفقه عند اہل الحقيقة الجمع بين العلم والعمل۔ جب حکمت توفیق العمل بالعلم قرار پائی اور فقہ کے معنی الجمع بین العلم والعمل ہوئے تو طے پایا کہ حکمت فقہ ہے اور فقہ حکمت ہی کا دوسرا نام ہے چنانچہ رجل حکیم وہ شخص ہو گا جو ان دونوں کا اس طرح جامع ہو کہ فقہ و حکمت اس کی ذات میں یکجا ہو جائیں' ہمارے ممدوح و محترم و شیخ محتشم عالم ربانی اس محفل کے مہمانِ روحانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت جامع علم و عمل ہی نہیں جامع کمالات و قاسم فیوض و برکات ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت سے حکمت میں جو حظ وافر عطا ہوا اسے دیکھ کر اور اس کے کمالات کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ مرد حکیم آپ ہی ہیں جس کے بارے میں قرآن کہتا ہے وآتينا لقمان الحكمة ان اشكر لله.

لقمانِ بنی اسرائیل کے بارے میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لم يكن لقمان نبيا ولكن كان عبدا كثير التفكر '

marfat.com

حسن اليقين ' احب الله تعالى فاحبه ومن عليه بالحكمة وخيره في ان يجعله خسفة يحكم بالحق ....

اور لقمانِ عزوجاہِ بني اسماعیل وامتِ ابن الذبحین کے بارے میں عبد الرحمن بن یزید بن جابر کہتے ہیں: انه بلغه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يكون في امتى رجل يقال له صلة يدخل الجنة بشفاعته كذا وكذا ....

اور حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں الحمد لله الذى جعلني صلة بين البحرين و مصلحا بين الفئتين ....

ثابت ہوا اس امت کے مردِ حکیم جامعِ علم و عمل فقیہِ نبیل مرشدِ کریم وہادیء طریق حکمت حضرتِ مجدد الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں۔

حضرتِ لقمان اپنے صاحب زادے کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: يبني لا تشرك بالله ان الشرك لظلم عظيم + يبني انها ان تك مثقال حبة من خردل فتكن في صخرة او في السموات او في الارض يات بها الله ان الله لطيف خبير + يبنى اقم الصلوة وامر بالمعروف وانه عن المنكر واصبر على ما اصابك ان ذلك من عزم الامور + ولا تصعر خدك للناس ولا تمش في الارض مرحا ان الله لا يحب كل مختال فخور + واقصد في مشيك واغضض من صوتك ان انكر الاصوات لصوت الحمير +

اور حضرتِ مجدد اپنے مریدوں کو بیٹا کہ کر مخاطب کرتے اور لقمانِ حکیم سے دو قدم آگے بڑھ کر یہ نصائح مختصر و جامع الفاظ میں یوں فرماتے ہیں:

ہوش دردم .... 'نظر بر قدم ...... 'سفر در وطن .... 'خلوت در انجمن .... 'یاد کرد' باز گزشت 'نگاہداشت 'یادداشت۔

ان نصائح یا کلماتِ مبارکہ کی تفصیل مکتوباتِ طیبات میں اور سلوکِ نقشبندیہ کی کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے یہ مقالہ اس تفصیل کا متحمل نہیں۔

حضرتِ مجدد حکمتِ نظری وحکمتِ عملی کے پیکر ہیں 'آپ کے فقہی افکار و نظریات میں جس بات پر زور ہے وہ حصولِ علم واکتسابِ عمل کا درس ہے۔ آپ کے مکتوباتِ طیبات اس پر شاہد ہیں آپ اپنے مکتوب بنام شیخ نظام تھانیسری میں فرماتے ہیں:

marfat.com

"علم دو مجاہدوں کے درمیان واقع ہے۔ ایک اس کے حصول سے پہلے اس کا حصول کا مجاہدہ دوسرا اسے حاصل کر لینے کے بعد اس پر عمل کا مجاہدہ۔ لہذا یوں چاہئے کہ جس طرح آپ کی مجلس شریف میں کتبِ تصوف کا ذکر و مطالعہ ہوتا ہے اسی طرح کتب فقہ کا بھی ذکر و مطالعہ ہو' اور زبانِ فارسی میں فقہ کی کتابیں بے شمار ہیں جیسے 'مجموعہ خانی' عمدۃ الاسلام کنز فارسی وغیرہ 'بلکہ اگر آپ کی مجلس شریف میں کتب تصوف کا ذکر و مطالعہ نہ بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ تصوف کا تعلق احوال سے ہے وہ قال میں نہیں آسکتا۔ لیکن کتب فقہ کے زیر مطالعہ نہ ہونے سے ضرور نقصان کا احتمال ہے۔" (دفتر اول حصہ اول ص ۱۰۴)

شیخ فرید کے نام اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

"...... نعمتِ اسلام کی سب سے اولین مدد یہ ہے کہ مسائل شرعیہ کی وضاحت کی جائے اور کتاب و سنت اور اجماع کے عقائدِ کلامی کا اظہار کیا جائے تاکہ کوئی بدعتی اور گمراہ درمیان میں پڑ کر راستہ نہ روک دے اور کام کو خرابی اور فساد میں نہ ڈال دے۔" (حصہ دوم ص ۴۴)

فقہی افکار و نظریات اور احکامِ فقہیہ کو عام کرنے کے لئے آپ ہمہ تن مصروف رہے' آپ نے اپنے حلقۂ اثر میں احکامِ فقہیہ کی اشاعت کو اپنا مطمحِ نظر بنایا چنانچہ شیخ احمد برکی کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں: فعليكم بتعليم العلوم الدينيه و نشر الاحكام الفقهيه ما استطعتم فانها ملاك الامر و مناط الارتقاء و مدار النجاة...... (حصه ٥ ص ٥٤)

"یعنی آپ پر لازم ہے کہ علوم دینیہ کی تعلیم دیں اور جہاں تک ممکن ہو احکامِ فقہیہ کو عام کریں کیونکہ یہی دونوں اصل مقصود ہیں اور انہی پر ترقی اور نجات کا مدار ہے۔"

فقہِ اسلامی کی اشاعت کو اصل مقصود اور مدارِ نجات قرار دینے والے حضرتِ مجدد اپنے ایک اور مکتوب بنام میر عبداللہ بن میر محمد نعمان میں تحریر فرماتے ہیں: "میرے عزیز فرزند ہمیشہ اپنے نام کی طرح توفیق یافتہ رہو موسم جوانی کو غنیمت جانتے ہوئے علوم شرعیہ کی تحصیل اور ان کے مطابق عمل میں مشغول رہو۔" (حصہ سوم ص ۹۶)

اپنے مرشدزادوں کے نام اپنے ایک طویل مکتوب (مکتوب نمبر ۲۶۶) میں فرماتے ہیں:

"...... عقائد درست کرنے کے بعد احکامِ فقہ کا سیکھنا ضروری ہے اور فرض واجب' حلال و حرام و سنت و مندوب' مشتبہ و مکروہ کے جاننے کے بغیر چارہ نہیں اور ایسے علم کے مطابق عمل لازم ہے۔

marfat.com

فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں ۔"

حضرت شیخ علم فقہ کی رسمی تحصیل کے قائل نہیں بلکہ آپ اس کے عمیق مطالعہ اور دقیق فہم کے حامی ہیں آپ کی اس فکر کا اندازہ آپ کے ان اقوال وارشادات سے ہوتا ہے جو آپ اس سلسلہ میں اپنے مریدین و متعلقین کو بطور نصیحت ارشاد فرماتے ' اسی سلسلہ کا ایک قول آپ کے ایک مکتوب بنام جباری خاں میں ملتا ہے آپ فرماتے ہیں :

" بندہ جب تک اپنے آپ کو پورے طور پر شریعت میں گم نہ کردے اور اوامر کی بجا آوری اور ممنوعات سے رکنے کے ساتھ مزین و آراستہ نہ کرے اس دولت و نعمت کی خوشبو بندے کی روح سونگھ نہیں سکتی۔ " (حصہ دوم ص ۱۰۶)

علم بغیر عمل کے کچھ نہیں اور حضرت مجدد کی ساری زندگی علم و عمل میں توازن و اعتدال کی راہ بجھانے میں گزری ہے آپ ان علماء کو جو عامل نہیں صرف عالم ہیں علماء سوء میں شمار کرتے ہیں اور اس بات پر ہمیشہ زور دیتے رہے ہیں کہ احکام شرعیہ عمل کے لئے اترے ہیں نہ کہ صرف پڑھنے پڑھانے کے لئے' شیخ فرید کے نام اپنے ایک مکتوب میں حضرت نے لکھا :

" ساری ہمت احکام شرعیہ کی بجا آوری میں صرف کی جائے اور اہل شریعت یعنی علماء و صلحاء کی تعظیم و توقیر کرنی چاہئے۔ اور شریعت کو رواج دینے میں کوشاں رہنا چاہئے " (حصہ سوم ص ۷۷)

حضرت مجدد جب احکام شریعت پر عمل اور اہل شریعت کی تعظیم کی بات فرماتے ہیں تو اس سے شریعت مطہرہ کی وہ تعبیر مراد ہے جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہے۔ آپ فقہ حنفی کے زبردست مؤید و حامی ہیں۔ آپ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور آپ کے فقہی اسلوب سے اس قدر متاثر ہیں کہ آپ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات فقہیہ کو کمالات نبوت سے نسبت دیتے ہیں چنانچہ اپنے مکتوب بنام میاں بدیع الدین صاحب میں رقمطراز ہیں :۔

" آج صبح حضرت الیاس و حضرت خضر علیہما السلام روحانیوں کی صورت میں تشریف لائے' حضرت خضر علیہ السلام سے ہم نے سوال کیا کہ آپ امام شافعی کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں ؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ہم شرائع کے ساتھ مکلف نہیں ہیں لیکن چونکہ قطب مدار کے کام ہمارے سپرد ہیں اور قطب مدار (اس وقت) امام شافعی کے مذہب پر ہے اس لئے ہم بھی اس کے پیچھے امام شافعی کے مذہب کے موافق نماز ادا کرتے ہیں۔

marfat.com

پھر فرمایا: چنانچہ اس وقت یہ معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہِ شافعی کے ساتھ خاص موافقت رکھتے ہیں اور کمالاتِ نبوت کی مناسبت فقہِ حنفی کے ساتھ ہے۔ اگر بالفرض اس امت میں کوئی پیغمبر اب مبعوث ہوتا تو فقہِ حنفی کے موافق عمل کرتا۔ (حصہ پنجم ص ۷۱)

اسی مکتوب میں آگے چل کر لکھتے ہیں: اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا (خلیفہ ثانی حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ علیہ) کے اس سخن کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی جو انہوں نے فصولِ ستہ میں نقل کیا ہے کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے۔ (حصہ پنجم ص ۷۲)

حضرتِ مجدد قدس سرہ العزیز نے اپنے دور میں نہ صرف بد عقیدگی کا سدِ باب فرمایا اور عقائد باطلہ کا علی الاعلان رد فرمایا بلکہ آپ نے اس دور کے فقہی جمود کو بھی توڑا اور غیر مقلدیت کے خلاف بھی علی رؤس الاشہاد جہاد کیا' آپ عامۃ المسلمین کے لئے تقلید کے پرزور حامی تھے اور خود استعدادِ اجتہاد کے مرتبہ ءِ کمال پر فائز ہونے کے باوجود تقلید ہی کو پسند فرماتے تھے ہاں آپ نے بعض مسائل میں امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ فروعی مسائل سے اتفاق فرمایا ہے' مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ عام لوگوں کو تلفیقِ مذاہب کی اجازت دیتے ہوں یا عدمِ تقلید کی۔ بلکہ آپ آئمہ مجتہدین کے خلاف چلنے' تقلید ترک کرنے اور از خود استنباطِ احکام و مسائل سے منع فرماتے تھے' امان اللہ فقیہ کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

۔...... جس طرح کتاب و سنت کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری ہے اسی طرح کتاب و سنت پر اس طریقہ کے مطابق عمل کرنا جو ائمہ مجتہدین نے ان سے استنباط فرمایا ہے۔ اور ان کے بیان کردہ حلال و حرام' فرض و واجب اور سنت و مستحب اور مکروہ و مشتبہ احکام کو جاننا اور ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ اور مقلد کو اس امر کی اجازت نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف از خود کتاب و سنت سے احکام اخذ کرتا پھرے اور ان پر عمل کرے۔ اور عمل میں اپنے مجتہد مذہب میں جس کا تابع ہے قول مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے بچتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے۔ (حصہ پنجم ص ۸۸)

تقلید کے حوالہ سے حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بڑا واضح رہا ہے اور وہ یہ کہ عام لوگ ہر صورت میں تقلید ہی کو اختیار کریں اور آپ فرماتے ہیں کہ: اہل کشف کی تقلید احتمالِ خطا کی صورت میں جائز نہیں اور مجتہد کی تقلید احتمالِ خطا کی صورت میں بھی جائز اور درست ہے بلکہ

marfat.com

واجب ولازم ہے۔ (حصہ اول ص ۱۳۳)

حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں عقائد ضالہ کے خلاف جہاد کر کے صحیح سنی عقائد کو فروغ دیا وہیں فقہ حنفی کی زبردست تائید ونصرت فرما کر ہند میں امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو حیاتِ نو بخشی وہ طبقہ جو امامِ اعظم کی محدثیت کا منکر اور آپ کو فقط صاحب رائے قرار دینے پر تلا ہوا تھا آپ نے اس کا بھی سدباب کیا' آپ نے فرمایا :۔

"...... یقیناً بلا تکلف وتعصب کہا جاسکتا ہے کہ اس مذہبِ حنفی کی نورانیت نظرِ کشفی میں دریا کی طرح ہے اور باقی تمام مذاہب حوض اور نالیوں کی طرح نظر آتے ہیں اور ظاہر میں بھی اس مذہب کے پیرو دیگر مذاہب کے پیروان سے زاید ہیں اور یہ مذہب اپنے اصول وفروع اور طریقہ استنباط میں تمام مذاہب سے ممتاز ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ تقلیدِ سنت میں امام ابو حنیفہ سب سے پیش قدم ہیں وہ مرسل احادیث کو مسند احادیث کی طرح شایانِ متابعت اور اپنی رائے پر مقدم سمجھتے ہیں اور اسی طرح صحابی کے قول کو بہ وجہ شرفِ صحبت اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں حالانکہ دوسرے ائمہ کا مسلک یہ نہیں ہے۔باوجود اس کے امامِ اعظم کے مخالف ان کو صاحبِ رائے کہتے ہیں اور ان کے متعلق بے ادبی کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو توفیق دے کہ سردارِ دین اور رئیسِ اہلِ اسلام کو برا نہ کہیں۔ اور اسلام کے سوادِ اعظم کو ایذا نہ پہنچائیں۔ یریدون لیطفئو نور الله بافواھھم۔ وہ لوگ جو آپ کو اور آپ کے اتباع کو اصحابِ رائے کہتے ہیں اگر ان کا یہ خیال ہے کہ احناف اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں اور یہ لوگ کتاب وسنت پر عامل نہیں ہیں تو ان کے اس غلط اور فاسد خیال کا یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اہلِ اسلام کا سوادِ اعظم ضال اور مبتدع ہے بلکہ ملتِ اسلامیہ سے خارج ہے۔ ایسا خیال وہی شخص کرے گا جو جاہل ہو اور اس کو اپنے جہل کی خبر نہ ہو یا زندیق ہو کہ اس کا مقصد شطرِ دین کا ابطال ہو۔ (مکتوب ۵۵ دفتر دوم)

آپ نے نہ صرف یہ کہ فقہِ حنفی کی تائید ونصرت میں اپنا زورِ علم وقلم صرف فرمایا بلکہ حیثیتِ مجموعی آپ نے دیگر سنی مذاہبِ فقہ کی حقانیت کو واضح کر کے دراصل فقہِ اسلامی کو تقویت پہنچانے کا فریضہ انجام دیا آپ فرماتے ہیں :۔

"...... اسلام کی جو خدمت ائمہ دین نے کی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ ان حضرات نے

marfat.com

لت مرحومہ کے واسطے ابواب یسر کھولے ہیں۔ ان کا وجود مسلمانوں کے واسطے سراسر رحمت ہے حضرتِ امام شافعی کا ارشاد ہے ان اللہ لا یعذب علی قول اختلف فیہ العلماء یعنی ائمہ مجتہدین میں سے ہر ایک کا قول اختلافِ رائے کے باوجود عذابِ الٰہی سے بچانے کا ذریعہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ ائمہ مجتہدین اہلِ ذکر صاحبِ علم اور فقہائے امت ہیں۔ ان کا قول ہم لاعلموں کے لئے حجت وبرہان اور رحمت ہے۔ (مکتوب ۵۵ دفتر دوم)

حضرتِ مجدد متصلب حنفی ہونے کے باوجود عملاً دیگر ائمہ فقہ کی بعض مسائل میں رعایت فرماتے ہیں اور بعض معاملات میں عمل بر جمعِ اقوالِ ائمہ کے قائل ہیں شاید اس سے آپ کا مقصود شریعتِ مطہرہ پر کامل طور پر عمل کی تحریص وترغیب ہو یا ان ائمہ کرام کو بھی اپنے عمل سے ثواب میں شریک کرنا مطلوب ہو' یا دیگر مذاہبِ حقہ کی عملی تائید پیشِ نظر ہو۔ بہرکیف آپ فرماتے ہیں :۔

حتی الامکان اقوالِ مجتہدین کے جمع کرنے میں پوری کوشش کرنی چاہیے تاکہ متفق علیہ قول پر عمل واقع ہو مثلاً امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ وضو میں نیت کرنا فرض قرار دیتے ہیں تو چاہیے کہ بے نیت وضو نہ کرے' اسی طرح امامِ شافعی رحمۃ اللہ علیہ وضو میں ترتیب اور پے در پے دھونے کو لازم جانتے ہیں تو چاہیے کہ ترتیب اور پے در پے کا خیال رکھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اعضاء دھوتے وقت ان کو ملنا فرض قرار دیتے ہیں تو چاہیے کہ یہ بھی اعضاء کو مل کر دھوئے۔ (حصہ پنجم ص ۸۸)

طالبانِ علومِ شریعت سے آپ بے حد محبت فرماتے تھے اور ان کے بارے نہایت خوش خیال تھے' شیخ فرید کے نام اپنے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :۔

...... طالبِ علموں کو مقدم کرنے میں شریعت کی ترویج ہے یہی لوگ شریعت کے حامل ہیں۔ ملت مصطفویہ علیہ وآلہ الصلوت والتسلیمات ان ہی سے قائم ہے۔ کل قیامت کو شریعت کے بارے میں سوال کریں گے تو تصوف کے بارے میں نہیں پوچھیں گے۔ جنت میں داخلہ اور دوزخ سے بچنا شریعت پر عمل سے ہوگا۔ کوئی شخص یہ سوال نہ کرے کہ غیر حق تعالیٰ میں گرفتار طالبِ علم اس صوفی سے بہتر کیسے ہو سکتا ہے جو غیر حق کی گرفتاری سے آزاد ہو چکا ہے' کیونکہ ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ سائل بات کی تہ تک نہیں پہنچا۔ طالب علم غیر حق میں گرفتاری کے باوجود مخلوقات کی

marfat.com

نجات کا سبب اور ذریعہ ہے کیونکہ احکام شریعت کی تبلیغ اسے میسر ہے اگرچہ خود اس سے کچھ نہیں اٹھا رہا۔ اور صوفی اپنے آپ کو غیر حق سے آزاد کر لینے کے باوجود مخلوق کی نجات سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ وہ شخص جو بہت سے لوگوں کی نجات اور خلاصی کا سبب ہو اس کا اس شخص سے بہتر اور افضل ہونا واضح ہے جو صرف اپنی نجات کے سامان میں ہی مصروف ہو " (حصہ دوم ۴۶/۴۷)

حضرتِ مجدد شریعت کے معاملہ میں اصحابِ شریعت یعنی فقہاء کے اقوال کو اختیار کرنے اور انہی پر عمل پیرا ہونے کو شریعت پر صحیح عمل قرار دیتے ہیں ' اور خود ایک متبع شریعت صوفی ہونے کے باوجود شریعت کے معاملہ میں صوفیاء کی تقلید سے منع فرماتے ہیں امامِ ہمام ضیاء الدین شامی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہوئے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :۔

"...... صوفیاء کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ' یہاں تو امام ابو حنیفہ 'امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول معتبر ہے نہ کہ ابو بکر شبلی و حسن نوری رحمۃ اللہ علیہما کا۔ (حصہ ۴ ص ۱۸۶)

اب تک کی گفتگو حضرتِ مجدد کے فقہِ اسلامی کے حوالہ سے ان افکار و نظریات سے متعلق تھی جو ترویجِ فقہ ' و اشاعتِ حکمت کے سلسلہ میں ہیں۔ اب ذرا ایک نظر ان افکار و نظریات پر ڈالی جانی چاہئے جو بعض علمی مسائل کے عملی پہلو سے تعلق رکھتے ہیں۔

فقہ میں چند مسائل میں حضرتِ مجدد کا نقطہ نظر بظاہر عامۃ الناس کے عمل کے خلاف نظر آتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ اپنے موقف پر مضبوط دلائل کی بنیاد پر قائم ہیں اور بنظر انصاف دیکھا جائے تو آپ کا عمل عینِ حنفیت ہے :مثلاً رفع سبابہ در تشہد کے مسئلہ میں آپ عدمِ رفع کے قائل ہیں جبکہ فی زمانہ اکثر لوگوں کا عمل رفع ہی کا ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کی دلائل کو دیکھا جانا چاہئے 'آپ فرماتے ہیں :۔

"...... ہم کہتے ہیں کہ اگر جواز اور عدمِ جواز اور حلت و حرمت میں تعارض ہو تو ترجیح عدم جواز کو ہوتی ہے ......" اسی بناء پر آپ عدمِ رفعِ سبابہ در تشہد کے نظریہ پر قائم تھے۔

فقہ کا ایک اہم شعبہ قضاء ہے جس سے فقہِ اسلامی کے احکام عملاً نافذ ہوتے ہیں ' تنفیذِ احکامِ شرعیہ کے سلسلہ میں آپ نے قضا کے قیام اور شرعی عدالتوں کے ذریعہ عدل کی فراہمی کو یقینی بنانے کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے صدرِ جہاں کے نام ایک تحریر میں فرمایا :۔

marfat.com

٭...... اسلامی نشانوں میں سے ایک نشاں اسلامی شہروں میں قاضیوں کا تقرر ہے' جو گزشتہ زمانوں میں محو ہو گیا تھا۔ سرہند میں جو اہلِ اسلام کے بڑے شہروں میں سے ایک ہے کئی سال سے کوئی قاضی نہیں حاملِ رقیمہ ہذا قاضی یوسف کے باپ دادا جب سے سرہند آباد ہوئے ہیں قاضی ہوتے چلے آئے ہیں اگر بہتر سمجھیں تو اس عظیم الشان کام کو ان کے حوالہ کر دیں۔ (مکتوب ۱۹۵ حصہ سوم ص ۱۲۲)

آج کل سود سے متعلق حکومت وعدالت کی کارکردگی موضوع بحثِ عوام وخواص ہے' قیامِ پاکستان سے لیکر اب تک حضرت مجدد کے ماننے والوں کے اس ملک میں غیر سودی نظام کے نفاذ کو قصداً پسِ پشت ڈالا گیا ہے' جبکہ یہ بات ادلہ قطعیہ سے ثابت ہے کہ سود حرام ہے' خواہ وہ تجارتی ہو یا انفرادی ہمارے مرشد ورہنما حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ ملا مظفر کے ایک خط کے جواب میں فرماتے ہیں :۔

٭...... شریعت میں ہر ایسا عقد جس میں زیادتی کی شرط ہو ربوا اور سود ہے لہذا اس طرح کا سودی قرضہ بھی حرام قرار پائے گا اور جو چیز بذریعہ حرام حاصل کی جائے وہ بھی حرام ہوتی ہے ۔ (مکتوب ۱۰۲ حصہ دوم ص ۱۵۰)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سودی قرضہ اگر مجبوراً لینا پڑ جائے تو یہ جائز ہونا چاہئے' حضرتِ مجدد فرماتے ہیں :۔ باقی رہی محتاجی کی صورت تو میرے مخدوم سود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے جو محتاج وغیر محتاج سب کو شامل ہے محتاج کو اس حکم قطعی سے خارج اور مستثنیٰ قرار دینا حکم قطعی کو منسوخ کرنا ہے۔ نیز اگر محتاج سے عام محتاج مراد لیا جائے تو پھر ربوا کی حرمت کے لئے کوئی موقع اور محل باقی نہیں رہے گا۔ (مکتوب ۱۰۲ حصہ دوم ص ۱۵۱)

سونا چاندی انسانی ضرورت ہے مگر اس کا وہی استعمال جائز ہے جسے شارع نے جائز رکھا کوئی شخص اپنی مرضی سے کسی بھی چیز میں جواز یا عدمِ جواز کا حکم نہیں لگا سکتا حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ سے سونے چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس کے استعمال کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا :۔

٭...... سونا چاندی اور ریشمی لباس وغیرہ جنہیں شریعت نے حرام قرار دیا ہے ان کے استعمال سے پرہیز لازمی ہے۔ سونے چاندی کے برتنوں کو زینت وآرائش کے طور پر اگر رکھیں تو

marfat.com

قدرے گنجائش ہے لیکن ان کا استعمال قطعاً حرام ہے ۔ حتی کہ ان میں کھانا پینا خوشبو ڈالنا سرمہ۔ان منانا سب منع ہے۔(مکتوب ۱۶۳ حصہ سوم ص ۷۴)

غیر مسلم اقوام سے تعلقات اور مسلم حکومت کی ذمہ داریوں کے حوالہ سے حضرتِ مجدد کا فقہی نظریہ یہ تھا کہ "...... خدا اور رسولِ خدا کے ان دشمنوں سے میل جول اور انس و محبت بہت بڑی تقصیروں میں شامل ہے۔ ان دشمنوں کے ساتھ دوستی اور انس کا کم از کم نقصان یہ ہے کہ احکامِ شرعی کے اجراء کی قدرت اور کفر کے نشانات اکھاڑنے کی قوت مغلوب اور کمزور ہو جاتی ہے اور ان سے تعلق دوستی کا حیا اس میں مانع ہو جاتا ہے۔ اور یہ بہت بڑا ضرر و نقصان ہے۔ دشمنانِ خدا سے دوستی و الفت خدا تعالیٰ کے ساتھ دشمنی کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ اور اس کے پیغمبر کے ساتھ دشمنی پیدا ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔

ہندوستان میں جب غیر مسلموں سے جزیہ کی وصولی ترک کی گئی تو حضرتِ مجدد اس خالص فقہی و شرعی امر پر خاموش نہ رہ سکے اور آپ نے اپنا موقف بلا خوفِ لومۃ لائم ان الفاظ میں پیش کیا :۔

"...... بادشاہوں کو یہ کیا حق حاصل ہے کہ جزیہ روک لیں' ہندوستان میں اہل کفر سے جزیہ کا موقوف ہونا ان علاقوں کے سلاطین و حکمرانوں کے ساتھ دوستی کی شومی کے باعث ہے ان سے جزیہ لینے کا اصل مقصد ان کی ذلت و خواری ہے اور یہ ذلت و خواری اس حد تک ہے کہ جزیہ کے خوف سے اچھے کپڑے نہیں پہن سکتے اور اپنا ٹھاؤ سنگھار نہیں کر سکتے اور ان کے اموال لے لینے کے خوف سے ہمیشہ ڈرتے اور لرزتے رہتے ہیں۔ بادشاہوں کو یہ کیا حق حاصل ہے کہ جزیہ روک لیں اللہ تعالیٰ نے جزیہ وضع ہی ان کافروں کی ذلت و خواری کے لئے کیا ہے مقصود ان کی رسوائی اور اہل اسلام کی عزت اور غلبہ ہے......" (مکتوب ۱۶۳ حصہ سوم ص ۷۳)

امریکہ آج ایک متقی مسلم صرف لرزاں ہے وہ اسے دہشت گرد کہتا ہے اور مسلم ریاستیں اپنے اپنے ملکوں میں ایسے متقی مسلموں کو دہشت گرد قرار دیکر پابندِ سلاسل کرنے میں کمال دکھا رہی ہیں۔ اور تو اور اب تو ان کارخانوں اور فیکٹریوں کو بند کرنے کے درپے ہیں جن میں یہ متقی مسلم اور مجاد فی سبیل اللہ تیار ہوتے ہیں' اور ان پر پابندیوں کے جواز تلاش کئے جا رہے ہیں حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا :۔

marfat.com

"...... جہود ہر کہ شود کشتہ سود اسلام است یعنی جو غیر مسلم بھی قتل ہو اس میں اسلام کا نفع ہے۔ دولت اسلام کے حصول کی علامت اہل کفر کے ساتھ بغض و عناد رکھنا ہے اللہ تعالی نے اپنے کلام مجید میں ان کو نجس و ناپاک کہا ہے پس اہلِ اسلام کی نظر میں بھی اہلِ کفر نجس و پلید ہی ہونے چاہئیں۔ ان سے مشورے لینا اور پھر ان کے مطابق عمل کرنا ان دشمنوں کا کمال اعزاز ہے جو سراسر منع ہے۔ (مکتوب ۱۶۳ حصہ سوم ص ۷۳)

حضرتِ مجدد بدعات و فضول مباحات کے سخت خلاف تھے آپ کے مکتوباتِ طیبات کے مطالعہ سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آپ بدعات و منکرات کے خلاف تلوار برہنہ لئے برسرِ پیکار ہیں نمازِ تہجد کی جماعت اور دیگر نوافل کی جماعت بالتداعی کے آپ سخت خلاف ہیں اور یہی حقیقتاً مذہب احناف ہے۔ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں کتبِ اصول کے حوالہ جات سے اسے بدعت ثابت کیا ہے اور والیانِ اسلام و قاضیانِ ملت سے پر زور اپیل کی ہے کہ وہ بدعات کے خاتمہ کے لئے اپنا اثر و رسوخ استعمال کریں۔ حضرتِ مجدد کی بدعات کے خلاف تحریک کے پیشِ نظر کبھی کبھی یہ خیال آتا ہے کہ کاش آج حضرتِ مجدد ہمارے درمیان ہوتے تو جس طرح آپ نے اپنے دور میں نوافل کی جماعت بالتداعی کو سختی سے منع فرمایا ایسے ہی بعض لاہوریوں کے ایجاد کردہ اعتکافِ بالتداعی اور بعض دیگر نام نہاد سنیوں کے ایجاد کردہ الوانِ عمائم و ولائم بالتداعی' اور محافل النعت طوال اللیل جیسی بدعات کا قلع قمع فرماتے۔ خدا کرے حضرتِ شیخ کے سلسلہ کا کوئی درویش اٹھے اور ان فضول مباحات کے خلاف کمربستہ ہو کر ان کا خاتمہ کر سکے۔ کیونکہ آپ فضول مباحات کے خلاف تھے' بد قسمتی سے آج ہمارے دور میں مباحات کے دائرہ کو وسعت دے کر بعض امورِ مباحہ کو سنت و واجب کے درجہ میں کر دیا گیا ہے۔ حضرتِ مجدد اس صورتحال کا ادراک فرماتے ہوئے ہماری رہنمائی کے لئے پہلے ہی فضول مباحات سے خبردار فرما گئے ہیں۔

اگرچہ ایک عام آدمی کو یہ بات عجیب لگتی ہے کہ کوئی کام مباح بھی ہو اور فضول بھی مگر یہ حقیقت ہے کہ ایسے بہت سے امور فی زمانہ بکثرت ہونے لگے ہیں جو مباح تو ہیں مگر فضول۔ آپ نے ایسے مباحات سے اجتناب کی تاکید فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں :۔

"...... فضول مباحات سے اجتناب کیا جائے اور مباحات میں سے بقدرِ ضرورت پر کفایت کی جائے کیونکہ ارتکابِ مباحات میں باگ کا ڈھیلا کرنا مشتبہ امور کے ارتکاب تک پہنچا دیتا ہے اور

marfat.com

مشتبہ سے تجاوز کر کے انسان حرام تک جا پہنچتا ہے۔بقدرِ ضرورت مباح بھی اسی وقت مثمر نتائج لاتا ہے جبکہ بندگی کی نیت سے ہو ورنہ بقدرِ ضرورت مقدار بھی وبالِ جان ہے۔(حصہ سوم ص ۱۰۰)

آپ فرائض و واجبات پر حد درجہ زور دیتے ہیں اور ایسے مباحات جن سے کوئی فرض یا واجب ترک ہوتا ہو کو فضول قرار دیتے ہیں آپ فرماتے ہیں :۔"......انصاف کرنا چاہئے کہ اگر ایک مباح کا ارتکاب بہت سے واجب امور کے فوت ہو جانے کا باعث بنتا ہو وہ حدِ جواز سے خارج ہو جائے گا یہ نہیں ،یعنی ضرور خارج ہو جائے گا......" (حصہ دوم ص ۸۱)

حضرتِ مجددالفِ ثانی قدس اللہ سرہ العزیز کے فقہی افکار و نظریات کے حوالہ سے جو باتیں میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیں ، یہ صرف چند امثلہ ہیں ورنہ نمازِ جمعہ و جماعت ، محافلِ غنا و سرود ،معاملاتِ بیع و سود اور دیگر متعدد فقہی معاملات میں حضرتِ مجدد خاص نظریہ و فکر کے مالک ہیں جس کی تفصیلات مزید وقت کی کمی کے پیشِ نظر اس نشست میں بیان نہیں کی جاسکتیں

خلاصۃ البحث : حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی افکار و نظریات حضرتِ امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فقہی افکار و نظریات کے حقیقی ترجمان ہیں۔ آپ نے ہندوستان کے الحاد و بے دینی کے دور میں جس طرح دین کو زندہ کیا ہے اسی طرح فقہِ حنفی کو حیاتِ نو بخشی ہے اور یوں آپ اپنے عصر کے محی الدین ہونے کے علاوہ محی الفقہ والحکمۃ بھی ہیں۔

اللہ رب العزت ہمیں حضرتِ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے افکار سے اپنی فکر کے زاویوں کو درست کرنے اور اپنے عمل کو حضرتِ شیخ کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

marfat.com

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

اور مولانا فضلِ حق چشتی خیرآبادی

نوٹ: یہ مضمون بین المدارس مقابلۂ تحریر کے لئے ۱۹۷۹ء میں زمانہ طالب علمی میں لکھا گیا جسے بعد ازاں ماہنامہ آگہی کراچی نے اپریل ۱۹۹۲ء میں شائع کیا۔

انیسویں صدی کے اوائل میں اگر مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی حالت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس دور میں مسلمان انتہائی پستی کا شکار ہو گئے تھے، اور اس کی کئی وجوہات تھیں، جن میں سے ان کا دیرینہ اقتدار ان کے ہاتھوں سے نکل جانے کے علاوہ، عیسائی پادریوں کی ذلت آمیز حرکتیں اور مسلمانوں کا ہندو رسم و رواج کو اپنا لینا وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

وقت کی نزاکت یہ بتا رہی تھی کہ اس بات کے قوی امکانات ہیں کہ مسلمان سیاسی طور پر بالکل منتشر ہو جائیں اور اپنے دین کو کھو بیٹھیں گے، کہ چند مردانِ حق شناس میدان میں آئے اور انہوں نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو راہِ راست پر لانے اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی کرنے کا کام شروع کیا، انہی مردانِ خدا میں ایک علامہ فضل حق خیرآبادی بھی تھے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی، ملت اسلامیہ کو قعر مذلت میں گرنے سے بچانے کے لئے صرف کر دی۔

علامہ فضل حق خیرآبادی نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں عملی حصہ لے کر اسوۂ رسول کی پیروی کی اور آنے والوں کے لئے یہ مثال قائم کر دی کہ مردانِ خدا ضرورت پڑنے پر

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری

کی عملی تصویر بن جایا کرتے ہیں۔

marfat.com

جنگ آزادی میں علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے کردار اور ان کے عملی حصہ کا ذکر کرنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ محاربۂ عظیمہ ۱۸۵۷ء، جسے، جنگ، غدر، معرکہ یا محاربہ کہا گیا، کا ایک تحقیقی جائزہ لیا جائے، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کن وجوہات کی بناء پر علماءِ حق اور پیشوایانِ قوم سربکف ہوکر میدان میں آ گئے تھے۔

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حالاتِ جنگ سے پہلے، یہ معلوم کیا جائے کہ:

۱۔ جنگ (۱۸۵۷ء) کیا تھی؟

۲۔ اس کے اسباب وعوارض کیا تھے؟

۳۔ اور اس کے پس منظر میں کیا اغراض و مقاصد تھے۔

علامہ فضلِ حق خیر آبادی جیسی نباض فطرت شخصیت کا ایسے اہم میدان میں اتر آنا، اور تن من دھن کی بازی لگا دینا محض اتفاقی حادثہ یا معمولی بات نہیں، بلکہ لازماً اس کا کچھ پس منظر ہے اور اس پس منظر میں نظر آنے والی تحریک کے کچھ بنیادی تقاضے بھی ہوں گے کہ جن کے پیش نظر، علامہ ایسی نابغہ روزگار ہستی نے اپنی جان تک داؤ پر لگا دی، اور پھر صرف خود ہی میدان میں نہیں اترے بلکہ اپنے ہمعصر اور ہم مشرب علماء و مشائخ کو بھی میدانِ کارزار میں لا کھڑا کیا۔

اگر اس تحریک، جنگ، یا معرکہ کے اسباب پر ایک سرسری سی نظر بھی ڈالی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ جنگ کے اسباب خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں، وقت کی عظیم شخصیات کا کفن بردوش ہو کر، مدارس و خانقاہوں سے میدان جہاد میں نکل آنا، اس بات کی بین دلیل ہے کہ تحریک یا جنگ کی ضرورت بہرحال تھی، اور جب ضرورت متحقق ہو گئی تو اس کے اسباب کا ہونا بھی ناگزیر ہے۔ کیونکہ یہ قانونِ فطرت ہے کہ قوم کے بزرگ جب بھی کبھی میدان میں اترے تو کسی خاص مقصد، اور سبب کی بناء پر اترے اور انہوں نے قانونِ قدرت "لا تسفکو الدماء" کو کبھی نہیں توڑا، بلکہ ہمیشہ امن و آشتی کا پیغام دیا اور اللہ کی سرزمین پر ہمیشہ عدل و انصاف قائم کرنے والوں کا ساتھ دیا، اور ظلم و بربریت پھیلانے والوں کے

marfat.com

خلاف ہمیشہ علم جہاد بلند کیا۔"

یہی وجہ تھی کہ ۱۸۵۷ء میں جب فسق و فجور کی آندھیوں نے پورے ہندوستان کو اپنی لپیٹ میں لینا چاہا، ہر طرف ظلم کے سائے منڈلانے لگے اور دہشت و بربریت کے بادل چھانے لگے تو حق، علامہ فضلِ حق کی صورت میں میدان میں نمودار ہوا۔

غدر یا جنگ؟؟

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو بعض مؤرخین نے معرکہ کا نام دیا۔ بعض نے اسے محاربۂ عظیمہ کہا اور فرنگیوں کی نظر میں یہ بغاوت اور غدر قرار پایا۔ (چونکہ اس تحریک سے انگریزی عملداری کے خلاف نفرت اور برطانوی حکام کے احکامات سے بغاوت ہی کو فروغ حاصل ہوا۔ اس لئے برطانوی سامراج نے اسے بغاوت اور غدر کہا)۔"

غدر یا جنگِ آزادی، ہماری سیاسی تاریخ میں ایک نیا موڑ ہے، یہ صحیح ہے کہ یہ جنگ آج کل کی طرح منظم طریقہ پر نہیں لڑی گئی۔ اور نہ صرف یہ کہ بعض طبقوں نے اس میں نہ صرف شرکت سے گریز کیا بلکہ انگریزوں کا دل کھول کر ساتھ دیا، لیکن اس کے باوجود، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ ہندوستان میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے پہلی تاریخی جنگ تھی جو ہندوستانی فوجیوں اور عوام نے انگریزوں کے خلاف لڑی۔

۱۸۵۷ء ہندوستان کی تاریخ میں اس اعتبار سے ایک اہم مقام رکھتا ہے کہ اس تاریخی موقع پر نہ صرف عوام نے بلکہ فوجی سپاہ نے بھی انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔

یہ جنگ غیر ملکی اقتدار کے خلاف ایک ابتدائی معرکہ بھی تھی اور ایک منزل بھی، اس سے قبل ہندوستان میں اتنے وسیع پیمانے پر انگریزوں کے خلاف شورش نہیں ہوئی۔

انگریزوں کے خلاف لڑی جانے والی اس جنگ کو اگرچہ انگریزوں نے غدر اور بغاوت کہا تاہم اس بات کے بعد میں وہ خود بھی معترف ہوئے کہ یہ کوئی معمولی نوعیت کی بغاوت نہیں تھی۔

marfat.com

انگریزوں کے، تحریک آزادی کو غدر اور بغاوت کہنے کا نتیجہ اور اثر یہ ہوا کہ ہر طرف غدر ہی کے نام سے شہرہ ہوا۔ اور اپنے بھی ایک عرصہ تک اسے غدر ہی کہتے رہے۔ نصف صدی سے زائد عرصہ اسی حالت میں گزر گیا کہ جو حقیقت شناس تھے اور اس الزام (غدر) کی تردید کر سکتے تھے وہ بھی صلاحیت کے باوجود خاموش تماشائی بنے رہے اور تردید کا ایک کلمہ بھی اپنے منہ سے نہ نکالا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عرصہ میں جنم لینے اور پرورش پانے والے دماغوں کے تصورات میں یہ غلط الزام حقیقت بننے لگا اور وہ اسے غدر ہی سمجھنے لگے۔

لیکن قانونِ قدرت اٹل ہے، حقیقت چھپائے نہیں چھپا کرتی۔ چنانچہ ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد اس حقیقت کا نہ صرف اپنوں بلکہ غیروں نے بھی اعتراف کیا کہ یہ تحریک، عام غدر نہیں، معمولی شورش نہیں۔ بلکہ آزادی کے لئے لڑی جانے والی باقاعدہ پہلی زبردست جنگ تھی۔ بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ، تحریک آزادی میں مسلمان ایسے ہی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں نہیں آ گئے تھے، بلکہ حالات نے انہیں اس پر مجبور کر دیا تھا، ورنہ نہ تو وہ خون ریزی کرنے کے حق میں تھے اور نہ ہی کسی معمولی نوعیت کے معاملہ پر لڑ مرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اہل ہندوستان اور بالخصوص مسلمانانِ ہند کی یہ جنگ ناحق نہ تھی۔

جنگ آزادی خود انگریزوں کی نظر میں:

جنگ آزادی پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک انگریز مستشرق مسٹر لیکی لکھتا ہے:

> ''اگر دنیا میں کوئی بغاوت حق بجانب کہی جا سکتی ہے تو وہ ہندوستان کے مسلمانوں کی بغاوت تھی۔'' (۱)

اسی طرح وزیر اعظم انگلستان ڈرزائیلی نے جولائی ۱۸۵۷ء میں کہا تھا:

> ''مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ محض قومی تکلیف کی بناء پر یہ بغاوت نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہ در پردہ ملک کی عام سیاسی بے چینی کی حمایت میں اٹھے تھے۔'' (۲)

ایک اور انگریز مؤرخ مجینڈی لکھتا ہے:

marfat.com

''جن کو ہم نے گرفتار کیا تھا ان میں سے بہت سے تو ایسے تھے جو اسی وقت ختم ہو گئے لیکن آخر وقت تک ان کے چہروں سے شجاعت اور ضبط کے آثار ہویدا تھے، جو اس سے کسی بڑے مقصد کے شایانِ شان علامات تھیں۔''

جنگ آزادی کی اہمیت بیان کرتے ہوئے آر سی مجمدار نے لکھا:

''۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی یقیناً ہندوستان میں برطانوی راج کے خلاف تاریخ میں پہلا سب سے بڑا اور وسیع پیمانے پر چیلنج تصور کی جائے گی، اس جدوجہد نے بے شک اس قوی تحریک آزادی کو ابھارا جو نصف صدی بعد شروع ہوئی۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت نے آئندہ تحریکوں کو حرکت دی اور اس میں حصہ لینے والوں کو ہمت عطا کی، بغاوت ۱۸۵۷ء کی یاد نے شاید انگریزی راج کو بنسبت بغاوت کے زیادہ نقصان پہنچایا۔'' (۳)

یہ تو تھیں جنگ آزادی کے سلسلہ میں آراء اور جنگ کے غدر، بغاوت، تحریک یا محاربہ عظیمہ ہونے کی بات، ان تمام تحریرات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ ''انگریز بھی اس جنگ کو ایک باقاعدہ تحریک اور جنگ تسلیم کرتے تھے۔

اب یہ دیکھا ہوگا کہ اس جنگ کا پس منظر اور اس کے اسباب کیا تھے۔

جنگ کا پس منظر اور اسباب:

جنگ آزادی کا پس منظر اور اسباب معلوم کرنے کے لئے ہمیں اپنی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ پر ایک نظر ڈالنا ہوگی اور آج سے ڈیڑھ صدی قبل کے حالات کو سامنے لانا ہوگا۔ جب ہم تاریخ کے ان قدیم ابواب پر نظر ڈالیں گے تو ہمیں معلوم ہوگا کہ جنگ آزادی کی کڑیاں جنگ پلاسی ۱۷۵۷ء سے ملی ہوئی ہیں۔ اور جنگ کی ابتداء دراصل اسی روز ہو گئی تھی جس روز ایسٹ انڈیا کمپنی نے سرزمین ہند پر پہلا قدم رکھا تھا۔

marfat.com

تاریخ شاہد ہے کہ باہر سے آنے والی قومیں، خواہ وہ امن و سلامتی سے کسی ملک میں داخل ہوں یا حملہ آور کی صورت میں، اس وقت تک واپس لوٹا نہیں کرتیں جب تک وہ اپنے اصل مقاصد حاصل نہ کرلیں۔ ان کے پیش نظر صرف علاقہ فتح کرنا نہیں یا کسی ملک کو زیرنگیں کرنا ہی نہیں بلکہ علاقہ کے لوگوں کے دین و مذہب، تہذیب وثقافت اور جذبۂ حریت کو ختم کر کے اپنے قوانین نافذ کرنا ہوتا ہے، اور جب یہ چیزیں ختم کرنے میں وہ کامیاب ہو جاتی ہیں تو پھر وہ اسی قوم کو آپس میں لڑا کر اور اس قوم کے لیڈروں کو باہم دست وگریباں کر کے خود سکون و اطمینان سے عرصہ تک ان پر حکومت کرتی رہتی ہیں۔ ہندوستان کا بھی یہی حال ہوا اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۷۵۷ء میں جو بیج بوئے تھے ٹھیک ایک سو سال بعد انہیں اس کا پھل ملا اور انگریز جو تاجرانہ لباس میں امن وامان کے ساتھ ہندوستان میں وارد ہوئے تھے، انہوں نے بڑے آرام سے ہمارے قلوب واذہان کو خریدا اور مسلمانوں کو میٹھی چھری سے ذبح کرتے رہے تاآنکہ نوبت مزاحمت وقتل و غارت تک پہنچی اور اس طرح وہ اپنے عظیم مقصد میں کامیاب ہوئے۔ کمپنی والوں کو ہندوستان فتح کرنے میں اگرچہ کچھ مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا لیکن یہ مزاحمت اتنی زیادہ نہ تھی، کیونکہ وہ تو پہلے ہی بہت سے لوگوں کو خرید چکے تھے اور جو ان کے ہاتھ نہ آسکے ان کو باہم دست وگریباں کر دیا اور اس طرح خود اہل ہند کو بعض کو بعض کے ساتھ لڑا کر کامیاب ہوئے۔

ایک انگریز مؤرخہ مسز اینی بینٹ نے لکھا ہے:

> ''کمپنی والوں کی جنگ سپاہیوں کی جنگ نہ تھی بلکہ تاجروں کی جنگ تھی، ہندوستان کو انگلستان نے اپنی تلوار سے نہیں بلکہ خود ہندوستانیوں کی تلوار سے فتح کیا، اور رشوت سازش اور دورخی پالیسی پر عمل پیرا ہو کر ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے لڑا کر اس نے یہ ملک حاصل کرلیا۔'' (۴)

ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں وارد ہونے کے ساتھ ہی اپنا ''اصل کاروبار''

marfat.com

شروع کر دیا تھا اور وہ تھا مسلمان حکمرانوں یا ان حکمرانوں کے قابل اعتماد درباریوں اور رفقاء کو خرید کر اپنا ہمنوا بنانا۔ چنانچہ اس کام میں مکار فرنگی اپنی شاطرانہ چالوں اور مکاری و عیاری کی بناء پر سادہ لوح مسلمان حکمرانوں تک رسائی حاصل کرنے اور ان کو بے وقوف بنانے میں بہت جلد کامیاب ہوئے اور نوبت بایں جا رسید کہ ۱۷۶۵ء میں بہار اڑیسہ اور بنگال کی دیوانی کا فرمان انگریزوں نے شاہ عالم سے حاصل کر لیا اور ۱۸۰۶ء میں وہ حکومت پر اس قدر حاوی ہو چکے تھے کہ اکبر شاہ ثانی کی حکمرانی فقط محل کی چار دیواری تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اور انگریز پورے ملک کا بااختیار حکمران تھا۔ انگریزوں کی دیدہ دلیری کا عالم یہ تھا کہ وہ دلی کی شاہجہانی مسجد کو گرجے میں تبدیل کرنے کے مشورے منظور کرنے لگے، لیکن ایسے مواقع پر حسبِ دستور علماء حق نے اپنا فرض ادا کیا اور انگریزوں کو اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل سے باز رکھا۔

بہادر شاہ ظفر کے دور میں جب پادریوں نے اپنے انگریز آقاؤں کی شہ پر اسلام کے خلاف فتوے دینا شروع کئے تو علماءِ حقہ علامہ رحمۃ اللہ کیرانویؒ کے روپ میں سامنے آئے اور پادریوں سے مناظرے کر کے انہیں زبردست شکست دی۔

یہ وہ بنیادی باتیں تھیں جو جنگ آزادی یا تحریک حریت کے پس منظر میں شمار کی جا سکتی ہیں اور اب تحریک آزادی کے اسباب پر ایک نظر تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اس تحریک کے بڑے بڑے اسباب کیا تھے جن کی وجہ سے ہزاروں رہنمایانِ قوم نے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ ان اسباب کو اگر اجمالاً درج کیا جائے تو یہ مندرجہ ذیل چند اہم اسباب قرار پائیں گے۔

۱۔ مغل بادشاہوں کی توہین، اور عدمِ توقیر کے احکامات۔

۲۔ عیسائیت کا زور۔ اور اسلام پر عیسائیت کے حملے۔

۳۔ کالے قوانین کا اجراء۔

۴۔ سور کی چربی والے کارتوس۔

۵۔ مقامی فوجیوں سے ناروا سلوک۔

۶۔ مقامی ریاستوں کے حقوق پر قدغن۔

marfat.com

۷۔ عیسائی مشنری اسکولوں اور تبلیغی مراکز کا قیام۔

۸۔ مسلمانوں کے بچوں کے مشنری اسکولوں میں زبردستی داخلے۔

۹۔ مقامی باشندوں کے مقدمات کے لئے الگ عدالتیں اور قوانین۔

۱۰۔ مسلمانوں پر اعلیٰ ملازمتوں اور ترقیوں کے دروازے بند۔

یہ وہ چند اہم اسباب ہیں جنہیں ۱۸۵۷ء کی تاریخ لکھنے والوں نے صحیح قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں ایک انگریز مؤرخ نے اپنی کتاب ''Red Year'' میں ان اسباب کے علاوہ ایک سبب مدراس میں چپاتیوں کی تقسیم کو بھی قرار دیا ہے، جبکہ سر سید احمد خان نے اپنے رسالہ اسباب بغاوتِ ہند میں اس سبب کو بے بنیاد قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''اس زمانے میں تمام ہندوستان میں ایک وبا پھیلی ہوئی تھی اور خیال میں آتا ہے کہ اس کو رفع کرنے کیلئے بطورِ ٹوٹکہ، چپاتیاں تقسیم کرنے کا یہ کام ہوا، ورنہ اسباب جنگ سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔'' (۵)

علاوہ ازیں، بنگالی مصنف بابو رومیش چندر نے اسبابِ جنگ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''ڈلہوزی کے عہد میں ہندوستان کے بڑے بڑے حصوں کو یکے بعد دیگرے ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات میں شامل کئے جانے کی وجہ سے ہندوستانیوں کے دلوں میں یہ شبہات پیدا ہو گئے تھے کہ کمپنی کا منشاء و مقصد پورے ہندوستان کو فتح کر لینا ہے۔
>
> بغاوت کے رہنماؤں نے اشتہارات اور اعلانات کے ذریعہ لوگوں کو غیر ملکی قوم یعنی انگریزوں کی بدعہدی اور ہوسِ ملک گیری کی پالیسی کی طرف توجہ دلائی۔'' (٦)

سر سید احمد خان نے اپنی کتاب رسالہ اسباب بغاوتِ ہند میں اسباب بغاوت کے سلسلہ میں جو رائے قائم کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

marfat.com

"اصل سبب اس فساد کا میں تو ایک ہی سمجھتا ہوں، باقی جس قدر ہے
وہ سب اس کی شاخیں ہیں اور یہ سمجھ میری کچھ وہمی اور قیاسی ہی نہیں
ہے بلکہ اگلے زمانے کے بہت سے عقلمندوں کی رائے کا اس بات پر
اتفاق ہو چکا ہے کہ۔
لیجس لیٹف کی کونسل میں ہندوستانیوں کا شریک نہ ہونا ہی اصل سبب
فساد کا ہوا۔" (۷)

یہ سرسید کی اپنی ذاتی رائے ہے افسوس کہ سرسید جیسا روشن دماغ کہلانے والا شخص اس تحریک کو فساد کا نام دیتا ہے ورنہ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے تو اصل سبب اس تحریک کا انگریزوں کے مظالم سے تنگ آ کر اور ان کی بڑھتی ہوئی گرفت دیکھ کر انہیں ملک سے مار بھگانے کا ارادہ تھا، جس میں ہندوستان کے لوگ بعض وجوہات کی بناء پر کامیاب نہ ہو سکے، اس کا تفصیلی ذکر آگے ہو گا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی یہ جدوجہد معمولی نوعیت کی نہ تھی اور نہ ہی کسی فوری بے چینی کا نتیجہ تھی بلکہ یہ انگریزوں کی مسلسل زیادتیوں اور ظلم و بربریت کی انتہا کے خلاف ایک آواز تھی جو جذبۂ حریت سے سرشار ہو کر "ثورة حتى النصر" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے شروع کی گئی تھی۔

جنگ آزادی یا تحریک حریت ۱۸۵۷ء کے بارے میں اپنی رائے بیان کرتے ہوئے ایڈورڈ تھامسن نے اپنی کتاب "Rise and Fulfillment of British Rule in Indai" میں جو کچھ لکھا ہے، اسباب کے باب میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"ہندوستانی قوم کی دیوانگی ایسی بعید از قیاس نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آ
سکے کیونکہ مسلسل مصائب اور تکالیف اٹھاتے اٹھاتے اس کے صبر کا
پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی۔"

ارنسٹ جونس نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جذبۂ حریت سے سرشار ہندوستانی مسلمانوں کو سردھڑ کی بازی لگاتے ہوئے اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انگریزوں کا مقابلہ

marfat.com

کرتے ہوئے دیکھا تو اعترافِ حقیقت کے طور پر اس کی زبان وقلم سے بھی یہ الفاظ نکلے۔

"یہ عوامی جنگ ہے اور ہندوستان کی کسی بھی جنگ میں آج تک عوام کی اتنی کثیر تعداد نے حصہ نہیں لیا۔

لیکن ایک بات کا ہمیں یقین ہے کہ خواہ بغاوت دبا ہی دی جائے یا نہ دبائی جا سکے، تاہم یہ بات طے شدہ ہے کہ ہندوستان اب ہمارے ہاتھ سے نکل جانے کا یہ پیش خیمہ ہے۔" (ارنسٹ جونس)

اسبابِ جنگ آزادی کی تفصیل:

آیئے اب دیکھیں کہ اسباب بغاوت یا محرکاتِ جنگ آزادی کیا تھے اور ان کی تفصیل کیا تھی؟

۱۔ مغل بادشاہ ہندوستانی عوام میں صدیوں کی روایات کی بناء پر قابل عزت مانے جاتے تھے مگر انگریزوں کی اختیارات اور ان کی گرفت جوں جوں ہندوستان پر مضبوط ہوتی گئی، انہوں نے مسلمان مغل بادشاہوں کو ذلت وتحقیر کی نگاہ سے دیکھنا شروع کیا اور عوام کے سامنے بھی ان کی تحقیر کی اور ذلیل ورسوا کرنا شروع کر دیا۔

فطری طور پر اس گستاخانہ برتاؤ سے ان کی عزت مجروح ہوئی اور مغل شہنشاہوں کی عزت کرنے والے عوام کو اس سے صدمہ ہوا۔ چنانچہ شاہ عالم جب الہ آباد میں تھے تو کرنل اسمٹ نے ان سے نہایت توہین آمیز سلوک کیا اور قلعہ میں رہنے کی بھی ممانعت کر دی۔ پنج وقتہ نوبت بند کرا دی اور دیگر بے اعتدالیاں بھی کیں۔ (۸)

اس طرح جب لارڈ لیک نے مرہٹوں کو شکست دی اور مغل بادشاہوں کو پنشن خوار بنا دیا تو یہ پوشیدہ ذہنیت اور بھی رنگ لائی اور رفتہ رفتہ بادشاہ کی ذلت ورسوائی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھا گیا۔ انگریزی حکام مغل بادشاہ کی رسمی عزت واحترام اور آداب بجا لانے سے بھی گریز کرنے لگے اور بادشاہ کے خلاف سخت توہین آمیز الفاظ استعمال کرنا شروع کر دیئے، اس طرح عوام اپنے بادشاہوں کی توہین برداشت نہ کر سکنے کے باعث انگریزوں سے

marfat.com

بدل ہوگئی اور اس نے ایک تحریک کا روپ دھار لیا۔

۲۔ ہندوستانیوں کے مذاہب پر کھلم کھلا حملے کیے گئے، اور لوگوں کو زبردستی عیسائی بنانے کی مہم زور و شور سے شروع کی گئی۔ اس مقصد کے لئے انگلینڈ سے پادری منگوائے گئے اور جگہ جگہ مشنری اسکول اور عیسائی تبلیغی مراکز قائم کیے گئے۔ عیسائی پادری، انگریزی سپاہ کی نگرانی میں گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ جا کر عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگے اور سادہ لوح دیہاتیوں کو بہکا پھسلا کر عیسائی بنانے کی کوششیں کرنے لگے۔ اسلام اور دیگر مذاہب ہند کے خلاف بے شمار کتابیں تمام زبانوں میں شائع کروا کر مفت تقسیم کی گئیں اور دیہاتی بچوں کو مفت تعلیم کے بہانے مشنری اسکولوں میں داخل کرنا شروع کر دیا۔ ان حالات کو دیکھ کر مسلمان علماء میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے اس کا سدباب کرنے کے لئے اپنے وعظوں اور خطبوں میں عوام کو انگریزوں کی سازشوں سے آگاہ کیا اور ان کے خلاف آمادۂ پیکار ہونے پر عوام کو تیار کیا۔ علامہ رحمت اللہ کیرانوی ایسے جلیل القدر علماء نے عیسائی پادریوں سے مناظرے کیے اور عوام کے سامنے ان کے اکاذیب کی قلعی کھول کر رکھ دی۔

الغرض عیسائیوں سے جس قدر ہو سکا انہوں نے عوام کو عیسائی بنانے کے سلسلہ میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اپنے تمام سرکاری و غیر سرکاری ذرائع استعمال کر کے عیسائیت کی بھرپور تبلیغ شروع کر دی۔ ایک فرانسیسی عورت مسز ہورٹسٹ انگلیسی نے عیسائیوں کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی سرگزشت میں لکھا ہے کہ:

> ”انگلستان کا بڑا پادری یہ چاہتا تھا کہ ہندوستان کو دین مسیحی میں داخل کرے، جو لوگ خوشی سے اس کا دین قبول نہیں کرتے تھے ان سے سختی سے پیش آتا تھا اور عیسائیت اختیار کرنے پر مجبور کرتا تھا۔“ (۹)

عیسائیت کا پرچار صرف اسکولوں تک ہی محدود نہ تھا بلکہ جیل کے قیدیوں اور تمام سرکاری افسران کو بھی جیل میں عیسائیت کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی جاتی اور جیل میں

marfat.com

سب کو مشترکہ کھانا کھلایا جاتا۔ اگرچہ وہ کھانا کسی مذہب کے ماننے والے کے مذہب میں حرام ہی کیوں نہ ہو۔

انگریزوں نے ہندوستان کو مکمل عیسائی اسٹیٹ Full Christian State بنانے کی پوری پوری کوشش کی اور تمام حربے استعمال کیے۔

ایک انگریز مؤرخ اپنی کتاب ''Savarkar'' میں لکھتا ہے کہ انگریزوں کی یہ پوری کوشش تھی کہ دیگر تمام مذاہب کو ختم کر کے صرف عیسائیت کو فروغ دیا جائے اور اس کا یہ قول قابل ذکر ہے کہ:

''ہر ایک کو اپنی پوری طاقت لگا دینا چاہئے کہ ہندوستان کو عیسائی اسٹیٹ بنانے کے عظیم الشان کام میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔''

۳۔ انگریز حکمرانوں نے بعض ایسے قوانین رائج کیے جن کی رو سے عیسائی مذہب اختیار کرنے والوں کو زیادہ سے زیادہ مراعات ملتی تھیں اور انہیں دوسری قوموں سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔ مثلاً ۱۸۵۰ء کے قانونِ وراثت کی رو سے صرف عیسائی مذہب اختیار کرنے والوں کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ وراثت وترکہ کے مالک بن سکتے ہیں جبکہ عام لوگوں کو وراثت وترکہ سے محروم رکھا گیا تھا۔

ضبطی اراضیات کا قانون بنایا گیا جس کی رو سے بہت سے زمینداروں کو ان کی زمینوں سے محروم کر دیا گیا اور اس طرح ایک خاصی تعداد بیروزگاری کا شکار ہو کر رہ گئی۔

۴۔ مسلمانوں کا محکمہ قضاء ختم کر دیا گیا اور ان کے مقدمات بھی انگریزی عدالتوں میں پیش ہونے لگے جہاں سے ہمیشہ فیصلے ان کے خلاف ہی ہوا کرتے تھے۔ اور پھر عدالتوں کو دو قسموں پر تقسیم کر دیا گیا ایک وہ عدالتیں تھیں جن میں انگریزی فوجیوں یا انگریزوں کی فرمانبردار رعایا کے معاملات پیش ہوتے اور دوسری وہ کہ جہاں مظلوم ہندوستانیوں کے مقدمات کا فیصلہ سنایا جاتا۔ اس تفریق پر بھی اہل ہند کو سخت اعتراض تھا اور اس کی وجہ سے بھی لوگ انگریزوں سے سخت بددل ہوئے۔

marfat.com

۵۔ ہندوستانی فوج میں شامل ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ معاندانہ رویہ اختیار کیا جانے لگا اور ذرا ذرا سی غلطی پر سخت سے سخت سزائیں دی جانے لگیں۔ اس طرح بیمار ہونے والے ہندوستانی اور بالخصوص مسلمان فوجیوں کو اسپتال بھیجنے کی بجائے، گولی مار کر ختم کر دیا جاتا۔ جس کی وجہ سے فوجیوں میں سخت بے اعتمادی اور انگریزی حکام کے خلاف نفرت پیدا ہوئی۔

۶۔ انگریز اور ہندوستانی سپاہیوں کی تنخواہوں میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اور تنخواہوں میں اضافہ کرنے کے مطالبہ پر ان فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا۔ اور تمام مراعات سے محروم کر دیا جاتا جبکہ انگریزی فوجیوں کو زیادہ سے زیادہ مراعات دی جاتیں اور ان کے علاج معالجہ و دیگر ضروریات بھی پوری کی جاتی تھیں۔ اس معاندانہ رویہ نے بھی ہندوستانی فوجیوں کو انگریزوں کے خلاف بغاوت پر اکسایا۔

۷۔ ہندوستانی اور بالخصوص مسلمان سپاہیوں کو ایسے کارتوس دیئے گئے جن پر سور کی چربی لگی ہوئی تھی اور انہیں استعمال کرنے سے قبل دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا، جو کہ مسلمان سپاہیوں کے نزدیک حرام تھا، ایسے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کرنے والے فوجیوں کو سخت سزا دی جاتی اور انہیں باغی شمار کر کے گولی سے اڑا دیا جاتا۔ اس بات نے سب سے زیادہ بغاوت پر مجبور کیا۔

۸۔ من جملہ ان تمام اسباب کے ایک سبب یہ بھی تھا کہ مسلمان اور ہندوستان کی دیگر اقوام پر یہ بات آشکارا ہو چکی تھی کہ انگریز انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محکوم بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور یہ بات انہیں کسی طرح بھی گوارا نہ تھی کہ ایک غیر قوم باہر سے آ کر ان پر حکم چلائے۔

مذکورہ بالا اسباب کی بناء پر اہلِ ہند نے ظلم و بربریت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور ہر سطح پر بغاوت کر کے انگریزوں سے ٹکر لی۔ اس تحریک میں دیگر اقوام کی بنسبت مسلمان سب سے زیادہ پیش پیش تھے۔ کیونکہ مسلمان اپنی کئی سو سالہ حکومت کو ڈوبتے ہوئے اور

marfat.com

دوسری غیر مسلم قوم کو خود پر مسلط ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جنگ آزادی میں یوں تو ہر طبقہ اور ہر مکتبۂ فکر کے لوگوں نے تھوڑا بہت حصہ لیا لیکن جو لوگ اس میں نمایاں رہے ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی ۲۔ مولانا کفایت علی کافی

۳۔ مولانا عنایت حسین کاکوروی ۴۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی

۵۔ مولانا فضلِ حق خیرآبادی ۶۔ مولانا مفتی صدرالدین آزردہ۔ اور

۷۔ مولانا عبدالحق خیرآبادی وغیرہم۔

یہ جنگ اگرچہ کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی اور اس تحریک میں اندرونی انتشار کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی ہزیمت اٹھانا پڑی، تاہم اس کے نتائج اتنے دور رس ثابت ہوئے کہ اس نے ہندوستان کے مسلمانوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کر دی اور بالآخر انہیں ایک آزاد وطن حاصل کرنے پر متفق کر دیا۔

جنگ آزادی کی ناکامی کے اسباب:

جنگ آزادی کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان تقریباً دو صدیوں سے انتشار کا شکار ہو چکا تھا، سماجی زندگی کا توازن بگڑ چکا تھا اور اقتصادی اعتبار سے بادشاہ کا ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا۔ فوجی سخت مالی مشکلات کا شکار ہو کر انگریزی فوج کے ساتھ ملتے جا رہے تھے۔ عوام کی اکثریت بے روزگاری کی مصیبت میں گرفتار ہو کر موت کو زندگی پر ترجیح دے رہی تھی۔ جن علاقوں میں جنگ ہوئی وہاں کی پوری آبادی نے جنگ میں حصہ نہ لیا، ہندوستانی ریاستوں نے کھل کر ہندوستان کا ساتھ نہ دیا۔ اسلحہ کی کمی نے فوجیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اور .... بعض اندرونی سازشوں نے ایسے لوگ پیدا کر دیئے جو مسلمانوں کے تمام معاملات کی انگریزوں کو مخبری کرتے تھے، مسلمان ابھی پوری طرح سے جنگ کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے تھے کہ انگریزوں کو ان کی اس تیاری کا علم ہو گیا اور اس طرح بے شمار مسلمان دھر لئے گئے۔

marfat.com

بری و بحری حدود میں جہاں امن و امان تھا وہ علاقے انگریزوں کے قبضہ میں تھے، ہندوستانی نہتے تھے اور انگریز مسلسل انگلستان سے تازہ دم فوج لا کر مقابلہ کر رہے تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ملکی سرمایہ پر قبضہ کر کے ملک کو دیوالیہ کر دیا تھا۔

شاہ کے پاس اتنی دولت نہ تھی جس سے طویل عرصہ جنگ جاری رکھی جا سکے۔

انگریزوں نے ایک باقاعدہ سازش کے تحت ہندو اور مسلمانوں کو آپس میں لڑایا اور اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔

الغرض بے شمار داخلی و خارجی وجوہات کی بناء پر یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔ ہندوستان کے علماء نے جو بہادر شاہ ظفر کے قریبی تھے اپنی پوری کاوشیں اسلامی حکومت کو بچانے کے لئے وقف کر دیں۔ ان میں علامہ فضلِ حق خیرآبادی پیش پیش تھے۔ جو یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کی صدہا سالہ حکومت کا چراغ گل نہ ہونے پائے۔

علامہ فضل حقؒ اور جنگ آزادی میں ان کا کردار:

علامہ فضلِ حق خیرآبادی ان لوگوں میں سے تھے جو انگریزوں کے خلاف اس لئے لڑ رہے تھے کہ وہ ان کے دین کا دشمن ہے۔ علامہ نے اپنے اشعار میں ایک جگہ اس طرف اشارہ بھی کیا ہے، فرماتے ہیں:

لم اقترف ذنبا سوی أن لیس لی — مع هولاءِ مودة و ولاء

کیف الولاء وهم اعادی من له' — خلق السماء والارض والانشاء

علامہ فضل حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے جنگ آزادی میں کردار اور حصہ پر بحث کرنے سے قبل ضروری ہے کہ ان کی شخصیت کو سیرت کے آئینے میں پرکھا جائے تاکہ یہ بات واضح ہو سکے کہ علامہ فضل حق خیرآبادی کوئی معمولی آدمی نہ تھے کہ تاریخ نویسوں کی چیرہ دستیوں نے جنہیں تاریخ کے صفحات سے ہٹانے کی ناکام کوشش کی، بلکہ وہ جامع کمالات و ہمہ صفت انسان کامل تھے جن کی پوری زندگی اسلام کی خدمت کے لئے وقف

marfat.com

رہی اور جنہوں نے اپنا سب کچھ اسلام کی راہ میں قربان کر دیا۔ تو آیئے ان کی زندگی کے حالات پر ایک نظر ڈالیں۔

علامہ فضلِ حق خیرآبادیؒ:

آپ کا سلسلہ نسب ۳۳ واسطوں سے حضرتِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ والد ماجد معروف عالمِ دین یگانۂ روزگار، امامِ معقولات، مولانا فضلِ امام رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

علامہ فضلِ حق کسی عام گھرانے میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ آپ کا خاندان بڑی حشمت و جاہ والا تھا، دینی و دنیاوی مناصب آپ کے خاندان کا طرۂ امتیاز تھے۔

آپ کے جد اعلیٰ ایران کے ایک حصہ کے وارث وحکمران تھے، اس طرح دنیوی شہنشاہیت آپ کو (ورثہ میں) جد اعلیٰ سے اور دینی منصب آپ کو (ورثہ میں) اپنے والد ماجد سے ملا تھا۔

علامہ کے تمام سوانح نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آپ بلا کے ذہین تھے اور تیرہ برس کی عمر میں معقولات و منقولات کی تکمیل فرمائی۔ بعض نے تاریخ کو منضبط کرتے ہوئے آپ کا علومِ ظاہریہ سے سنِ فراغت ۱۲۲۵ھ کو قرار دیا ہے۔ (۱۰)

تکمیل علوم کے بعد آپ نے مسند تدریس سنبھالی اور کم عمری و کم سنی کے باوجود درس وتدریس کا سلسلہ والد گرامی کے حکم سے شروع کر دیا۔ چونکہ وقت کے جید علماء سے علم کی تحصیل کی تھی اس لئے دقیق سے دقیق مسائل بھی بآسانی حل فرما دیتے تھے۔ طبیعت میں موروثی شہنشاہانہ مزاج تھا، لیکن ساتھ ہی ساتھ علمی دنیا کے بھی شاہزادے تھے۔ آپ کی علمی قابلیت کی دلیل کے طور پر ایک واقعہ آپ کی زندگی میں ایک اہم حیثیت کا حامل ہے جس سے علامہ کی شخصیت کو جاننے کا اچھا موقع ملتا ہے۔

آپ نے معقولات کے درس کے ساتھ ساتھ منقولات میں بھی کمال حاصل کیا تھا اور منقولات کے لئے آپ کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسے عظیم اساتذہ ملے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''تحفہ اثنا عشری'' نہایت

marfat.com

مدلل انداز میں تحریر فرمائی اور اس میں جب شیعوں کا مدلل رد پیش کیا تو، ایران کے شیعوں کو اس سے خاصا دھچکا لگا۔ چنانچہ شیعانِ ایران میں سے علماء کا ایک گروہ ایک معروف ایرانی شیعہ مجتہد کی سرکردگی میں ہندوستان وارد ہوا تا کہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے ان مسائل پر جن کا حضرت نے اپنی کتاب میں ذکر فرمایا ہے ''مناظرہ و مباحثہ'' کرے۔

مجتہد صاحب اور یہ علماءِ شیعہ، دہلی آ کر علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے ہاں ٹھہرے۔ حضرت نے خوب خاطر تواضع کی علامہ فضلِ حق کو مجتہد صاحب کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے یہ ٹھانی کہ استاد سے مناظرہ ہونے سے قبل ان سے مل لیا جائے۔ چنانچہ شام کو مجتہد صاحب کے پاس آئے اور رسمی ملاقات کے بعد بیٹھ گئے۔ مجتہد صاحب نے نام سنا تو ازراہِ تمسخر چند سوالات پوچھ لئے۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ:

''میاں صاحبزادے کیا پڑھتے ہو۔''

فرمایا۔ افق المبین، شفا اور اشارات وغیرہ دیکھتا ہوں۔ مجتہد کو بڑی حیرت ہوئی کہ اس کم سنی میں اس پائے کی کتابیں، ہمت کر کے ایک عبارت کا مطلب پوچھ لیا۔ بس پھر کیا تھا ادھر تو پہلے ہی علم کا دریا موجیں مار رہا تھا۔ مسئولہ عبارت پر ایسی تقریر کی کہ خود مصنف افق المبین پر کئی اعتراضات کر گئے۔ مجتہد صاحب نے افق المبین کی طرف سے دفاع کے طور پر چند جوابات دینے کی کوشش کی لیکن صحیح اور مدلل جوابات نہ بن پڑے اور بڑی خفت ہوئی۔ جو جوابات پیش کئے ان کو بھی علامہ نے رد کر دیا اور ایسا علمی بحث میں الجھایا کہ مجتہد صاحب خود اپنے ہی سوالات اور جوابات میں الجھ کر رہ گئے۔

علامہ نے جب محسوس کیا کہ مجتہد صاحب سخت پریشان ہیں تو خود ہی اپنے قائم کردہ اعتراضات کے جوابات اس مستحسن طریقے پر دیئے کہ مجتہد صاحب ورطۂ حیرت میں آ گئے اور ان کے ہمراہی بھی حیران و ششدر رہ گئے۔ بحث کے اختتام پر علامہ نے مہمان سے ادباً معذرت کی اور نہایت انکساری سے بتایا کہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں۔

marfat.com

شیعہ مجتہد اور ان کے ساتھیوں نے اسی وقت شاہ صاحب سے مناظرہ کا ارادہ ملتوی کیا اور راتوں رات بغیر اطلاع دیئے کوچ کر گئے۔ صبح شاہ صاحب کو اطلاع ملی کہ مہمان تو رات ہی کو روانہ ہو گئے۔ سبب معلوم کیا پتا چلا کہ علامہ فضلِ حق نے انہیں اس قدر عاجز کر دیا تھا کہ انہوں نے مناظرہ کا ارادہ ملتوی کر دیا۔(۱۱)

شاہ عبدالعزیز نے بلا کر ڈانٹا کہ ہمارے مہمانوں سے ایسا نہ کرنا چاہئے تھا ہم خود ان سے بات کر لیتے۔

علامہ کی خداداد علمی صلاحیتوں کا یہ عالم تھا کہ دور دور سے لوگ، تشنگانِ علم، عطشِ علمی بجھانے کے لئے کھنچے چلے آتے تھے۔

علامہ کی عمر ۲۸ برس کی ہوئی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ چنانچہ تمام خاندانی ذمہ داریوں کا بوجھ آپ کے سر آ رہا۔ اس کے باوجود آپ نے اپنے علمی مشاغل اور درس و تدریس کو جاری رکھا۔ تصنیف و تالیف کی طرف خصوصی توجہ دی اور مایہ ناز کتابیں تصنیف فرمائیں۔

آپ کی تصنیفات:

آپ کی تصنیفات میں مندرجہ ذیل خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

۱۔ تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغوی۔

۲۔ الروض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود

۳۔ الہدیۃ السعیدیۃ

۴۔ حاشیہ افق المبین

۵۔ اَلثورۃ الہندیۃ۔

بعض دیگر تالیفات و تصنیفات کے اسماء درجِ ذیل ہیں:

۱۔ رسالہ کلی طبعی ۲۔ رسالہ قاطیغورس

۳۔ رسالہ تشکیک ماہیات ۴۔ حاشیہ تلخیص الشفاء

marfat.com

۵۔ رسالہ تحقیق حقیقت الاجسام ۶۔ قصائد فتنۃ الہند

۷۔ مجموعہ القصائد۔

علامہ نے جو کتابیں تصنیف فرمائیں وہ علمی دنیا میں سرمایۂ افتخار ہیں اور آپ کی علمی برتری کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ علامہ کے علمی مرتبے کے نہ صرف اپنے ہی مداح ہیں بلکہ غیر بھی ان کی علمی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے ان کی شان میں رطب اللسان ہیں۔

سرسید احمد خان نے علامہ کے لئے "ثالث اثنین بدیعی و حریری، المعی وقت، فرزدقِ عہد اور مورد سعادتِ ازلی و ابدی جیسے القابات استعمال کئے ہیں۔ (۱۲)

امیر مینائی نے صاحب تدقیق و تحقیق، افضل الفضلاء، مفتح فنونِ حکمیہ کہا۔ علامہ کے صاحبزادہ جناب مولانا عبدالحق سے کسی نے دریافت کیا کہ دنیا میں حکیم کا اطلاق کس پر ہوتا ہے تو انہوں نے فرمایا: اس دنیا میں اب تک ساڑھے تین حکیم ہوئے ہیں۔ (۱) ارسطو، (۲) فارابی، (۳) علامہ فضل حق خیرآبادی اور نصف خود عبدالحق۔

علامہ فضلِ حق خیرآبادی مسلکاً سنی حنفی اور مشرباً چشتی تھے۔ آپ دہلی کے مشہور صوفی بزرگ حضرت شاہ دھومن علیہ الرحمہ سے بیعت تھے۔

علامہ نے علمی دنیا میں بے پناہ خدمات انجام دیں، بہادر شاہ ظفر آپکے علم و فضل کی وجہ سے آپ کی بڑی قدر کرتا تھا اور اہم معاملاتِ سلطنت میں آپ سے مشورہ کرتا تھا۔

بادشاہ سے قریبی تعلقات کی وجہ سے آپ ملک میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں سے بخوبی واقف تھے اور امورِ مملکت سے پوری طرح آگاہ تھے۔

ملک کو اضطرابی کیفیت سے نکالنے کے لئے مقدور بھر کوششیں کیں۔ آپ کی ملکی معاملات میں دلچسپی کا اندازہ ان حقائق سے ہوتا ہے جو بعض مؤرخین نے قلم بند کئے ہیں۔

منشی جیون لال نے اپنے روزنامچہ میں علامہ کی بادشاہ سے ملکی معاملات پر گفتگو کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ:

"۶ ستمبر ۱۸۵۷ء کو مولانا فضلِ حق نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ متھرا کی

marfat.com

فوج آگرہ چلی گئی ہے اور انگریزوں کو شکست دینے کے بعد شہر پر حملہ کر رہی ہے۔" (۱۳)

علامہ فضلِ حق جنگ آزادی میں کسی نہ کسی طرح ابتداء سے شریک رہے۔ اور آپ کی یہ شرکت خواہ بادشاہ کو امورِ سلطنت میں مشوروں اور انگریزی سامراج کے تسلط سے بچنے کے لئے مفید آراء پیش کرنے پر مشتمل ہو یا میدان میں عملی طور پر نکل آنے پر محیط ہو۔ بہرحال علامہ جنگ آزادی میں شروع سے آخر تک شریک رہے۔ علامہ کے نزدیک تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری تھا کہ مرکز کو مضبوط بنایا جائے چنانچہ آپ نے ہر ممکن کوشش کی کہ بہادر شاہ ظفر کو ایسے مشورے دیئے جائیں جس سے مرکز مضبوط ہو چنانچہ ایک موقع پر آپ نے بہادر شاہ ظفر کو مندرجہ ذیل معاملات و آراء پر مبنی ایک یادداشت پیش کی۔

۱۔ روپیہ اور سامان سے مجاہدین کی اعانت کی جائے۔

۲۔ ایسے حکام کا تقرر کیا جائے جو قابل اور سرکاری منصب کے اہل ہوں۔

۳۔ مال گزاری کی وصولی کا انتظام بہتر بنایا جائے۔

۴۔ ہمسایہ ملکوں کو جنگ میں شرکت کی دعوت دی جائے۔ (۱۴)

علامہ کی اس تاریخی یادداشت کے ردِعمل کے طور پر بادشاہ نے حکم دیا کہ مولوی صاحب (فضل حق) کی تجویز کے مطابق تمام والیانِ ریاست کو پروانے لکھے جائیں اور بعجلت روانہ کئے جائیں۔

علامہ فضل حق بادشاہ کے دربار میں کافی بااثر تھے۔ چنانچہ انہوں نے خود بھی کئی علاقوں میں ضلع داروں اور تحصیل داروں کی تقرری کا حکم جاری کیا۔ اس طرح قلعہ کے سیکرٹریٹ سے مولانا کے حکم کے مطابق پروانے جاری ہوتے تھے۔

غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط کے مطابق مولانا نے بادشاہ کے دربار سے مندرجہ ذیل افراد کے نام پروانے جاری کرنے کا حکم دیا۔

۱۔ بنام حسن بخش عرضی بیگی، ضلع علی گڑھ کی آمدنی وصول کرنے کے لئے

marfat.com

۲۔ بنام فیض احمد بدایونی، ضلع بلند شہر کی آمدنی وصول کرنے کے لئے تقرر۔

۳۔ بنام مولانا عبدالحق، ضلع گوڑ گانواں کی مال گزاری وصول کرنیکا انتظام کیا جائے۔(۱۵)

تاریخ عروج انگلشیہ سے پتا چلتا ہے کہ مولانا نے ایک دستور العمل برائے سلطنت بھی مرتب کیا تھا لیکن ہنگامہ غدر میں یہ دستور، تاریخی اوراق میں محفوظ نہ رہ سکا، اس دستور کی ایک شق/ دفعہ یہ تھی۔

''گائے بادشاہی عملداری میں ذبح نہ ہو۔''

دستور کی اس دفعہ کے راوی مولوی ذکاء اللہ ہیں، وہ لکھتے ہیں کہ:

''مولانا فضل حق خیر آبادی عالم تبحر مشہور تھے وہ الور سے ترک ملازمت کر کے دہلی آئے تھے اور انہوں نے بادشاہ کے لئے ایک دستور العمل مرتب کیا تھا جس کی مذکورہ دفعہ نافذ بھی کی گئی تھی۔''

دستور کی اس دفعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ فضل حق چاہتے تھے کہ کسی طرح ملک میں اتحاد کی فضا پیدا ہو اور ہندو مسلمان مل کر انگریزوں کے خلاف متحدہ جدوجہد کریں اور اس طرح ایک تیسری قوم انگریز کو ملک سے نکال باہر کرنے میں کامیاب ہوں۔

جبکہ انگریزوں کی شروع ہی سے یہ کوشش تھی کہ ہندوستان میں بسنے والی قومیں کسی صورت میں بھی آپس میں متحد نہ ہونے پائیں۔ ان کے اس اختلاف کو قائم رکھنے اور اتحاد کے امکانات کو ختم کرنے کے لئے انگریزوں نے مختلف حربے استعمال کئے۔ علامہ فضلِ حق خیر آبادی کے اس حکم کا اتنا اثر ہوا کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر گائے ذبح نہ ہونے کی وجہ سے ہندو مسلم فسادات کہیں بھی نہیں ہوئے اور انگریزوں کے لئے یہ بڑی حیران کن بات تھی کیونکہ وہ اس انتظار میں تھے کہ عید الاضحیٰ کے موقع پر جونہی مسلمان گائے ذبح کریں گے تو وہ ہندوؤں کو ان کے خلاف آسانی سے ابھار سکیں گے۔ ایک انگریز (رابرٹ) نے لکھا ہے کہ:

''اس خاص موقع (عیدالاضحیٰ) پر ہندوؤں کا لحاظ کرتے ہوئے قربانی ملتوی کر دی گئی اور اس کی جگہ فرنگیوں کو ختم کرنے کے لئے ہندو مسلم

marfat.com

متحدہ کوشش زبردست طریقے سے جاری رہی۔'' (۱۶)

علامہ فضل حق خیر آبادی نے اپنے قیمتی مشوروں، اجتماعات میں اپنی تقریروں، خطبوں اور عوامی جلسوں کے مواقع پر ہر طرح سے انگریزوں کے خلاف اپنی قوت کو صرف کیا۔ علامہ نے عوام کو یہ ترغیب دلائی کہ جنگ آزادی میں کود پڑنے سے اور کفار (انگریزوں) کو قتل کرنے سے اجر عظیم ملتا ہے۔ ہزاروں مسلمان علامہ کی اس ترغیب سے انگریزوں کی جان کے دشمن بنے اور تحریک آزادی میں شامل ہوئے۔

اخبار دہلی کی ایک رپورٹ کے مطابق:

''مولوی فضل حق جب سے الور سے آئے ہیں وہ فوجیوں اور شہریوں کو برطانیہ کے خلاف بھڑکانے میں مسلسل مصروف ہیں اور ان کی اشتعال انگیزیوں سے متاثر ہو کر شہزادے بھی میدان میں نکل آئے ہیں۔'' (۱۷)

علامہ فضل حق نے صرف زبان وقلم سے ہی جہاد نہیں کیا بلکہ عملی طور پر بھی میدان میں آئے اور آپ نے مختلف مواقع پر مجاہدین کی کمان بھی کی ہے۔

مہدی حسن مصنف ''بہادر شاہ دوم'' (۲) کے مطابق علامہ اس خصوصی کورٹ یا مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے جس کے ذمہ مولانا کے مرتب کردہ دستور کا نفاذ تھا۔ اس مجلس منتظمہ کا نام ایڈمنسٹریشن کورٹ رکھا گیا تھا لیکن انگریز اسے غداروں اور باغیوں کا کورٹ کہتے تھے۔

اس کورٹ کا ذکر علامہ نے اپنے دستور العمل کے شروع میں اس طرح کیا ہے:

''ازاں جا کہ واسطے رفع برہمی سررشتہ اور موقوفی بدانتظامی طریقہ فوجی و ملکی کے مقرر ہونا دستور العمل کا واجب اور مناسب ہے اور واسطے عمل درآمد دستور کے اولاً ہونا کورٹ کا ضروری ہے۔'' (۱۸)

اس کورٹ کے ارکان کی تعداد دس بتائی گئی ہے جن میں سے چھ نمائندے فوج میں سے اور

marfat.com

بقیہ چار عوام میں سے لئے جانے ضروری تھے۔ کورٹ کے ارکان کے لئے با قاعدہ حلف نامہ تیار کیا گیا تھا اور ہر رکن اپنے فرائض رکنیت قبول کرنے سے پہلے یہ حلف اٹھاتا تھا کہ:

''وہ اپنے کام کو بڑی دیانت اور امانت سے بلا رو رعایت، کمال جانفشانی سے اور غور و فکر سے سرانجام کریں گے اور کوئی دقیقہ متعلقہ انتظام سے فروگزاشت نہ کریں گے اور حیلۃً اور صراحتہً اخذ یا رعایت کسی طرح کسی لحاظ سے وقت تجویز امور انتظام کورٹ میں نہ کریں گے......الخ'' (۱۹)

اس کورٹ کے قیام کا مقصد یہ تھا کہ بادشاہ جو صرف برائے نام بادشاہ رہ گیا ہے اور اختیارات استعمال کرنے کی اس میں ہمت نہیں رہی اسے سہارا دینے کے لئے زیادہ تر اختیارات اس کورٹ کو سونپ دیئے جائیں تاکہ حکومت میں عوام کو شریک کر کے انگریزوں سے مقابلہ کیا جاسکے اور ملک میں امن وامان قائم کیا جاسکے۔

مولانا نے اس کورٹ کو ایک بااختیار ادارہ بنا کر امن و امان کی بحالی کے ئے کوششیں کیں مگر انگریز اپنے پنجے مضبوط کر چکے تھے۔ بہادر شاہ ظفر ہمت ہار چکے تھے، لہٰذا انہوں نے لال قلعہ خالی کر کے ہمایوں کے مقبرہ کو اپنا مسکن اور جائے پناہ بنا لیا۔ ان کے ساتھی ایک ایک کر کے منتشر ہو گئے۔ علامہ نے جب یہ حالت دیکھی تو آپ دہلی کو خیرباد کہہ کر اپنے وطن واپس جانے کے لئے روانہ ہو گئے اور اپنا قیمتی کتب خانہ اور دیگر تمام اسباب چھوڑ کر خیرآباد کو چل دیئے۔ آپ نے یوپی پہنچ کر حالات کا جائزہ لیا اور بالآخر تحریک میں کسی نہ کسی طرح شرکت کرنے کو ہی مناسب سمجھا، چنانچہ آپ اودھ کی ملکہ حضرت محل کے ساتھ اس کے مجاہدین کی قیادت فرمانے لگے۔ بیگم حضرت محل، علامہ کی خداداد صلاحیتوں سے مستفید ہوئی اور اس نے علامہ کو اپنی مجلس شوریٰ میں شامل کر کے ان کی تجاویز کی روشنی میں اپنے مجاہدین کو منظم کیا۔ کچھ عرصہ آپ اودھ میں مجاہدین کی قیادت کرتے رہے اور انگریزوں سے مقابلہ کیا، لیکن جب حضرت محل اور فیروز شاہ کے آپس میں اختلاف بڑھے تو مولانا نے

marfat.com

فیروز شاہ کا ساتھ دیا اور فیروز شاہ کے حامی مجاہدین کی کمان سنبھال لی۔ لیکن شاید اس تحریک میں ناکامی مسلمانوں اور اہل ہند کا مقدر بن چکی تھی۔ مجاہدین نے اپنے طور پر بیش بہا قربانیاں دیں، لیکن یہ تحریک کوئی منظم اور مضبوط مرکز نہ ہونے کی وجہ سے کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکی۔

علامہ فضل حق خیر آبادی نے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور انگریزوں کو واجب القتل قرار دیتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ ان کے قتل کرنے سے اجر عظیم ملتا ہے۔

اودھ میں علامہ کے ساتھیوں کی منتشری کے بعد آپ واپس خیر آباد تشریف لے آئے۔ یہاں آپ نے انگریز کرنل کلارک سے ملاقات کی۔ اس وقت ملکہ برطانیہ کی طرف سے عام معافی اور مقامی باشندوں کے حقوق دینے کا اعلان ہو چکا تھا۔

علامہ خیر آباد پہنچے تو اگلے ہی روز آپ کو گھر پر نظر بند کر دیا گیا بعد ازاں گرفتار کر کے ۳۰ر جنوری ۱۸۵۸ء کو لکھنؤ روانہ کر دیا گیا۔

لکھنؤ میں آپ پر مقدمہ قائم ہوا اور عدالت نے آپ کو باغی قرار دیتے ہوئے مندرجہ ذیل فردِ جرم عائد کی۔

> ''ملزم ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے دوران بغاوت کا سرغنہ رہا ہے، اور دہلی، اودھ اور دیگر مقامات پر اس نے لوگوں کو بغاوت اور قتل کی ترغیب دی۔
>
> نیز بوندی کے مقام پر مئی ۱۸۵۸ء میں باغی سرغنہ ممو خان کی مجلس شوریٰ میں نمایاں حصہ لیا۔'' (۲۰)

اسپیشل کمشنر نے مولانا موصوف کے خلاف جو فیصلہ دیا تھا اور مقدمہ میں مولانا کی جن سرگرمیوں کا ذکر کیا۔ اس سے یہ اندازہ کرنا بہت آسان ہے کہ علامہ جنگ آزادی کے ایک نامور ہیرو تھے اور آپ نے کس زوردار طریقے سے جہادِ آزادی میں حصہ لیا تھا۔ مقدمہ کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

marfat.com

''اس کی گرفتاری کے بعد دہلی سے اس کے پرانے تعلقات کے باعث وہاں حکام سے بھی اس کے متعلق استصواب کیا گیا تو کمشنر دہلی نے اس کے جو جوابات دیئے ہیں ان سے معلوم ہوا کہ ۱۸۵۷ء میں دہلی میں بھی اس کی سرگرمیاں بعینہٖ اسی قسم کی باغیانہ تھیں وہ الور میں ملازم تھا اور یہاں سے دیدہ دانستہ دہلی آیا اور اس کے بعد باغیوں اور بغاوت کے قدم بقدم چلتا رہا۔''

''اس نے قرآن کی آیات پڑھ کر یہ اصرار کیا کہ انگریزوں کے ملازم کافر اور مرتد ہیں، اور اس لئے شریعت کے نزدیک ان کی سزا قتل ہے۔''

''وہ باغیوں کی مجلس شوریٰ کا اہم رکن تھا، وہ حضرت محل کے خاص مشیروں میں شامل تھا اور اس شوریٰ میں وہ بہت ممتاز تھا۔

''وہ خطرناک ترین آدمی ہے جو کسی وقت بھی نقصان پہنچا سکتا ہے اور اس لئے امن عامہ کا تقاضا ہے کہ اسے ملک بدر کر دیا جائے۔'' (۲۱، ۲۲، ۲۳)

۱۸۵۹ء میں ''سلطنت مغلیہ سے وفاداری'' فتاویٰ کے جرم کی پاداش میں اور بغاوت کا سرغنہ قرار دیئے جانے کی بناء پر۔ جرم بغاوت میں ماخوذ ہو کر مولانا سیتاپور سے لکھنؤ لائے گئے۔ مقدمہ چلا مولانا کے فیصلہ کے لئے جیوری بیٹھی۔ ایک (Asseser) اسیسر نے واقعات سن کر بالکل چھوڑ دینے کی رائے دی۔ سرکاری وکیل کے مقابل علامہ خود بحث کرتے تھے، لطف کی بات تو یہ ہے کہ ایک روز خود ہی چند الزامات اپنے اوپر قائم کئے اور دوسرے روز دلائل سے انہیں باطل اور رد کر دیا۔ مولانا کے دلائل سن کر وکلاء اور جج حیران و ششدر رہ جاتے تھے اور وکیل آپ کے سوالات کے سامنے لاجواب ہو جاتے تھے۔ جب آپ سے آپ کے فتویٰ کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپ نے اس کی تصدیق فرمائی اور کہا کہ:

marfat.com

''وہ فتویٰ صحیح ہے میرا لکھا ہوا ہے اور آج بھی میں اس پر قائم ہوں،
اور اس وقت بھی میری یہی رائے ہے۔'' (۲۴)

چنانچہ مقدمہ کا فیصلہ آپ کے خلاف ہوا اور آپ کو تمام جائیداد کی ضبطی اور حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا سنائی گئی۔

علامہ کے رفقاء اور احباب کو یہ سن کر از حد رنج اور گہرا صدمہ ہوا۔ لیکن صبر و استقامت کے اس پہاڑ کے پاؤں میں جنبش تک نہ ہوئی اور سزا سن کر الحمد کہا۔

مرزا غالب جو علامہ کے قریبی دوستوں میں سے تھے، یوسف مرزا کو خط لکھتے ہوئے علامہ کے مقدمہ کا حال لکھتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں۔

''مولانا (فضل حق) کا حال کچھ تم سے مجھ کو معلوم ہوا کچھ مجھ سے معلوم کرو۔ مرافعہ حکم دوامِ حبس بحال رہا بلکہ تاکید کی گئی کہ جلد دریائے شور کی طرف روانہ کرو۔ چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا، ان کا بیٹا ولایت میں اپیل کیا چاہتا ہے، کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔''

''انا للہ و انا الیہ راجعون''

مولانا کو کلکتہ سے جزیرہ انڈمان روانہ کر دیا گیا۔ جہاں تحریک آزادی کے دیگر نامور رہنما بھی پہلے سے پہنچ چکے تھے جن میں مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مفتی مظہر کریم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جزیرہ انڈمان میں آپ اکتوبر ۱۸۵۹ء سے اگست ۱۸۶۱ء تک قید و بند کی سخت صعوبتیں برداشت کرتے رہے۔

ادھر آپ کے صاحبزادہ شمس العلماء مولانا عبدالحق خیرآبادی نے آپ کی رہائی کے لئے اپیل بھی دائر کر رکھی تھی۔ لیکن خدا کی قدرت کہ رہائی کا پروانہ ملنے سے قبل ہی علامہ کا جزائر انڈمان میں وصال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

بنا کردند خوش رسمی بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

marfat.com

جزیرۂ انڈمان میں آپ کو جن تکالیف کا سامنا کرنا پڑا اور جن صبر آزما مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا علامہ نے ان کا ذکر خود الثورۃ الہندیہ میں اس طرح کیا ہے۔ (۲۵)

"دریائے شور کے اس جزیرۃ کی غذا حنظل سے زیادہ کڑوی، اس کا پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں، اس کا آسمان غموں کی بارش کرنے والا، اس کی زمین آبلہ دار، اس کی کنکریاں بدن کی پھنسیاں اور اس کی ہوا ذلت و خواری کی وجہ سے ٹیڑھی چلنے والی ہے۔"

اگر مسلمان کی خود کشی مذہب میں ممنوع اور قیامت کے دن عذاب و عتاب کا باعث نہ ہوتی تو کوئی بھی یہاں مقید و مجبور بن کر تکلیف مالا یطاق نہ اٹھاتا۔ اور مصیبت سے بآسانی نجات پالیتا۔ ان تمام مصائب کے باوجود اللہ کے فضل و احسان کا شکر گزار ہوں۔

اس سے علامہ کے صبر و استقامت کے کمال کا پتہ چلتا ہے۔ واقعی اتنی بڑی مصیبتوں میں جسے اللہ صبر دے وہی اس پر قائم رہ سکتا ہے۔

رب العزت ان کی قبر پر ہزار ہزار رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ روشن مستقبل از مولوی سید طفیل احمد۔

۲۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کی تصویر کا دوسرا رخ، از شیخ حسام الدین، ۱۹۴۷ء لاہور۔

۳۔ ایضاً۔

۴۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء، از خورشید مصطفیٰ رضوی۔

۵۔ اسباب بغاوتِ ہند از سر سید احمد خاں، ص ۳۔

۶۔ انقلاب ۱۸۵۷ء۔

۷۔ اسباب بغاوتِ ہند از سر سید احمد خاں

marfat.com

۸۔ تذکرۂ عالم۔

۹۔ ایامِ غدر۔

۱۰۔ باغی ہندوستان از مولانا فضل حق خیر آبادی، لاہور، ۱۹۷۴ء۔

۱۱۔ جنگ آزادی کے ہیرو۔ از سیدہ انیس فاطمہ بریلوی، کراچی۔ ۱۹۵۶ء۔

۱۲۔ اسباب بغاوت ہند۔ سرسید احمد خاں۔

۱۳۔ Memories of Hakim Ahsanullah Khan۔

۱۴۔ ۱۸۵۷ء کے گرفتار شدہ خطوط، خواجہ حسن نظامی، ۱۹۲۲ء۔

۱۵۔ غدر دہلی کے گرفتار شدہ خطوط، خواجہ حسن نظامی، ۱۹۲۲ء۔

۱۶۔ بہادر شاہ کا مقدمہ، خواجہ حسن نظامی، دہلی، ۱۹۳۵ء۔

۱۷۔ بہادر شاہ دوم، از مہدی حسن۔

۱۸۔ سن ۵۷ اور علامہ فضل حق خیر آبادی۔

۱۹۔ The Great Revolution of 1857

۲۰۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور علامہ فضلِ حق خیر آبادی۔

۲۱۔ غدر کے گرفتار شدہ خطوط۔ خواجہ حسن نظامی، ۱۹۲۲ء۔

۲۲۔ باغی ہندوستان، علامہ فضل حق خیر آبادی، لاہور ۱۹۷۴ء۔

۲۳۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ہیرو۔ سیدہ انیس فاطمہ بریلوی۔ ۱۹۵۶ء۔

۲۴۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء از خورشید مصطفیٰ رضوی۔

۲۵۔ الثورہ الہندیہ۔

marfat.com

جدید سیرت نگار

علامہ محمد ابوزہرہ مصری

علامہ ابوزہرہ مصری، سیرت کے موضوع پر ایک اچھوتی تالیف "خاتم النبیین" کے مؤلف ہیں یہ کتاب دو خوبصورت جلدوں میں مکتبۂ عصریہ کے زیر اہتمام بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ جدید دور میں سیرت کے موضوع پر لکھی جانے اور شائع ہونے والی کتابوں میں یہ تالیف اپنی مثال آپ ہے۔ عربی زبان و ادب کا ذوق رکھنے والے محققین مطالعۂ سیرت کے دوران اس وقیع علمی و تحقیقی تحریر کو کبھی بھی نظرانداز نہیں کرسکیں گے۔ شیخ ابوزہرہ کے دلنشین اندازِ تحریر سے متاثر ہوکر راقم نے اس کتاب کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کا کام ایک عرصہ سے شروع کررکھا ہے۔ زیرنظر مضمون اسی کتاب کے شروع میں ناشرین کی طرف سے علامہ مؤلف کے تذکرہ اور مختصر سوانح کے طور پر شامل کیا گیا ہے۔ جس کا عنوان "التعریف بالمؤلف و آثارۂ العلمیہ" ہے اس کا ترجمہ نذر قارئین ہے۔

(مترجم)

علامہ محمد احمد ابوزہرہ مصری (رحمۃ اللہ علیہ) ۱۳۱۶ھ / ۱۸۹۸ء کو مصر کے شہر "محلہ الکبریٰ" میں پیدا ہوئے جو کہ مصر کے مغربی صوبہ میں واقع ہے۔ آپ نے ایک متوسط، دیندار اسلامی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔

marfat.com

ابتدائی زندگی ہی میں قرآن کریم حفظ کر لیا اور شرعی علوم و ابتدائی عربی کے علاوہ انسانی و تجرباتی علوم کے مبادیات سے واقفیت حاصل کی۔

۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء میں آپ جامع احمدی میں تحصیل علم کی غرض سے داخل ہوئے جو کہ مصر کے جنوبی صوبہ کے ایک مشہور شہر "طنطا" میں واقع ہے۔ یہاں آپ کا قیام تین سال رہا۔ اس دوران آپ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار ہونے اور پھلنے پھولنے کا بھرپور موقع ملا تا آنکہ جامع احمدی کے اس وقت کے پرنسپل جناب احمدی ظواہری نے (جو کہ بعد میں جامعہ ازہر کے شیخ الجامعہ بھی ہوئے) آپ کی بہترین صلاحیتوں اور اعلیٰ خوبیوں کے پیش نظر آپ کا خصوصی وظیفہ مقرر کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ شیخ موصوف نے آپ کی بے پناہ ذہانت کے پیش نظر اس بات کی سفارش بھی کی کہ جامعہ ازہر میں تکمیل کورس کی مقررہ مدت میں ان کے لئے As a special case کمی کی جائے۔ یہ اس دور کی بات ہے جب جامعہ ازہر کا مقررہ نصاب مکمل کرنے کے لئے پندرہ برس درکار ہوتے تھے۔ جناب ابوزہرہ اور ان جیسے دیگر کئی ذہین طلبہ یہ استعداد رکھتے تھے کہ وہ اس مقررہ کورس (نصاب) کی تکمیل اس سے کم مدت میں کرلیں مگر قانونی پیچیدگیاں اس بات کی اجازت نہ دیتی تھیں، چنانچہ شیخ احمدی ظواہری کی یہ سفارش منظور نہ کی جا سکی۔

۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء میں آپ جامع احمدی سے مدرسہ قضاءِ شرعی منتقل ہوگئے، اس مدرسہ میں داخلہ کے لئے مقابلہ کا ایک امتحان پاس کرنا ضروری ہوتا تھا چنانچہ آپ نے اس امتحان میں شریک ہو کر بعض دیگر طلبہ کی طرح امتیاز کی حیثیت سے یہ امتحان پاس کیا۔ اس مدرسہ میں آپ کی علمی صلاحیتوں کو جلا ملی اور آپ میں فکری پختگی پیدا ہوئی۔ مدرسہ کے اساتذہ اور پرنسپل جناب محمد عاطف برکات صاحب نے آپ کی غیر معمولی صلاحیتوں کو محسوس کرتے ہوئے آپ پر خصوصی توجہ دی۔ نو برس کا عرصہ آپ نے اسی مدرسہ میں گزارا۔ چار برس ثانوی تعلیم میں اور پانچ برس اعلیٰ تعلیم میں۔ یوں ۱۹۲۵ء میں آپ مدرسہ قضاءِ شرعی سے فارغ التحصیل ہوئے۔ جہاں سے آپ نے شہادۂ عالیہ امتیازی حیثیت میں حاصل کی۔

اس دوران آپ میں فکری پختگی پیدا ہونے کے ساتھ ساتھ آپ کے خیالات

marfat.com

میں بھی وسعت پیدا ہوچکی تھی، چنانچہ آپ نے شریعتِ اسلامیہ اور علومِ اسلامیہ کے مطالعہ میں اپنے لئے ایک مضبوط اور مستحکم نہج کا انتخاب کیا۔ آپ اس دوران علوم اسلامیہ کا جس قدر تعمق سے مطالعہ کرتے اتنے ہی اسرار و رموز آپ پر منکشف ہوتے چلے جاتے۔

مدرسہ قضاءِ شرعی سے فراغت کے بعد آپ نے تعلیم و تعلم کو خیرباد نہیں کہا بلکہ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رکھتے ہوئے دارالعلوم سے بحیثیت پرائیویٹ امیدوار ۱۹۲۷ء میں "بی-اے" کیا اسی سال سے آپ کی عملی زندگی کا آغاز بھی ہوا اور آپ علوم شرعیہ و عربی کے استاد مقرر ہوئے۔ آپ کا تقرر دارالعلوم اور مدرسہ قضاء شرعی میں ہوا اور تین سال تک آپ نے بطور استاد خدمات انجام دیں، بعدازاں جنرل سیکنڈری سطح کے اسکولوں میں تین سال تک تدریسی فرائض بحسن و خوبی نبھائے۔

۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۳ء میں آپ کلیہ اصولِ دین (جامعہ ازہر کے ۴ کلیات میں سے ایک) میں استاد مقرر ہوئے۔ جہاں آپ نے فن خطابت، جدل، تاریخ مذاہب اور تاریخ اقوام جیسے مضامین پڑھائے، اسی دوران آپ کی بعض علمی کاوشیں تحریری انداز میں منظر عام پر آئیں۔ اور آپ نے کتاب الخطابہ، کتاب تاریخ الجدل، کتاب تاریخ الدیانات القدیمہ لکھیں اور پھر نصرانیت پر آپ کے مرتب کردہ لیکچرز بھی شائع ہوئے۔ ان تمام کتب کی پذیرائی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوکر شائع ہوچکی ہیں۔

۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء میں آپ لاء کالج میں منتقل ہوگئے، مگر کلیہ اصول الدین کی ذمہ داریاں بھی برقرار رہیں۔ ۱۹۴۲ء تک آپ دونوں جگہ اپنے فرائض منصبی ادا کرتے رہے، مگر ۱۹۴۲ء میں فیکلٹی آف لاء نے آپ کو مکمل طور پر مصروف کرلیا۔ جہاں آپ نے فن خطابت، لغہ عربیہ اور شریعت اسلامیہ کے مضامین پڑھائے، تدریسی عرصہ میں آپ مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ مثلاً اسسٹنٹ پروفیسر، ایسوسی ایٹ پروفیسر، چیئرمین آف دی چیئرز، اور چیئرمین ڈیپارٹمنٹ آف شریعہ، ملازمت سے سبکدوشی (ریٹائرمنٹ) تک آخری منصب پر فائز تھے۔ اگرچہ آپ نے ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء میں ملازمت سے مدتِ ملازمت مکمل ہونے پر ریٹائرمنٹ حاصل کرلی، مگر اس کے بعد بھی درس و تدریس

marfat.com

کے مشغلہ سے ریٹائر نہیں ہوئے، بلکہ انسٹیٹیوٹ آف ہائر عربک اسٹڈیز (جو کہ عرب یونیورسٹیز لیگ کے تابع ہے) سے منسلک ہوگئے اور سلسلۂ تدریس کو جاری و ساری رکھا۔ جمعیۃ الدراسات الاسلامیہ اور انسٹیٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز کی بنیاد رکھنے اور داغ بیل ڈالنے میں سرگرمی سے حصہ لیا، علاوہ ازیں جامعہ ازہر میں ۶۴-۱۹۶۳ء تک فیکلٹی آف میٹرز اینڈ ایڈمنسٹریشن Matters & Administration میں شریعت اسلامیہ کے استاد رہے۔

۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء میں آپ کو مجمع البحوث الاسلامیہ جامعہ ازہر کا ممبر منتخب کیا گیا اور آپ تاحیات اس کے ممبر رہے۔ آپ نے مصر اور بیرون مصر متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں میں بھی شرکت کی، جن میں سے چند ایک بطور خاص قابل ذکر ہیں، مثلاً:

۱- ندوۂ اسلامی کانفرنس لاہور پاکستان ۱۳۷۷ھ / جنوری ۱۹۵۸ء
۲- سوشل اسٹڈیز کانفرنس دمشق، شام ۱۳۷۱ھ / دسمبر ۱۹۵۲ء
۳- سوشل ایکسپرٹس کانفرنس، قاہرہ، کویت ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۸ء،

آپ کی علمی خدمات و تخلیقات

آپ نے اسلامی کتب خانہ کو اسلامک اسٹڈیز کے پچاس سے زائد موضوعات پر گرانقدر تصنیفات کا تحفہ دیا۔ سینکڑوں تحقیقی مقالے لکھے، متعدد علمی لیکچرز دیئے، علاوہ ازیں، کانفرنسوں، سیمینارز اور اخبارات و رسائل کے لئے ان گنت مضامین لکھے، ریڈیو اور ٹی وی سے آپ کی تحریر کردہ بے شمار تقاریر اور آپ کے بیسیوں خطبات نشر ہوئے۔ آپ کی تحریریں، علمی گہرائی، مطالعاتی گیرائی، جدید اسلوب نگارش، آسان و سلیس عبارات اور عمدہ طرزِ بیان و استدلال کی بناء پر امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔
آپ نے ایم اے / ایم فِل اور پی ایچ ڈی کے مقالہ جات کی ایک بڑی تعداد اپنی نگرانی میں تیار کروائی اور بہت سے مقالہ نگاروں کی راہنمائی و نگرانی Supervision & Guidence بھی کی۔ علاوہ ازیں متعدد مقالہ نگاروں کے ممتحن Examiner مقرر ہوئے۔

آپ کی قوتِ حافظہ اور بے پناہ فطری ذہانت کا اندازہ اس وقت ہوتا جب آپ

marfat.com

کسی مقالہ نگار کے امتحان و انٹرویو کے دوران حاضرین کی بڑی تعداد کے سامنے مقالہ میں مذکور موضوعات پر گفتگو اور سوالات کرتے وقت مقالہ کے صفحات اور سطور کے نمبر تک ذکر کرتے اور لمبی لمبی عبارات و نصوص زبانی پڑھتے چلے جاتے تھے۔

آپ ایک ممتاز لیکچرر تھے، دورانِ لیکچر اپنے سامعین کو ایسا محظوظ کرتے کہ طویل لیکچر کے باوجود سامعین کو کبھی اکتاہٹ محسوس نہ ہوئی۔ آپ کے خطابات آپ کی تقاریر اور آپ کی گفتگو، علمی نکات، ادبی عبارات اور لطائف و ظرائف سے مزین ہوتی تھی۔

آپ نے اپنی زندگی میں اپنی جدوجہد کا دائرہ صرف کلاس رومز Class Rooms اور صرف نئی نسل کی تربیت یا تالیف کتب تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ آپ نے اسے بھرپور عملی زندگی تک وسعت دی۔

۱۹۱۹ء کے انقلاب میں اپنی جوانی کے ساتھ شریک تھے، کلمۂ حق کہنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ سچی اور کھری باتیں. آپ کی ہر گفتگو، ہر خطاب اور ہر تحریر کا تاحیات لازمی عنصر رہیں۔ آپ کلمۂ حق کہنے اور اس پر قائم رہنے میں دلیرانہ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ آپ نے کلمہ حق کی سربلندی کے سلسلے میں کبھی کسی لومۃ لائم کی پرواہ نہیں. کی۔ حق و صداقت کی سنگلاخ وادی سے گزرتے ہوئے آپ کو بے شمار مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر کبھی جبیں پر شکن نہیں پڑی۔ صرف یہی نہیں بلکہ آپ نے بڑی دلیری سے صلیبی مشنریز کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اسلامی معاشرہ پر صلیبی تہذیب کو مسلط کرنے کی جو کوششیں اس وقت کی جارہی تھیں آپ اس کے لئے سد راہ بنے رہے۔

اسلامی قانون و شریعت کی بالادستی کی خاطر آپ نے مجاہدانہ کردار ادا کیا اور ہمیشہ شریعت اسلامیہ کے نفاذ اور غیر اسلامی شخصی قوانین کے الغاء و منسوخی کے لئے آواز بلند کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

آپ کی تصنیفات وتالیفات

۱ - الملكية و نظرية العقد،

۲ - كتاب الأحوال الشخصية،

۳ - كتاب الوصية (شرح قانون الوصية)

marfat.com

٤- احكام التركات و المواريث،

٥- أصول الفقه،

٦- محاضرات فى الوقف،

٧- الجريمة فى الفقه الاسلامى،

٨- الميراث عند الجعفرية،

٩- أصول الفقه الجعفرى،

١٠- الزواج و آثاره دراسة مقارنة بين المذاهب الفقهية والقوانين العربية،

١١- الوقف فى ماضيه و حاضرة، (دراسة فقهية مقارنة)

١٢- العقوبةفى الفقه الاسلامى،

١٣- مصادر الفقه الاسلامى من النصوص،

١٤- العلاقات الدولية فى الاسلام،

١٥- التكافل الاجتماعى فى الاسلام،

١٦- الامام زيد - حياته وفقهه،

١٧- الامام الصادق - حياته و فقهه،

١٨- الامام ابوحنيفه - حياته و فقهه،

١٩- الامام مَالك - حياته وفقهه ،

٢٠- الإمام الشافعى - حياته و فقهه،

٢١- الإمام احمد بن حنبل - حياته و فقهه،

٢٢- الإمام ابن حزم الأندلسى - حياته و فقهه،

٢٣- الإمام ابن تيمية - حياته و آراؤه،

٢٤- تاريخ المذاهب الاعتقادية والسياسية،

٢٥- تاريخ المذاهب الفقهيه،

٢٦- تاريخ الجدل،

٢٧- تاريخ الديانات القديمة،

٢٨- محاضرات فى النصرانية،

marfat.com

۲۹- المعجزة الكبرى - القرآن الكريم،

۳۰- خاتم النبين،

۳۱- مقارنات الأديان،

۳۲- الوحدة الإسلاميه،

۳۳- تنظيم الأسرة و تنظيم النسل،

۳۴- تنظيم الإسلام للمجتمع،

۳۵- فن المجتمع الإسلامی،

۳۶- الولاية على النفس،

۳۷- الدعوة إلى الإسلام،

۳۸- رسائل: نظرية الحرب فی الإسلام

۳۹- شريعة القرآن دليل على أنه من عند اللّٰه،

۴۰- الملكية بالخلافة بين الشريعة و القانون الرومانی،

۴۱- بعض علمی رسائل جن میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے:

مجله القانون و الاقتصاد

مجله المسلمون

مجله حضارة الاسلام

مجله ادارة قضايا الحكومية

مجموعات الجامعه العربيه الثقافيه و الا جتماعيه

کتاب اسبوع الفقه الاسلامی (تحقیقی مقالات)

کتاب اسبوع القانون و العلوم السياسيه (مقالات)

کتاب الفقه الإسلامی (قانون الاسره کے عنوان سے مضمون)

مجله القانون الدولی (السياسة الاسلامية کے عنوان سے مضمون)

marfat.com

(یہ تمام مضامین کوئی تین ہزار صفحات پر مشتمل ھیں)

٤٢ - تفسیر القرآن من الجزء الثانی الی نصف الجزء السادس،

(یہ تفسیر مجلّہ لواء الاسلام میں قسط وار چھپ چکی ہے۔)

۴۳- مجلّہ المسلمون میں اسلامی مضامین و مقالہ جات نیز مجلّہ لواء الاسلام میں تقریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل مختلف مضامین۔

دیگر مجلات میں شائع شدہ اسلامی مضامین جو تقریباً ایک ہزار صفحات ھیں۔

۴۴- اسلام پر اعتراض کرنے والوں کے رد میں اخبارات میں تحریریں اور انٹرویوز۔

۴۵- جمعیت شبان المسلمین اور دیگر اسلامی تنظیموں اور اسلامک کلبز Islamic Clubs میں دیئے گئے لیکچرز،

۴۶- ندوۂ لواء اسلام اور دیگر عام و خاص کانفرنسوں میں آپ کی تقاریر جو ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔

یوں یہ مردِ جلیل اپنی بھرپور علمی و عملی مجاہدانہ زندگی گزار کر ۱۲ار اپریل ۱۹۷۴ء یکم ربیع الثانی ۱۳۹۵ھ اپنے خالق و مالک کے بلاوے پر لبیک کہتے ہوئے دارِ آخرت کو سدھار گئے۔

اللہ رب العزت انہیں اسلام و مسلمانوں کی خدمت پر جزائے خیر مرحمت فرمائے اور ان کو اپنی رحمتوں کی برسات سے تر و تازہ رکھے۔ (آمین)

marfat.com

ممتاز شامی ادیب و عالم

الشیخ علی طنطاویؒ

سعودی ریڈیو اور ٹی وی پر تیس برس کے لگ بھگ علمی و ادبی رنگ جمانے اور وعظ و تبلیغ کے میدان میں نیک نامی و شہرت حاصل کرنے والے ممتاز شامی عالم الشیخ علی طنطاوی ربیع الاول کے مبارک مہینہ میں دارِ آخرت کی طرف کوچ کر گئے۔ (اِنا للہ و اِنا اِلیہ رَاجعون) انہوں نے پون صدی علم و ادب کی خدمت میں صرف کی۔ الشیخ علی طنطاوی کو عرب دنیا کے علمی و ادبی حلقوں میں ایک منفرد مقام حاصل تھا اور وہ اپنی ظریفانہ شانِ ادب کے حوالے سے پہچانے جاتے تھے، مگر ان کی ظرافت علم کے حصار اور ادب کے پہرے میں تھی۔

علی طنطاوی ۲۲ جمادی الاول ۱۳۲۷ھ یعنی ۱۲ جون ۱۹۰۹ء کو دمشق کے ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ مصطفیٰ طنطاوی بھی عالم تھے اور دادا شیخ محمد طنطاوی کا شمار تو شام کے اکابر علماء میں ہوتا تھا۔ ان کے ماموں ایک صاحب طرز انشاء پرداز ادیب اور اسلامی فکر کے حامل قلم کے مالک تھے جو استاد محب الدین الخطیب کے نام سے معروف تھے۔

شیخ علی طنطاوی نے ابتدائی تعلیم دمشق کے مدارس میں پانے کے بعد دمشق آرٹس اینڈ لاء کالج سے ۱۹۳۳ء میں گریجویشن کیا اور پھر مختلف تدریسی عہدوں پر کام کرنے کے علاوہ عدالتی عہدوں پر بھی فائز رہے۔ مزید علم کے شوق نے انہیں مصر پہنچایا جہاں کلئیہ دارالعلوم میں داخل ہو کر سید قطب کے ہم سبق ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں وہ دمشق کے مدرسہ "انموذج المیدان" میں استاد مقرر ہوئے۔ ان کے اُس دَور کے ایک شاگرد

marfat.com

جناب زہیر الشاویش آج ایک ممتاز ادیب ہیں اور اپنے استاد کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہم نے اپنے شیخ سے بہت کچھ سیکھا۔ علم کے علاوہ انہوں نے ہمیں جو تربیت دی اس کا اثر ہماری زندگیوں پر برار ست پڑا۔ ایک مرتبہ کلاس میں شور وغل شروع ہو گیا، وہ کمرے میں داخل ہوئے اور آتے ہی انہوں نے مجھے (زہیر الشاویش) دو تھپڑ جڑ دیئے۔ پھر میں نے اس کے بعد کبھی مار نہیں کھائی۔ کوئی دس برس بعد ایک بار میں نے ان سے ایک محفل میں اس بچپن کی مار کا ذکر کیا تو بڑی شفقت سے کہا: "استاد کو اپنی کلاس پر کنٹرول رکھنے اور طلبہ کو تمیز سکھانے کے لئے کبھی ایسا بھی کرنا پڑتا ہے مگر زہیر و آؤ آج مجھ سے اپنا بدلہ چکالو۔"

شیخ علی طنطاوی نے فرانسیسی استعمار کے خلاف شامیوں کی قیادت کی ہے۔ ان کی کتاب الذکریات (یادداشتیں) جلد ۳ صفحہ ۲۱۷ کے مطابق لیڈر فخری البارودی کی گرفتاری کے خلاف دمشق میں ساٹھ روز ہڑتال ہوئی۔ یہ ہڑتال اتنی شدید تھی کہ گلی کوچوں کی دکانیں تک احتجاج میں بند تھیں۔ شیخ علی طنطاوی مظاہرین کے قائد تھے۔ ان کی قیادت میں باب الجابیہ' جامع مسجد اموی' سرای حکومت اور دیگر اہم مقامات سے جلوس نکلتے تھے اور وہ نوجوانوں اور طلبہ کی قیادت فراہم کرنے اور ان میں فرانسیسی استعمار کے خلاف جذبہ نفرت پیدا کرنے میں بھرپور کردار کرتے رہے۔

شیخ علی طنطاوی چونکہ ایک ادیب عالم تھے اس لئے انہیں شعروادب سے بھی لگاؤ تھا اور وہ اپنے تلامذہ کو خیر الدین زرکلی کے اشعار سنا کر خوب محظوظ کرتے تھے جن کی شاعری انقلابی شاعری تھی۔

وہ جب مصر میں تھے تو ان کا نام شام میں پارلیمنٹ کے عام انتخابات کے امیدواروں میں شامل تھا۔ اگرچہ وہ پارلیمنٹ کی سیٹ تو دھاندلی کی وجہ سے نہ جیت سکے تاہم سیاسی حلقوں میں ان کی مقبولیت اور پذیرائی میں اس سے خاصا اضافہ ہوا۔ ان انتخابات میں ان کے جن حامی علماء ودانشوروں نے حصہ لیا ان میں مظہر عظمت، الشیخ کامل القصاب، استاد محمد المبارک اور شیخ ذکی بیگ الخطیب شامل ہیں۔ ان اہل علم نے انتخابات

marfat.com

میں حصہ اسلامی قوانین کی ترویج کے لئے جدوجہد کرنے کے ارادہ سے لیا تھا جو بد قسمتی سے آج تک شام میں نافذ نہیں ہو سکے۔

الشیخ علی طنطاوی نے جہاد فلسطین میں بھی عملی طور پر حصہ لیا اور مجاہدین کی صف بندی میں انہیں خدمات کا موقع ملا۔

۱۹۶۳ء میں وہ سعودیہ آئے مگر اس سے قبل وہ شامی ریڈیو سے ایک عرصہ تک وابستہ رہے۔ ۱۹۵۲ء میں سورین ریڈیو سے ان کا ہفتہ واری پروگرام ہر جمعہ کو نشر ہوتا تھا جس میں وہ مختلف اسلامی موضوعات پر گفتگو کرتے تھے۔ اس پروگرام کی ایک خاص بات یہ ہے کہ وہ مغربی انداز تخاطب کی مخالفت کرتے ہوئے پروگرام کے آغاز میں سامعین کو "حضرات و خواتین" کہہ کر بات شروع کرتے تھے جبکہ عام رواج "خواتین و حضرات" (Ladies andGentelmen) کہنے کا تھا اور آج بھی ہے۔ ان سے کسی نے اس پر گفتگو کی تو انہوں نے کہا:

> میں مغربی اقدار کے خلاف ہوں' پھر ان کا انداز تخاطب کیوں اپناؤں؟ غالباً ۱۹۵۴ء کی بات ہے جب شام میں جامعہ دمشق میں موتمر عالم اسلامی کی ایک مقامی کانفرنس ہوئی جس کی صدارت اس وقت کے وزیر اعظم اور موتمر کے سیکرٹری جنرل معروف الدوالیبی نے کی۔ اس کانفرنس میں سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، انڈونیشیا کے سابق وزیر اعظم محمد ناصر مغرب، سے علامہ الفاسی اور دیگر مسلم زعماء نے شرکت کی۔ شیخ علی طنطاوی کو اس کانفرنس سے خطاب کا موقع ملا، ان کا خطاب بصیرت افروز اور جامع تھا۔

شیخ طنطاوی اخوان المسلمین کے مقرر کے طور پر ابھرے۔ شہداء (دمشق) کے مقام پر اخوانیوں کے مرکز میں شیخ ہر منگل کو درس دیتے تھے۔

۱۹۵۵ء میں جب مصر اور الجزائر میں فرانس کے خلاف تحریک زوروں پر تھی شیخ علی طنطاوی شام میں اس تحریک کے روح رواں تھے۔ انہی دنوں شام میں ہفتہ الجزائر

marfat.com

منایا گیا۔ اس موقع پر ایک عظیم الشان کانفرنس ہوئی جس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ نے پورے مجمع کو ایک جوش مارتے ہوئے سمندر میں تبدیل کردیا۔ انہوں نے تقریر کے دوران اچانک اپنے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں ہاتھ میں امیر عبدالقادر الجزائری کا پستول لہراتے ہوئے پر جوش انداز میں کہا: یہ دو چیزیں جنہیں امیر عبد القادر الجزائری استعمار کے خلاف جنگ میں استعمال کررہے تھے آج بھی انہی دونوں سے مدد لینے کی ضرورت ہے۔ اس کانفرنس کے عینی شاہد ایک شامی اخبار نویس وادیب ڈاکٹر منیز محمد الغضبان کہتے ہیں: اس وقت عوام کے جم غفیر کے جوش کا یہ عالم تھا کہ اگر اسے اُسی وقت پیدل الجزائر پہنچنے کو کہا جاتا تو وہ چل پڑتا۔ دیر تک لوگ کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے نعرے لگاتے اور شیخ کو داد دیتے رہے۔ مجمع ہزاروں میں تھا۔ شیخ علی طنطاوی نے شام میں قومیت کی اٹھتی ہوئی لہر کے خلاف بھی جہاد کیا اور عرب قومیت کے نعرے کو مکمل طور پر مسترد کرتے ہوئے ''اسلامی اخوت'' کا نعرہ بلند کیا۔ شیخ کی ادبی خدمات کا چرچا اس وقت سے ہے جب وہ معروف عرب احمد حسن زیات کی زیر نگرانی وزیر ادارت نکلنے والے عربی مجلّہ ''الرسالہ'' میں لکھتے تھے۔ اخبارات ومجلات ان کے مقالات کے منتظر اور عوام ان کے خیالات کے مشتاق رہتے تھے۔ ساٹھ کی دہائی میں عرب قومیت کے خلاف اسلامی اخوت کو ابھارنے کے جرم میں اسلام پسند رہنما اور علماء زیرِ عتاب آئے تو شیخ نے سعودی عرب میں پناہ لی۔ سعودیہ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ چنانچہ ۱۹۶۳ء سے ترک وطن کر کے شیخ نے سعودیہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ابتداء میں ریاض میں انہیں کلیہ لغتہ عربیہ وشریعہ میں تدریس کا موقع ملا، پھر وہ جلد ہی مکہ مکرمہ میں کلیہ شریعہ سے منسلک ہوگئے۔ تدریسی عمل کو خیر باد کہہ کر جلد ہی انہوں نے صحافتی زندگی کی طرف عود کیا اور ریڈیو ٹیلی ویژن سے نشری خطبات کا سلسلہ شروع کیا۔

سعودی ٹی وی سے ان کا پروگرام ''نور وہدایت'' تیس برس چلا۔ اتنا طویل دور عرب دنیا میں کسی ٹی وی پروگرام کا ایک ہی شخصیت کے حوالہ سے کسی اور کا نہیں۔

وہ رمضان المبارک میں افطار سے کچھ دیر قبل ٹی وی پر ایک پروگرام ''افطار کے دستر خوان پر'' میں آتے تھے اور بڑے دھیمے انداز میں انتہائی اہم مسائل پر گفتگو

marfat.com

کرتے تھے۔ وہ اپنے پروگرام میں لوگوں کے بھیجے ہوئے بعض خطوط میں اٹھائے گئے مسائل کے جوابات بھی دیتے تھے۔ ایک بار ایک شخص نے لکھ کر بتایا کہ اس کا نام عبدالرسول ہونے کی وجہ سے جامعۃ الملک عبدالعزیز نے اسے داخلہ دینے سے انکار کر دیا ہے حالانکہ وہ داخلہ کی تمام شرائط پوری کرتا ہے۔ انہوں نے جواب میں جامعۃ الملک عبد العزیز کے ارباب حل وعقد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اللہ کے بندو اس میں اس کا کیا قصور نام تو اس کے والدین نے رکھا ہوگا، پھر یہ کہ عبدالرسول یا غلام رسول نام ہونے کی وجہ سے وہ خدا کی بندگی سے تو نہیں نکل گیا، کیا محض ایک شخص اپنے نام کی وجہ سے کہ وہ کسی کو پسند نہیں داخلہ سے محروم رہے گا۔

میں (راقم) نے ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۳ء تک ان کے حلقہ ہائے درس ٹی وی پر بغور سنے اور دیکھے ہیں۔ ان کا انداز بڑا والہانہ وعالمانہ ہوا کرتا تھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز شامی لہجہ میں کبھی کبھی جب کوئی ظریفانہ جملہ بولتے تو مزا آجاتا۔ مکہ مکرمہ میں شیخ سے ایک ملاقات میں ان سے بالمشافہ گفتگو کا موقع راقم کو ملا۔ وہ انتہائی خلیق اور مہربان شخص تھے۔

شیخ علی طنطاوی نے متعدد کتب ورسائل لکھے جن میں بعض کے نام اور عنوانات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تعریف عام بدین الاسلام	۲۔ صور وخواطر
۳۔ من حدیث النفس	۴۔ الجامع الاموی
۵۔ قصص من التاریخ	۶۔ ابو بکر الصدیق ﷜
۷۔ عمر بن الخطاب ﷜	۸۔ فی اندونیسیا
۹۔ فی بلاد العرب	۱۰۔ سلسلہ اعلام التاریخ
۱۱۔ فی سبیل الاصلاح	۱۲۔ رسائل سیف الاسلام
۱۳۔ رجال من التاریخ	۱۴۔ الہیثمیات
۱۵۔ التحلیل الادبی	۱۶۔ مقالات فی کلمات
۱۷۔ دمشق	۱۸۔ مباحث اسلامیہ
۱۹۔ قصص اسلامیہ	۲۰۔ نفحات من الحرم

marfat.com

۲۱۔ صور من الشرق

۲۲۔ صید الخاطر لابن الجوزی (تحقیق و تعلیق)

۲۳۔ سلسلہ حکایات من التاریخ

۲۴۔ فکر و مباحث

۲۵۔ بشار بن برد

۲۶۔ مع الناس

۲۷۔ رسائل الاصلاح

۲۸۔ ذکریات علی الطنطاوی

شیخ علی طنطاوی نے ۹۴، ۹۵ برس عمر پائی اور عمر کا ایک حصہ دینی خدمات میں صرف کیا۔ ان کے نظریات سے اختلاف ممکن ہے مگر ان کے خیالات میں وسعت تھی۔ سعودی حکومت نے ان کی اعلیٰ علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں ۱۹۹۰ء میں "کنگ فیصل انٹرنیشنل ایوارڈ" دیا شیخ آخر وقت تک جدہ میں سکونت پذیر رہے۔ حرم شریف میں ان سے ملاقات اکثر حجرہ مؤذنین کے نیچے ہو جایا کرتی تھی جہاں وہ تلاوتِ قرآنِ حکیم میں منہمک نظر آتے تھے۔ ان کے گرداگرد شامیوں کا ہجوم رہتا تھا جن میں زیادہ تر ان کے اپنے تلامذہ اور خاندان کے لوگ ہوتے۔

شیخ نے اپنے پیچھے علم و ادب کی گراں قدر میراث چھوڑی ہے۔ ان کی بیٹیاں اور نواسیاں بھی ادیبات ہیں، جن کے مقالات عرب دنیا کے مختلف ادبی جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ۴ ربیع الاوّل ۱۴۲۰ھ یعنی ۱۸ جون ۱۹۹۹ء کو شیخ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ (اِنّا للہ وَاِنّا اِلیہ رَاجعون)

****

رأس الحکمة مخافة الله

marfat.com

علامہ الشیخ عبدالفتاحؒ اَبُوغُدّہ

۹ شوال ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۶ فروری ۱۹۹۷ء عالم اسلام کے معروف اسکالر علامہ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ انتقال کر گئے۔

انا لِلّٰہِ وانا الیہ راجعون

علامہ عبدالفتاح ابوغدہ (شامی) عصر حاضر کے ان چند گنے چنے علماء و اسکالرز میں سے ایک تھے جو اپنے دل میں امت مرحومہ کے احیاء کی تڑپ اور مسلم نوجوانوں کی صحیح خطوط پر اسلامی تربیت کا جذبہ رکھتے تھے۔ وہ عالم اسلام میں چلنے والی بحالی غلبہ اسلام کی تحریکوں کے روح رواں اور اسلامی بیداری کے لئے کام کرنے والی تنظیموں کے مربی و پشتیبان تھے۔ وہ بلاشبہ ایک ایسے عالم تھے جنہیں قدیم و جدید علوم پر یکساں دسترس حاصل تھی۔ وہ ایک بے بدل اتالیق، بے مثل مدرس، قابل مثال استاد، لائق احترام عالم، قابل رشک اسکالر اور اسلامی دنیا کے مایہ ناز مفکر تھے۔

شیخ عبدالفتاح بن محمد بن بشیر بن حسن ابوغدہ، سوریہ (شام) کے شمالی علاقہ حلب میں ۱۹۱۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ایک ممتاز سنی صوفی بزرگ تھے اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہنے والے تاجر تھے ان کا کاروبار کپڑے کی تجارت تھا اور یہ انکا آبائی سلسلہ روزگار تھا۔ ان کے دادا بشیر حلب کے مشہور تاجران پارچہ میں سے ایک تھے۔ وہ نہ صرف کپڑا فروخت کرتے بلکہ ان کے ہاں پارچہ بافی بھی ہوتی تھی، جو قدیم طرز کے مطابق تھی، ان کا سلسلہ نسب حضرت خالد بن الولیدؓ تک پہنچتا ہے۔ ان کے خاندان میں اب بھی تحریر شدہ شجرہ نسب محفوظ ہے۔

شیخ ابوغدہ نے اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ الازہر کا رخ کیا، جہاں آپ نے کلیہ الشریعہ (شریعت فیکلٹی) میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۴ء-۱۹۴۸ء کے عرصہ میں زیر تعلیم رہ کر سند فراغ حاصل کی۔ ازاں بعد آپ نے تخصص کے لئے جامعہ ازہر کے کلیہ لغہ عربیہ کے شعبہ اصول التدریس میں داخلہ لیا اور ۱۹۵۰ء میں فراغت پائی۔ مصر کے مایہ ناز اساتذہ سے

marfat.com

کسب فیض کیا۔

جامعہ الازہر سے فراغت کے بعد شیخ ابو غدہ سوریہ واپس آگئے اور یہاں ۱۹۵۱ء میں وزارت تعلیم کے زیر نگرانی قائم اسکولوں میں اسلامیات کے استاذ مقرر ہوئے۔ آپ نے گیارہ برس حلب کے مختلف اسکولوں میں تدریسی خدمات انجام دیں، علاوہ ازیں کئی مدارس میں مختلف اوقات میں تدریس کا سلسلہ جاری رکھا تاآنکہ کلیہ الشریعہ (جامعہ دمشق) میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ تین سال اس یونیورسٹی میں فقہ اور اصول فقہ کے استاد رہے فقہ حنفی آپ کا خاص موضوع تھا، اسی دوران آپ کی خدمات ایک اسلامی انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب و تدوین کے لئے حاصل کرلی گئیں۔

۱۹۶۲ء کے انتخابات میں حلب کے علاقہ سے آپ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوئے۔ جہاں آپ نے اسلامی مسائل پر کھل کر بحث و مباحثہ میں حصہ لیا اور ہمیشہ اسلامی افکار کو سر بلند رکھنے کی کوشش کی، ۱۹۶۶ء میں آپ کو بعض دیگر اہل علم کے ساتھ پابند سلاسل کر دیا گیا۔ گیارہ ماہ کی قید صحرائی کے بعد آپ اور آپ کے دیگر ساتھیوں کو رہا کیا گیا۔ مگر آپ پر دباؤ اس قدر تھا کہ آپ ترک وطن پر مجبور کیے گئے اور آپ نے سعودی عرب کی جامعہ امام محمد بن سعود (ریاض) سے تدریسی خدمات کا معاہدہ کرلیا۔ چنانچہ آخر دم تک اس جامعہ سے منسلک رہ کر علمی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا۔ الشیخ ابو غدہ کا انتقال بھی ریاض ہی میں ہوا۔ اور جنت البقیع (مدینہ منورہ) میں تدفین عمل میں آئی۔ آپ نے تالیف و تحقیق کے میدان میں بہت جلد شہرت پائی، ۸۰ برس کی عمر میں ستر سے زائد تصنیفات و تالیفات آپ کے قلم کا منہ بولتا شاہکار ہیں۔ بہت سی قدیم کتب پر تحقیق و تعلیق کا عمدہ کام بھی آپ نے کیا اور اپنی تحقیق سے ان کتابوں کو سہل اور قابل فہم بنایا۔

علامہ کو چونکہ مختلف جامعات میں پڑھنے اور پڑھانے کا طویل تجربہ تھا۔ اس لئے آپ جامعات کے نشیب و فراز سے خوب آگاہ تھے اور جامعات کے نصاب اور دیگر امور کی اصلاح کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے۔ ان کے دل میں ایک تڑپ تھی کہ ہماری جامعات ویسے ہی اسکالرز پیدا کریں جیسے ہمارے اسلاف تھے۔

مجلۃ "المجتمع" الکویت نے ان سے انٹرویو کیا جو ان کی وفات سے صرف چند روز قبل ہی لیا گیا تھا اور ان کی وفات کے بعد شائع ہوا ہے۔ اس انٹرویو کو افادہ عامہ

marfat.com

کے لئے اردو میں منتقل کیا گیا ہے تاکہ ہندوپاکستان کے لوگ اور اردو خواں طبقہ بھی عالم اسلام کے اس حنفی المشرب بطل جلیل کے خیالات سے آگاہ ہوسکے۔

❁ جامعات میں طویل تدریسی تجربہ کے بعد اسلامی دنیا کی یونیورسٹیوں کے بارے میں آپ کی عمومی رائے کیا ہے؟

❁ آج کی یونیورسٹیاں بھلائی اور خیر کی معاون یا کانیں ہیں ان میں تعداد ماشاء اللہ بہت زیادہ ہے اور ان پر توجہ بھی بہت زیادہ دی جارہی ہے ان میں تعداد اور کمیت میں تو کوئی کمی نہیں تاہم مقصدیت اور کیفیت میں بہت کمی ہے۔ اگرچہ اس کثرت تعداد سے بھی خیر کثیر آتا ہے۔ اب ہر طالب علم تو علم کا عاشق اور شائق نہیں ہوتا۔ اگر تمام طلبہ اسی طرح بلند سوچ کے مالک ہوتے تو آج لوگوں کو کثرت علماء کی صورت میں خیر کثیر مل رہا ہوتا۔ مگر آج علماء کی قلت دیکھ کر صورت حال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

❁ ایک متمدن یونیورسٹی کے طور پر کیا کوئی یونیورسٹی اپنا رول ادا کر رہی ہے؟

❁ تیس چالیس برس سے تو اس معیار کی کوئی جامعہ بھی نہیں سوائے جامعہ الازہر کے۔ آج تو یونیورسٹی نام ہے "باب ملازمت" کا کہ اس دروازے سے ملازمتیں مل جاتی ہیں اور یہی سوچ اور فکر جامعات میں غالب ہے۔ جبکہ اس فکر سے آزاد بہت کم ادارے ہیں۔

❁ کیا آپ کے ذہن میں جامعہ الازہر کی تجدید Modification کی کوئی تجویز ہے؟

❁ بیس سال سے جامعہ الازہر ایک جدید اور Modified یونیورسٹی ہے تجدید کا معنی اگر الازہر کو اپنی اصلیت سے ہٹا دینا ہے تو یہ اس کی توہین و تحقیر ہے۔

❁ مگر ہمیں مسلم انجینئرز، مسلم ڈاکٹرز بھی تو چاہئیں؟

❁ ٹھیک ہے! مگر اس صورت میں کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ مسلم فقیہ بھی ہوں کیا ہم اس کو بالکل نظر انداز کر دیں اور کوئی فقیہ، فقیہ بن کر نہ نکلے؟ اور نہ انجینئر فقیہ بن سکے؟ ایک انجینئر اور ڈاکٹر کو اس طرح انجینئر اور ڈاکٹر بنائیے کہ وہ ایک فقیہ قسم کا طبیب ہو، اور ایک مسلم انجینئر ہو۔ مگر مستقل حیثیت سے جامع فقیہ بن کر نکلنا بھی ضروری ہے۔

ساتویں صدی ہجری کے مشہور اطباء میں سے ایک طبیب اپنے وقت کے فقیہ بھی تھے۔ انہوں نے شافعی فقہاء کی کتابوں کی شروح لکھی ہیں اور یہ بھی ایک فقیہ ہی تھے۔ جنہوں نے دورانِ خون دریافت کیا، یعنی ابن النفیس۔ یہ نہ صرف ایک فقیہ تھے بلکہ

marfat.com

لغت کے ماہر ایک اچھے ڈاکٹر اور ادیب بھی تھے۔ پرانے زمانے میں لوگ اسی طرح ہوا کرتے تھے۔ ان کے ہاں ایک سے زائد علوم و فنون میں مہارت ہوتی تھی پرانے زمانے میں علم طب شرعی علوم کے ساتھ ساتھ پڑھائی جاتی تھی بلکہ ہندوستان میں اب بھی ایسا ہی ہے کہ اصول فقہ، فقہ، نحو عربی اور تاریخ کے ساتھ ساتھ طب بھی شامل نصاب ہے۔ یہ طب اگرچہ آج کل کی طب (ایلوپیتھک) نہیں بلکہ قدیم یونانی طب ہے۔ جس میں مریض کا علاج جڑی بوٹیوں سے کیا جاتا ہے۔ ہندوستان میں فقہ اب بھی عروج پر ہے اور ہندی فقیہ تو ہر دور میں معروف رہا ہے اور ہمارے ہاں ضرب المثل کے طور پر مشہور ہے۔ چنانچہ وہاں طلبہ کو اس طب یونانی سے ضرور مس ہوتا ہے یہ ٹھیک ہے کہ وہ کامل طور پر طبیب نہیں ہوتے مگر طب جانتے ضرور ہیں۔

قدیم زمانے میں لوگ مورخ و ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ محدث، فقیہ، ماہر لغت، بہترین نقاد اور علم فصاحت و بلاغت کے ماہر ہوا کرتے تھے۔ علوم کا آپس میں ایسا ربط و تعلق ہے کہ جس کی بناء پر انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اب یہ علوم کا آپس کا تعلق، بعض کا قریب کا ہے اور بعض کا دور کا۔

جغرافیہ کا حدیث سے ایک تعلق ہے مگر ایسا نہیں جیسا فقہ کا حدیث کے ساتھ، فقہ کا نمبر حدیث کے بعد آتا ہے، پھر لغت، پھر بلاغت اور پھر جغرافیہ۔ چنانچہ جب جغرافیائی امور کی کوئی بات ہوگی تو محدث ضرور اسے بیان کرے گا۔ چنانچہ نقاد قسم کے محدثین کے پاس علم جغرافیہ بھی تھا جیسے امام نوی، قاضی عیاض، اور حافظ ابن حجر وغیرہ اور اس سے پہلے کے مشائخ و علماء۔ اور جغرافیہ کا علم ہونا اس لئے بھی ایک محدث کے لئے ضروری ہے کہ مختلف علاقوں میں الفاظ کا مختلف استعمال اسے معلوم ہو کیونکہ کبھی محض لفظ کے کسی مخصوص معنی میں استعمال ہونے کی بناء پر حکم میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔

❁ اگر ہم تخصص یا Specialization کی بات کریں تو پتہ چلتا ہے کہ علماء امت میں تخصص سے زیادہ جامعیت پائی جاتی تھی۔ کیا آج کی جامعات سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ یہاں سے بھی جامع قسم کے عالم پیدا ہوں؟

❁ آج کل جامعات میں علم کا صرف چل چلاؤ ہے پختگی نہیں اور جامعات سے فارغ التحصیل ہونے والوں کی اکثریت کا عالم یہ ہے کہ جب انہیں ڈگری مل جاتی ہے تو وہ

marfat.com

سمجھتے ہیں کہ ہم نے میدان مار لیا اور گوہر مقصود کو پالیا جو کہ ملازمت کا پروانہ ہے اور جیسے ہی اس ڈگری کی بناء پر ملازمت مل جاتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے منزل پالی ہے۔ چنانچہ ایسا طالب علم اسی روز جب اسے ملازمت مل جاتی ہے، کتاب، مکتبہ اور علم سے کہہ دیتا ہے کہ "ھذا فراق بینی و بینک" (یعنی اب سے میرا تیرا تعلق ختم)۔

❁ اس مشکل کا حل کیا ہے؟

❁ اوّل تو اب ایسے اساتذہ نہیں جو علم اور تعلیم سے عشق کی حد تک محبت رکھنے والے ہوں اور جب ایسے اساتذہ کے ساتھ طلبہ کا تعلق ہوگا جو علم سے لا تعلق ہیں تو طلبہ کا حال بھی پھر ویسا ہی ہوگا اور جب اس طرح کے اساتذہ ہوں گے کہ جن کا دھیان پڑھاتے ہوئے بھی گھنٹی کی آواز کی طرف ہوگا اور وہ پیریڈ ختم ہونے کے منتظر ہوں گے، تو ان کے طلبہ کا حال تو پھر ان سے بھی پتلا ہی ہوگا۔

عمدہ ذہانت ہو تو بعض اساتذہ طلبہ میں اور بعض طلبہ اساتذہ میں نکھار پیدا کر دیتے ہیں اور واقعتاً بعض طلبہ ایسے ہوتے ہیں جو اساتذہ کو حیران کر دیتے ہیں اور استاد ان کی ذہانت و فطانت اور نکتہ فہمی سے خوش ہوتا ہے۔ یہ دلی توجہ اور میلان کی بناء پر ہوتا ہے۔ ورنہ تو سمجھ بوجھ ہر ایک میں کچھ نہ کچھ ہوتی ہی ہے۔

❁ تو کیا آپ کے خیال میں جامع العلوم قسم کے علماء ہی پیدا کرنا ضروری ہیں اور اگر ایسا نہ کر سکے تو پھر اس سلسلے کو بند کر دیا جائے یہاں تک کہ طالب علم کو ایسے اساتذہ میسر آئیں جو اسے اس قابل بنا سکیں یا آپ کے پاس اس کے لئے کوئی تربیت طلبہ کا واضح پروگرام ہے، جس پر قوم کے جوانوں کی تربیت کی جا سکے؟

❁ اساتذہ کے ذہن میں ایسا پروگرام ہونا چاہئے جس پر وہ اپنے طلبہ کی ایسی تربیت کر سکیں کہ اس قسم کے طلبہ تیار ہو کر نکلیں جیسے ہم چاہتے ہیں۔

اب دیکھئے ڈاکٹریٹ کرانے میں اصل پلاننگ کیا ہے کہ اس سے متخصص Specialist پیدا ہوں گے مگر افسوس یہ ہے کہ اس کورس کی بدولت متخصصین کی بجائے ملازمین کی کھیپ تیار ہو رہی ہے۔ آپ اگر غور فرمائیں تو محسوس کریں گے کہ ایک طالب علم جس نے پی ایچ ڈی کیا ہے جب جامعہ میں داخلہ لیتا ہے تو وہ ایک بڑی ہی متواضع سی شخصیت لے کر آتا ہے مگر جب اسے ڈگری مل جاتی ہے تو وہ ایک متکبر ڈاکٹر

marfat.com

بن کر نکلتا ہے۔ یہ بات ہم ہر ایک کے بارے میں نہیں کہہ رہے ہیں بہت سے لوگ واقعی علم کے اعتبار سے عبقری شخصیت رکھتے ہیں۔ مگر اکثریت کا حال پتلا ہے۔ اب لوگوں میں ذہنی پستی و سستی کا یہ عالم ہے کہ ان کے نزدیک علم کا معیار "رزق" ہے جس علم یا ڈگری سے رزق کی فراوانی ہوتی ہو وہ اصل ہے اور باقی سب بیکار، اب یہ پوچھا جاتا ہے کہ اس ڈگری کا اسکوپ کیا ہے یعنی اس سے گھر کی ضروریات کس حد تک پوری ہو سکیں گی۔ چنانچہ اب گھر کی ضروریات و لوازمات اصل ٹھریں اور علم ثانوی چیز، گویا کوئی شخص اس لئے علم حاصل کرتا ہے کہ وہ اس سے خوش اسلوبی سے اپنی ضروریات و لوازمات پوری کر سکے اور وہ اپنی زندگی خوشحالی سے گزارنے کا خواہش مند ہے۔ پہلے زندگی کا مقصد علم حاصل کرنا تھا اور اب علم کا مقصد کامیاب و خوشحال زندگی گزارنا ہے۔

❁ کیا جامعیت کے انداز میں کچھ منفی پہلو بھی ہیں؟

❁ جی ہاں! جامع ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر چیز میں لازماً مہارت تامہ رکھتا ہو اور ہر معاملہ میں دخل اندازی کرے جیسے کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جو کچھ جانتے اس میں بھی اور جو نہیں جانتے ہیں اس میں بھی رائے زنی ضرور کرتے ہیں۔ خاص طور پر جب کوئی بڑھاپے کو پہنچتا ہے تو لوگ اس سے اس کی بزرگی کی بناء پر مختلف سوالات پوچھتے رہتے ہیں جیسے مثلاً کوئی طب کے بارے میں پوچھتا ہے تو کوئی سیاست اور تجارت کے بارے میں اب وہ شیخ جی ہر سوال کا جواب دیتے ہیں۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ ان کی بزرگی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جس چیز کے بارے میں نہ جانتے ہوں صاف کہہ دیں کہ بھئی مجھے اس کا علم نہیں مگر وہ ہر بات کا جواب دیتے ہیں۔ صحیح ہو یا غلط، اور لوگ انہیں ہر چیز سے باخبر اور ہر علم پر قادر خیال کرتے ہیں۔

چنانچہ جامعیت ہو یا تخصص ہر صورت میں ایک عالم کو جو اسلوب اپنانا چاہئے وہ یہ ہے کہ وہ جو مسئلہ نہ جانتا ہو اس میں رائے زنی نہ کرے بلکہ کہہ دے کہ "مجھے نہیں معلوم" اور اس میں اس کی بڑائی ہے کہ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وہی مسئلہ بتاتا ہے جس کا اسے مکمل علم ہوتا ہے اس طرح اس کا کسی مسئلہ میں یہ کہنا کہ "نہیں معلوم" دیگر مسائل جس کا اس نے جواب دیا ہے ان پر سائل کے اعتقاد کو پختہ کرتا ہے کہ اسے ان سوالات کے صحیح جوابات معلوم تھے جبھی تو جواب دیئے ورنہ وہاں بھی کہہ سکتا تھا "نہیں

marfat.com

معلوم" مگر کیا کیا جائے کہ بہت سے لوگ "لااعلم" (نہیں جانتا) کے الفاظ سے مانوس نہیں اور ایسا کہنا اپنی کسر شان سمجھتے ہیں کہ اس سے ان کا وقار کم ہوگا۔ حالانکہ اس سے نہ وقار کم ہوتا ہے اور نہ شان میں کمی آتی ہے۔

❁ کیا آپ کے خیال میں اب عالم اسلام میں علم کے لئے ہونے والی کوششیں خاصی کمزور نہیں ہوگئیں؟

❁ عالم اسلامی میں اس وقت جو عمومی کیفیت ہے وہ نمونے یا مثال کے فقدان کی وجہ سے ہے۔ اب عالم اسلام میں کمزور، مضبوط، غنی، فقیر ہر طرح کے علماء ہیں، مگر وہ اک مثالی نمونہ جو ہونا چاہئے وہ مفقود ہے پرانے زمانے کا عالم ایک "نمونہ" تھا اور اس کے پاس اٹھنے بیٹھنے والا، اس سے میل جول رکھنے والا اور اس کی مجلس میں آنے جانے والا اس کے رنگ میں رنگ جاتا تھا اس کے دل میں اس عالم کی محبت جم جاتی تھی اس کے احترام کا چراغ روشن ہو جاتا تھا، اس کی شخصیت کا ایک رعب بیٹھ جاتا تھا۔ اس کے لئے دل میں ایک جگہ پیدا ہو جاتی تھی مگر جب سے ایسے باکردار علماء نہیں رہے تب سے لوگوں کا حال بھی خراب ہے۔

❁ کیا ایسے مثالی اور قابل تقلید علماء کے فقدان میں موجودہ دور کے عالم اسلام کے حکمران طبقہ کا بھی دخل ہے؟

❁ بہت بڑا دخل ہے کیونکہ حکام و امراء لوگوں کے دلوں میں اپنا رعب جمانا چاہتے ہیں اور خود کو قابل تقلید مثال و نمونہ بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں، کسی اور کو قابل تقلید نہیں سمجھتے، نہ کسی کو قابل تقلید بنتا دیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ ایسی تمام شخصیات کو جن کے گرد اگرد لوگ جمع ہو رہے ہوں اور جن کو اپنا مقتداء و پیشوا بنا رہے ہوں، حکمران انہیں یا تو جلاوطن ہونے پر مجبور کرتے ہیں یا قید و بند میں ڈال دیتے ہیں اور ایسی مثالوں سے تاریخ بھری پڑی ہے کہ بہت سے اہل علم کو قوت حاکمہ یا اقتدار کی طرف سے اس قدر پریشان کیا گیا کہ وہ ملک چھوڑنے اور ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے یا انہیں ملک بدر کر دیا گیا یا کسی بہانے انہیں گرفتار یا قتل کر دیا گیا۔

❁ ان حالات میں اور عالم اسلام کی بیداری کے تناظر میں علماء و حکام کے تعلقات کے حوالہ سے کیا امید ہو سکتی ہے؟

marfat.com

۞ حاکم اگر خیر خواہ ہے اور بھلائی کا طلبگار ہے اور اپنے اقتدار کے سفینہ کو کامیابی سے چلانا چاہتا ہے تو اسے علماء کی قدر دانی کرنی چاہئے اس سے اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہو گا کیونکہ کسی حاکم کے ہاں اچھے علماء کا ہونا خود اس کی عزت کا باعث ہے لیکن اگر حاکم ایسا ہو کہ وہ کسی اور کی عزت و وقار کو پسند ہی نہ کرے اور خود ستائی و خود نمائی کا رسیا ہو کہ کسی دوسرے کی قدر و منزلت اسے ایک آنکھ نہ بھاتی ہو تو ظاہر ہے وہ علماء کو کیونکر پسند کرے گا کیونکہ لوگ بادشاہوں کی تعظیم کرتے ہیں ان کی قوت و اقتدار کے باعث اور ان کے ظالمانہ احکامات کے خوف سے، جبکہ علماء کی قدر لوگ کرتے ہیں ان سے ملنے والی محبت، شفقت اور دلوں میں جگہ پا جانے والی قوت روحانی کی بناء پر۔ چنانچہ محبت و جبر میں جیسے فرق ہے ایسے ہی عالم اور حاکم میں ہے۔ عالم کو جو کسی کے دل پر غلبہ حاصل ہے تو وہ محبت کی بناء پر ہے اور حاکم کو خوف کی بناء پر۔ قدیم حکام میں سے نور الدین شعیب کی مثال دی جا سکتی ہے کہ جس کی مجلس میں علماء کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ اس کی مجلس میں روزانہ حدیث کا درس ہوتا۔ جب اس نے انگریزوں سے دمیاط کا علاقہ خالی کرایا تو اس کی مجلس میں عمر بن بدر الموصلیؒ موجود تھے۔ جو اس کے دوستوں میں سے تھے اور درس حدیث میں وہ حدیث بیان ہو رہی تھی جو حدیث تبسم کے نام سے مسلسل و مشہور چلی آتی ہے۔ جب شیخ عمر بن بدر نے حدیث بیان کر کے فرمایا کہ جس کسی نے بھی یہ حدیث سنی تبسم فرمایا کیونکہ اس پر حضور ﷺ نے تبسم فرمایا تھا اور پھر نور الدین سے کہا آپ بھی مسکرایئے تاکہ حدیث پر تبسم کا سلسلہ برقرار رہے، نور الدین نے کہا کیسے مسکراؤں جبکہ دمیاط کا علاقہ انگریزوں کے حصار میں ہے یعنی ملک پر تو انگریزوں کی یلغار ہے ایسے پریشانی کے عالم میں مسکراہٹ کہاں سے آئے؟ اس واقعہ کے ۱۸ روز بعد جب اللہ تعالیٰ نے نور الدین کو صلیبوں پر فتح بخشی اور دمیاط کا علاقہ ان سے مسلمانوں نے حاصل کر لیا تو نور الدین نے علامہ عمر بن بدر سے کہا آج وہ حدیث تبسم سنایئے کہ آج اس حدیث کے بیان کئے جانے کا موقع محل ہے۔

کیا اچھے علماء تھے اور کیا ہی اچھے ان کے قدر دان صالح حکام، اور وہی حاکم اچھے ہیں جن کے ہاں علماء کی قدر دانی ہے۔ ہاں وہ علماء جو امراء و سلاطین کی رکاب میں رہتے ہیں اور ان امراء و سلاطین کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کوئی حکم تک نہیں کہہ سکتے

marfat.com

انہیں اس سے مستثنٰی کرتا ہوں۔ ہم صرف ان علماء کی بات کر رہے ہیں جو صالح ہیں اور حکام کو بھی صلاح کی تلقین کرتے رہتے ہیں اور وہی حکام صالح ہیں جو صالح علماء کے قدردان ہیں۔

❁ کیا کبھی تاریخ میں ایسازمانہ بھی گزرا ہے جب علماء نے حکام کی موافقت کی ہو؟

❁ صلیبی جنگوں میں نورالدین اور صلاح الدین ایوبی نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اور انگریزوں کے خلاف جس جرات و شجاعت سے جہاد کیا اس کی اپنی ایک حیثیت ہے مگر وہیں ان کے ہاں ایک قاضی بھی تھے اور اس دوران ساری خط وکتابت انہی قاضی فاضل کے ذریعہ ہوتی تھی۔ بلکہ لوگ کہتے ہیں کہ صلیبی جنگیں جیتنے میں قاضی فاضل کے خطوط کا دخل زیادہ ہے اور ان قاضی صاحب کے مشوروں نے ان جنگوں میں سپاہ اور فوج سے زیادہ کام کیا۔ ایک عالم جب متقی ہو، روشن دماغ ہو، صاحب بصیرت ہو، فلاح وصلاح کا کامل ادراک رکھتا ہو تو اس کی سوچ نورانی سوچ ہوگی۔ پھر اس کی علمی پختگی واجتہاد سے جو فائدہ حاصل ہوگا وہ خیر ہی خیر بلکہ سراپا خیر ہوگا۔ چنانچہ قدیم علماء، امت کے سردار ہیں اور وہی قائد بھی مگر جب بعد کے ادوار میں علم اٹھ گیا، قیادت غیر عالم لوگوں کے ہاتھ میں آگئی تو لوگ کمزور ہوگئے، قیادت کمزور ہوگئی علماء کمزور پڑ گئے اور علمی قیادت کے جاتے رہنے کے ساتھ ہی لوگوں کو غیر علمی قیادت سے نفرت ہونے لگی کہ اس نے علم کو صاف کر کے اپنے لئے راہ ہموار کی۔

❁ آج کے دور میں علماء و حکام میں کس قسم کا تعلق ضروری ہے۔ کیا آج کی جمہوریت جس میں حاکم و محکوم کو اپنے اپنے حقوق اور فرائض کا علم ہے مناسب ہے؟

❁ لفظ جمہوریت کے پیچھے کئی چیزیں پوشیدہ ہیں۔ بعض اجنبی الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پیچھے خفیہ معانی موجود ہوتے ہیں۔ اگر کوئی لفظ عربی کا ہو تو ہم جان لیتے ہیں کہ اس کے معنی کیا ہیں اور اس میں. معنی کی تنگی و وسعت کہاں تک ہے مگر جو لفظ عربی کا نہ ہو اور باہر سے (Imported) در آیا ہو تو معلوم نہیں اس کے پیچھے کیا کچھ ہوگا۔ ممکن ہے اس لفظ میں اللہ کی ذات پر عدم اعتماد کے معانی بھی پائے جاتے ہوں۔ جیسے کہنے کو تو اس لفظ جمہوریت کے معنی ہیں عوام کی حکومت، عوام کی مرضی کے مطابق۔ مگر اس طرح کے الفاظ سے غیر اسلامی مفاہیم بھی نکلتے ہیں۔ لہذا اس طرح کے الفاظ کو قبول کرنے سے

marfat.com

اجتناب ہونا چاہئے کیونکہ دوسروں کے نزدیک تو اقتدار عوام کا ہو سکتا ہے مگر ہمارے ہاں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے اقتدار کی نفی ہوتی ہے۔ اب اگر ہم بھی مادیت پرستی کے طوفان کا شکار ہو کر یا جہالت کی بنا پر لفظ جمہوریت کو اپنالیں تو اس سے ہمارے عقیدہ کی نفی ہوتی ہے کہ اسلام میں تو حاکمیت علی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے نہ کہ جمہوریت و عوام کا حق:

"ان الحکم الا للہ"

اس طرح جمہوریت کا تصور تو کمیونزم اور کیمونزم کی طرح ہوگا۔ اس طرح کے الفاظ اپنے جلو میں غیر اسلامی معنی رکھتے ہیں اب اگر ہم کسی کو جمہوری قرار دیں تو اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو جمہور کی حکمرانی پر یقین رکھتا ہو۔ مگر اسلامی تناظر میں اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جو خدا کی حکمرانی کا منکر ہو، اس طرح کے الفاظ کو فروغ دینے سے نسل مسلم کے دل میں اللہ کے مقابلے میں عوام کی حکمرانی کا تصور جگہ لے گا جو بہرحال مضر ہے۔ لہٰذا ہمیں اس طرح کے الفاظ کو اپنانے سے گریز کرنا چاہئے۔

❁ مگر یہ بھی تو ممکن ہے کہ ان الفاظ کے جو معانی دنیا میں رائج ہیں ان میں وہ اصلیت نہ ہو؟

❁ یہ بات ممکن ہے مگر یہ بھی تو ہوتا ہے کہ جو معنی مشہور ہو جاتے ہیں انہیں اسی صورت میں سمجھنے اور سمجھانے کے لئے تنبیہ اور تشریح و توضیح کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ لوگ اس سے مراد کچھ اور لینے لگتے ہیں۔ تو ایسا کیوں نہ ہو کہ ان الفاظ کو ترک ہی کر دیا جائے جن سے کوئی شبہات پیدا ہوتے ہوں اور ان کی بجائے ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن میں کوئی شبہ نہ ہو۔

❁ موجودہ دور میں دستوری اداروں میں حکمرانوں کے ساتھ علماء کی شمولیت کی کیا حیثیت ہوگی اور علماء کو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہئے؟

❁ اس کا دارومدار حاکم پر ہے اگر وہ عقلمند، دیانتدار، عوام کی حقیقی خدمت کے جذبہ سے سرشار اور ملک و ملت کا وفادار ہے تو وہ اللہ کی رضا کے کام کرنے کی خاطر علماء و صالحین کو اپنے قریب کرے گا اور ان سے مستفید ہونے کی کوشش کرے گا۔ یہ ان کی قدر کرے گا وہ اس کی قدر کریں گے۔ اس وقت ان کی مثال ایسی ہوگی جیسے بحری جہاز کے عملے کی، وہ سب ایک دوسرے کے دست و بازو ہوتے ہیں اور جہاز کامیابی سے چلتا رہتا ہے

marfat.com

یا اس ہوائی جہاز کے عملے کی طرح ان کی مثال ہو گی جس کا کیبن کریو اور گراؤنڈ اسٹاف سب ایک دوسرے سے تعاون کرتے اور کامیاب پرواز چلاتے ہیں۔

اس طرح حاکم و علماء کا بھی معاملہ ہے کہ وہ ایسے علماء کو ساتھ رکھے گا جو ذمہ داری سنبھالنے کے قابل ہوں اور قوم و مذہب کی خدمت کے جذبہ سے سرشار ہوں اور وہ حاکم خود بھی اپنے آپ کو قوم کا خادم تصور کرتا ہو نہ کہ زبردستی ان پر مسلط ہو، تو اس طرح ایک نہایت معتدل صورت سامنے آئے گی۔ ایسی صورت میں علماء کو حکام سے تعاون کرنا چاہئے کیونکہ اقتدار کسی شخص واحد کا نہیں ہوتا بلکہ حاکم کو تمام شعبوں کے ماہرین کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے انجینئر، ڈاکٹر، شاعر، صحافی، الیکٹرک کے ماہر، لکڑی کے کام کے ماہر، ادیب، فوجی وغیرہ تاکہ حکومت ہر طرح کی قومی ضروریات سے عہدہ برآ ہو سکے اور یہ تو ممکن نہیں کہ حاکم خود ہی فلسفی بھی ہو یا عقل کل ہو، ایک شخص تنہا کیا کر سکتا ہے؟ اسے لازماً مددگار و معاونین درکار ہیں۔ "اللہ تعالیٰ ہر صدی کے کنارے پر ایک مجدد بھیجتے ہیں جو قوم کے امور میں تجدید کرتا ہے کون؟ اکیلا شخص؟ نہیں بلکہ پوری ایک جماعت مراد ہے۔ جیسے عدلیہ کا پورا گروہ، حکام، وزراء، انجینئرز، اطباء، وکلاء، اور متمدن زندگی کے ہر شعبے کے افراد تاکہ یہ نظام معیشت چل سکے۔ کیونکہ نظام زندگی ان تمام شعبوں کو محیط ہے۔ فرض کیجئے کبھی ڈاکٹر نہ رہیں یا انجینئر نہ ہوں یا قلمکار نہ ہو تو ایسا معاشرہ کس طرح چلے گا، جس میں قومی امور کے دفاع میں یا ملی امور سے متعلق لکھنے والے نہ ہوں اگرچہ ویسے بیسیوں عالم موجود ہوں۔ چنانچہ ہر طرح کے لوازمات کے ماہرین کی ضرورت ہے جو ایک حاکم کے زیر نگرانی کام کرتے ہوں، اور جن پر حاکم کی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سب صلاحیتوں والے اس سے معاونت کرتے ہیں اگر دونوں طرف سے اخلاص ہو تو پھر خیر کثیر کی توقع اور امید ہے۔

❁ کیا علماء کرام کو پارلیمنٹ کی رکنیت حاصل کرنی چاہئے جیسا کہ بعض اسلامی ممالک میں ہے اور کیا اس طرح حکماء و علماء کا تعلق اس سطح پر آ سکتا ہے جس پر مطلوب ہے؟

❁ اس کی مختلف صورتیں. ہیں کبھی اس طرح کی اسمبلیوں یا پارلیمنٹ میں داخلہ حاکم کے انتخاب و پسند کے بغیر ہوتا ہے جو اس کے لئے زیادہ ناگوار بھی ہو سکتا ہے۔ بنسبت اس کے کہ وہ اسمبلیوں میں نہ ہوتے۔ پارلیمنٹ میں علماء کا جانا دونوں طرف سے نیک نیتی

marfat.com

اور خوش دلی سے ہونا ضروری ہے۔ اس شمولیت کا مقصد بھی یہ ہو کہ شامل ہونے والے زیادہ ذمہ دار قسم کے ہیں اور ذمہ داری سے امور سلطنت میں تعاون کریں گے اور اگر علماء کو شامل کرنے کا مقصد انہیں راضی رکھنے کی کوشش، یا سیاسی جوڑ توڑ کا نتیجہ یا سیاسی رشوت کے طور پر منصب کی پیش کش کے انداز میں ہو یا اس لئے انہیں لیا جائے کہ جب ان کے مقابل لادین عناصر کو بھی شامل کیا جا رہا ہے تو ایک آدھ ادھر سے بھی ہو جائے تو یہ شمولیت بے مقصد ہو گی ہاں قوم و ملک کے مفاد کی خاطر ایسا ہو تو اور بات ہے۔

❁ موجودہ دور میں تصنیف و تالیف کی صورتحال سے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟

❁ اس وقت تصنیف و تالیف کی صورت حال بڑی عجیب ہے گزشتہ دس سالوں میں اسلامی کتب خانہ میں بے شمار کتابوں کا اضافہ ہوا ہے۔ اتنی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ بے حد و بے حساب، جس کی سمجھ میں جو آ رہا ہے لکھے چلے جا رہا ہے اور چھاپ رہا ہے جبکہ پہلے یہ ہوتا تھا کہ کہیں سال بھر میں سو دو سو کتابیں، زیادہ سے زیادہ تین سو کتابیں چھپتی تھیں۔ مگر یہ ایسی ہوتی تھیں کہ مؤلف اپنی کتاب شائع کرنے سے قبل علماء عصر کے سامنے پیش کرتا تھا وہ مسودہ کو بغور پڑھتے اور جہاں ضروری ہوتا تصحیح فرماتے۔ بلکہ بعض علماء تو تصحیح کتب میں شہرت رکھتے تھے۔ جیسے مصر میں الشیخ نصر الہودینی، الشیخ قطعہ العدوی، الشیخ الدسوقی، الشیخ الغموراوی یہ ممتاز نقاد اور ماہرین علم تھے ان کے ہاتھوں سے کتاب نکلتی تھی تو بڑی نپی تلی ہوی عبارت کے ساتھ نکلتی تھی اور اہل علم کے ہاں یہ بات مشہور تھی کہ اگر تمہیں کتاب کی عبارت سمجھ میں نہ آئے تو اپنی ملامت کرو اپنے آپ کو کم علم گردانو، کتاب کو برامت کہو اور بار بار پڑھو اتنی بار کہ عبارت سمجھ میں آنے لگے کیونکہ کتاب میں جو کچھ لکھا ہوتا وہ مسلمہ طور پر صحیح تھا اور ان علماء کا قاعدہ یہ تھا کہ جہاں کوئی بات کتاب میں غلط ہوتی اس پر علامت بنا دیتے اور اس کی تصحیح کر دیتے اور کبھی کبھی تو ان کی تصحیح بیسیوں صفحات تک جا پہنچتی تھی۔ پھر کتاب کے آخر میں فہرست شخصیات و اعلام کے ساتھ ایک فہرست تصویب اخطاء کی بھی دی جاتی تھی۔

اب علمی معیار واقعی طور پر گر چکا ہے کیونکہ اب لوگ کتابوں سے نقل کرتے ہیں اور نقل کرنے میں غلطی کرتے ہیں۔ جب عبارت سمجھ میں ہی نہیں آئے گی تو اس کا مفہوم اپنے الفاظ میں کیسے صحیح ادا کریں گے؟ علماء و اساتذہ کے پاس جاتے نہیں۔ خود کتاب

marfat.com

خوانی و ورق گردانی کرتے ہیں جو سمجھ میں آگیا لکھ دیا۔ اب جب علم سارے کا سارا کاغذی و کتابی ہے تو اس میں وہ معیار کہاں رہے گا؟ پہلے علم کتابوں سے نہیں سینوں سے لیا جاتا تھا۔ شاگرد، استاد کے سامنے پڑھ کر غلطیوں کی اصلاح ہو جاتی تھی۔ اب از خود پڑھنے اور خود فہمی کا شوق ایسا ہے کہ استاد و عالم سے رابطہ منقطع ہے چنانچہ اصلاح نہیں ہوتی۔ جب اصلاح کرنے کرانے والا کوئی نہ ہوگا تو پھر انتقال علم کا عمل لازماً غلط طور پر ہوگا کہ غلط سمجھو گے تو غلط ہی لکھو پڑھو اور پڑھاؤ گے۔

قدیم زمانے میں ایک طالب علم کسی عالم کے پاس پانچ دس سال لگاتا تھا۔ جس سے وہ علم سیکھتا اور اس دوران متعدد بار اس کی اصلاح ہوتی اور اصلاح کا عمل طویل عرصہ جاری رہتا۔ بار بار الفاظ کا استعمال استاد سے سننا اور اس کے سامنے ادا کرنا ایک اصلاح مسلسل کی صورت تھی۔ استاد بار بار متعدد باراً عبارات کی تصحیح کراتا اور طالب علم کی مکمل تربیت کرتا تھا۔ اس رفاقت علمی و صحبت روحانی کی بدولت طالب علم میں جو خصوصی صلاحیت پیدا ہوتی تھی اس سے اس کے اندر ایک خاص حس جنم لیتی تھی جو آئندہ اسے معمولی سے معمولی غلطی پر بھی متنبہ کر دیتی تھی اور کوئی لفظ کہیں علمی یا لغوی غلطی کے ساتھ اس کے سامنے بولا جاتا تو وہ فوراً اس کا ادراک کر لیتا تھا مگر آج یہ سب کیسے ہو؟ کیونکہ اب از خود عالم بننے اور بغیر استاد کے تفہیم حاصل کرنے کا جو رواج ہے اس میں غلطی کی اصلاح کہاں سے ہوگی؟ یہ سب "کاغذی علم" کا شاخسانہ ہے۔ پہلے لوگ کہا کرتے تھے کہ نہ تو علم کسی صحافی سے لو اور نہ قرآن مصحفی سے سیکھو۔ بلکہ علم علماء سے اور قرآن قاری سے پڑھو کیونکہ مصحف سے پڑھا ہوا قرآن تو ایسا ہوگا کہ پڑھنے والا "المص" کو ایک ہی لفظ سمجھے گا جبکہ یہ ایک لفظ نہیں بلکہ الگ الگ حروف کا ایک مجموعہ ہے یہ الف، لام، میم صاد ہے نہ کہ "المص"

۞ آپ نے فرمایا کہ علم صحافی سے نہ لو، تو ہم صحافی لوگ ہیں ذرا مسئلہ حساس ہو جائے گا اگر اس کی وضاحت نہ ہو؟

۞ صحافی سے مراد وہ ہے جو علم صحیفوں (کتابوں) سے حاصل کرتا ہے یعنی علماء و اساتذہ سے پڑھنے کی بجائے براہ راست کتابوں سے تفہیم دین و علم کا خواہاں ہے۔ میرا مقصد وہ صحافی نہیں جو اخبارات و جرائد سے وابستہ ہے۔ مراد وہ ہے جو اپنا استاد کسی عالم کو

marfat.com

بنانے کی بجائے کتابوں کو بناتا ہو۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ جس کا استاد عالم کی بجائے کتابیں ہوں وہ صحافی ہے اور کاغذی علم کا مالک ہے۔

❁ کیا آپ کے خیال میں مختلف یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کی سطح پر جن جدید وسائل کو بروئے کار لا کر سلسلہ تعلیم و تحقیق جاری ہے اس سے علماء پیدا ہوں گے؟

❁ ممکن ہے کہ کسی حد تک یہ کوششیں کامیاب ہوں۔ مگر جب تک طالب علم میں محنت، لگن، اخلاص، توجہ، ذہانت اور ملکہ (عمدہ استعداد) نہ ہوگا اور استاد طالب علم میں اچھے اخلاق اور نفیس عادات کی تربیت داخل نہیں کرے گا یہ کامیابی نہ ہوگی اگرچہ ایسا کرنا ممکن ہے مگر عملاً اس کا نتیجہ برائے نام ہوگا۔

❁ آپ کے طویل تدریسی تجربہ کی روشنی میں ایک مثالی طالب علم کی کیا صورت بنتی ہے، جسے علماء کرام مل کر تیار کر سکیں؟

❁ پہلے تو تمام علماء کرام اس بات پر اتفاق کریں کہ انہیں ایسے ہی طلبہ تیار کرنے ہیں جو تعلیم کے ساتھ ساتھ تقویٰ بھی اختیار کرنے کو تیار ہوں، علم کے ساتھ ساتھ عمل کے بھی خوگر ہوں۔ نیک نفس ہوں، تواضع اور اخلاص کے مالک ہوں اور جہالت سے دور ہوں یہ سب باتیں نیت سے تعلق رکھتی ہیں اور ان پر اجر ملتا ہے یہ بھی ضروری ہے کہ طالب علم کی نیت حصول علم سے تلاش روزگار نہ ہو نہ ملازمت اس کا ہدف ہو اور نہ ہی اس کا مقصد علم کے ذریعہ لوگوں پر اپنی برتری قائم کرنا ہو اور نہ ہی ڈگریوں کی تعداد بڑھانا اس کا مقصود ہو۔ اب اگر اس کا ارادہ نیک ہو نیت اچھی ہو اور مقاصد صحیح ہوں تو اس کو ایسے علماء اور مشائخ سے رجوع کرنا ہوگا جو باکمال اساتذہ ہوں اور علم میں کامل دسترس اور اچھی شہرت کے مالک ہوں۔

علماء بھی کئی طرح کے ہیں ایک وہ عالم ہے کہ آپ اس سے کوئی سوال پوچھیں تو وہ مشین کی طرح اس کا روکھا پھیکا سا جواب دے دے گا اور ایک وہ عالم ہے کہ آپ اس سے سوال پوچھیں تو وہ پہلے تو آپ سے محبت وانس سے پیش آئے گا۔ چند باتیں ایسی کہے گا کہ اس کی گفتگو سے آپ کے دل میں حصول علم کی محبت جاگ اٹھے گی اور شوق خدمت علم موجزن ہونے لگے گا۔ اس طرح کا عالم ظاہر ہے ایک طالب علم کے لئے زیادہ نفع بخش ہے۔ بنسبت اس پہلے والے کے۔ چنانچہ طالب علم کو ایسے استاد کی تلاش کرنا ہوگی جو علم

marfat.com

میں شوق و اشتیاق رکھنے والے ہوں۔ جن میں علم کے لئے محبت ہو، جن میں علم کے معاملہ میں سستی و تساہل نہ ہو، اور نہ عمل میں تساہل ہو اور یہ سب باتیں سنجیدگی و متانت سے آتی ہیں نہ کہ غیر سنجیدہ مزاجی سے۔

طالب علم کو چاہئے کہ وہ ایسے علماء سے فیض حاصل کرے جو بجا طور پر مثالی نمونہ اور قدوہ ہوں کیونکہ دین کی محبت و دینی غیرت کے لئے اس کی شدید ضرورت ہے۔ پھر جب اسے ایسے اساتذہ ملیں گے کہ کوئی حدیث میں ممتاز ہے، کوئی فقہ میں منفرد، کوئی اصول تفسیر میں ممتاز، کوئی اصول حدیث میں اور وہ ان سب کے علوم سے مستفید ہوگا، تو اس میں ان سب کا مزاج سرایت کرے گا، وہ طالب علم نہایت عمدہ اور نفیس ہوگا کیونکہ اس نے کئی پھولوں کا رس پیا ہوگا۔

اسی لئے بسا اوقات شاگرد اپنے اساتذہ سے بھی بڑھ کر نفیس اور لائق ثابت ہوتا ہے کہ اس کا استاد تو ایک یا دو علوم کا ماہر ہوتا ہے اور یہ کئی علوم کا اور اس طرح یہ اپنے علم سے لوگوں کو زیادہ مستفید کر سکتا ہے۔ تو ایسا طالب علم جو ابتداء سے نیک نیت تھا۔ پھر اس کی تربیت بھی نیک نیتی سے نیک نیتوں کے ہاتھوں ہوئی اور اس نے متعدد علوم وفنون کے علماء سے اکتساب فیض کیا۔ اب وہ کسی بھی فن میں عالم ہو شرعی یا اجتماعی یا دیگر علوم بہر کیف وہ ایک صالح عالم و ماہر ہوگا۔

بس جس نے اساتذہ سے امانت، تقویٰ، صبر، دیانت، بیداری، نکتہ سنجی و نکتہ رسی، متانت اور علم میں عدم تساہل سیکھا ہے وہ اب مغربی عالم سے کیوں کر کمتر ہوگا۔ مغربی ماہرین کے کامیاب ہونے کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ ہر چیز کو بڑی سنجیدگی سے لیتے اور گہرائی تک جاتے ہیں اور اس پر وہ محنت و مشقت سے عمارت کھڑی کرتے ہیں، چنانچہ ان کا عالم یا ماہر محیر العقول کارنامے انجام دیتا ہے اور ہم جن کی تربیت ہی سستی و تساہل کے ماحول میں ہوئی ہے بنے ہوئے کام بھی بگاڑ بیٹھتے ہیں۔

❁ آپ کی گفتگو سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ یورپین تہذیب سے استفادہ کے قائل ہیں؟

❁ ہاں! ہمیں استفادہ کرنا چاہئے مگر ہم نے تو انہیں آگے بڑھا دیا خود پیچھے رہ گئے ہم نے جو کچھ انہیں دیا تھا اس میں سے انہوں نے کھایا پیا اور پھر ہمیں ہی یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ

marfat.com

یہ تمہارا کھانا نہیں ہمارا ہے۔

❁ علماء کی تیاری پر کچھ مزید روشنی ڈالیں گے؟

❁ حسن نیت، باصلاحیت اساتذہ کا انتخاب، علم کے لئے یکسوئی، دلی رغبت و لگن کے ساتھ حصول علم، علمی زندگی میں پیش آمدہ مصائب پر صبر، کیونکہ ابتداء میں مشکلات آتی ہیں اور جو شروع میں صبر کرتا ہے اور اپنے آپ کو علم کی خاطر جلاتا ہے اس کا مستقبل ضرور روشن ہوتا ہے۔ ضروری ہے کہ طالب علم کو علم میں انہاک ہو پھر کچھ عرصہ بعد اس کی یہ کیفیت ہوگی کہ وہ علم سے لبریز ہوگا اور پھر اسے ہر طرح سے آسائش ملے گی اور ہر راحت میسر آئے گی مال میں بھی فراخی ہوگی اور ہمارے پروردگار کا اصول ہے کہ وہ بندے سے عمل نقد چاہتا ہے اور اجر بڑھا چڑھا کر فوری یا بدیر عنایت فرماتا ہے۔

اب اگر کوئی دین کی خدمت صدق و اخلاص سے کرے تو پروردگار اس کے عمل کو ضائع نہیں فرماتا، بلکہ اسے اس کے تصورات سے بڑھ کر اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔ پھر اسے ایسے مرتبہ پر فائز فرماتا ہے کہ اس کی بات اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بعد حجت کا درجہ رکھتی ہے اور اس پر لوگ بادشاہ سے زیادہ بھروسہ کرتے اور اس پر زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں اور یہ بڑی بھاری قیمت ہے جو اسے ملتی ہے۔ لوگ اس کی باتوں پر عمل کرتے ہیں اور اس کا حکم مانتے ہیں ایک انسان اگر اس پر غور کرے تو یہ بہت بڑی بات ہے پھر اس کے بعد اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مطالعہ جاری رکھے اور یہ نہ سمجھے کہ ایک دور تھا پڑھنے پڑھانے کا سو ختم ہوا۔ نہیں تعلیم و تعلم کا سلسلہ تو مہد سے لحد تک جاری رکھنا ہے جیسا کہ امام احمدؒ نے فرمایا فالمحبرة الی المقبرة (دوات کا تو قبر تک ساتھ ہے)۔

marfat.com

ڈاکٹر عبدالجواد خلف

ایک پاکستان وعلم دوست شخصیت

یوں تو ہمارے ملک میں بے شمار دینی مدارس و جامعات تبلیغ دین کے جذبہ سے فروغ علم دین میں معروف عمل ہیں اور مستقبل کے لئے مبلغین کی بہتر خطوط پر تعلیم و تربیت میں منہمک نظر آتے ہیں، مگر ایسے تعلیمی ادارے انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں جہاں مربوط و منظم انداز میں عملاً تعلیم و تعلم قائم ہو۔

ایسے ہی چند اداروں میں سے ایک کراچی کی جامعہ دراسات اسلامیہ ہے جہاں فرقہ ورانہ تعصبات سے بالاتر ہو کر قال اللہ و قال الرسول کی تعلیم دی جاتی ہے۔

کراچی کی علمی شاہراہ، شارع جامعہ کراچی (جسے اب شارع جامعات کے نام سے موسوم کیا جانا چاہئے کہ اب اس پر ایک سے زائد جامعات قائم ہیں) پر واقع موتمر عالم اسلامی سے متصل جامعہ دراسات اسلامیہ کی زیر تکمیل عمارت اپنی خوبصورت مسجد کے ساتھ سر اٹھائے ہوئے ہے۔

جامعہ دراسات کا قیام ۱۹۷۹ء میں عمل میں آیا اس کے بانی ایک ممتاز مصری اسکالر ڈاکٹر عبدالجواد خلف ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بے پناہ علمی صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ موصوف عالم اسلام کی معروف قدیم درسگاہ جامعہ ازہر کے شعبہ قانون و شریعہ کے فارغ التحصیل ہیں اور پنجاب یونیورسٹی لاہور اور کراچی یونیورسٹی سے الگ الگ دو مختلف موضوعات پر تحقیقی مقالے لکھ کر پی ایچ ڈی کی ۲ ڈگری حاصل کر چکے ہیں۔

۱۹۸۴ء میں کے ڈی اے نے جامعہ دراسات اسلامیہ کو گلشن اقبال میں مین یونیورسٹی روڈ پر ۱۵۰۰۰ مربع گز پر مشتمل ایک قطعہ اراضی الاٹ کیا جہاں اب جامعہ اپنے تدریسی پروگرام کے ساتھ ساتھ تعمیری مراحل بھی طے کر رہی ہے۔ جامعہ کا نظام ایک باقاعدہ رجسٹرڈ ٹرسٹ کے تحت چل رہا ہے اور اس کے حسابات کا سالانہ آڈٹ کرایا جاتا ہے جبکہ جامعہ کے بانی ایک غیر متعصب سنی حنفی مسلمان ہیں اور جامعہ ازہر سے قلبی لگاؤ کی بناء پر جامعہ دراسات میں بھی وہی کورسز مقرر کئے

marfat.com

گئے ہیں جو جامعہ ازہر کے متعلقہ شعبوں میں رائج ہیں۔

فی الوقت جامعہ میں مندرجہ ذیل تدریسی شعبہ جات قائم ہیں:

۱۔ مرکز اللغۃ العربیہ (غیر عرب طلباء کیلئے عربی زبان کی تعلیم کا مرکز):

اس شعبہ میں طلبہ صبح کے اوقات میں حفظ قرآن اور بعد دوپہر عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ اس شعبہ میں مدت تعلیم دو سال ہے اور عربی زبان کی تعلیم کے لئے جو کورس مقرر کیا گیا ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو وزارت تعلیم حکومت سعودی عرب نے غیر عرب طلباء کے لئے اپنے مختلف اداروں میں رائج کر رکھا ہے۔ کورس کی کتابیں وزارت تعلیم حکومت سعودی عرب کی فراہم کردہ ہیں۔ ذریعہ تعلیم (Medium) عربی ہے اور عرب اساتذہ ہی فرائض تدریس انجام دے رہے ہیں۔ اس شعبہ سے گزشتہ پانچ سالوں میں سینکڑوں پاکستانی اور غیر ملکی طلباء مستفید ہو چکے ہیں۔

۲۔ اعدادی وثانوی تعلیم کا شعبہ:

یہ دو الگ الگ مرحلے ہیں مرکز اللغہ سے فارغ ہونے والے طلباء نیز اسی استعداد کے مالک دیگر مدارس و جامعات کے طلباء کو ان مراحل میں داخلہ دیا جاتا ہے۔ یہ دونوں مرحلے بالترتیب تین اور چار سال میں مکمل ہوتے ہیں، ان میں عرب اساتذہ عربی ادب کے علاوہ فقہ، حدیث، تفسیر، منطق، ریاضیات، کیمسٹری، فزکس، پاکستان اسٹڈیز، جنرل سائنس اور انگلش کے مضامین پڑھاتے ہیں۔ ان مراحل کی کتب جامعہ ازہر سے درآمد کردہ ہیں اور مدرسین بھی جامعہ ازہر کے ایگریمنٹ پر دو دو سال کے لئے پاکستان آتے ہیں، ان کے اخراجات حکومت مصر اس ثقافتی معاہدے کے تحت برداشت کرتی ہے جو حکومت مصر و پاکستان کے مابین طے شدہ ہے ان مراحل کی اسناد کا جامعہ ازہر سے باقاعدہ معادلہ (Equivalence) ہے اور تمام مراحل میں طریقہ تدریس عربی ہے۔ آئندہ سالوں میں ان مراحل کی اسناد جامعہ ازہر سے جاری ہوں گی اور امتحانات کے لئے جامعہ ازہر کا وفد ہر سال پاکستان آیا کرے گا۔

marfat.com

۳۔ كلية الدعوة واصول الدين: (COLLEGE):

یہ جامعہ کا گریجویشن لیول کا شعبہ ہے، جس میں مدت تعلیم چار سال ہے۔ ثانوی مرحلہ کے کامیاب طلبہ اس شعبہ میں داخلہ حاصل کرنے کے مجاز ہیں اس شعبہ کی اسناد کا کلیۃ الدعوۃ الاسلامیہ طرابلس سے علمی معادلہ (Equivalence) ہے نیز جامعہ ازہر مصر سے بھی معادلہ ہو چکا ہے۔

۴۔ شعبہ ماجستیر :(Post Graduation):

اس شعبہ میں ایم اے کی کلاسیں ہیں، کامیاب طلبہ کو ملنے والی سند "شہادۃ ماجستیر" ہے جو پاکستانی جامعات کے ایم اے عربی/ اسلامیات کے مساوی ہے۔

جامعہ دراسات کی امتیازی خصوصیات:

۱۔ دیگر جامعات و مدارس کے برعکس اس جامعہ میں ذریعہ تعلیم عربی ہے جس کی افادیت مسلمہ ہے جامعہ کے شعبہ مرکز اللغہ میں داخلہ لینے والے طلبہ صرف تین ماہ کے عرصہ میں عربی بولنے پر قدرت حاصل کر لیتے ہیں، پاکستان میں ایسے ادارے بہت ہی کم ہیں جہاں ذریعہ تعلیم عربی ہو۔

۲۔ جامعہ دراسات میں ہر فرقہ کے طلبہ زیر تعلیم ہیں مگر جامعہ کی فضاء فرقہ ورانہ تعصب سے پاک ہے۔ ایسا ماحول شاید ہی کہیں دیکھنے میں آئے غالباً یہ ملک کی واحد جامعہ ہے جس پر کسی مخصوص فرقہ کی چھاپ نہیں اور اس کی بڑی وجہ خود بانی جامعہ کی اعتدال پسندی اور فرقہ واریت سے نفرت ہے باوجودیکہ جامعہ میں ہر فرقہ و مسلک سے تعلق رکھنے والے طلبہ کی ایک بڑی تعداد زیر تعلیم ہے مگر کبھی بھی ان کے مابین فرقہ ورانہ نزاع نے جنم نہیں لیا ہے کہ وہ فروعی اختلافات کو بھلا کر دین کے اساسی مسائل و معاملات پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں اور یوں فرقہ ورانہ تعصب سے پاک ماحول قائم ہے۔

۳۔ اس جامعہ کی اسناد کا بیرونی دنیا کی جامعات سے معادلہ (Equivalence) ہے خصوصاً سعودی عرب، مصر، کویت، شام اور لیبیا کی معروف جامعات، عموماً یہاں کے کسی بھی شعبہ کے فارغ التحصیل طالب علم کو اگلے مرحلے میں ان جامعات میں بآسانی داخلہ مل جاتا ہے۔

marfat.com

جامعہ دراسات کے بانی خود ایک عالم، ممتاز اسکالر اور مختلف اسلامی موضوعات پر کئی ایک کتب کے مصنف، مولف یا محقق ہیں۔ وہ خود جدید و قدیم علوم سے مزین شخصیت کے مالک ہیں اس لئے وہ اپنے طلباء کو بھی علمی میدان میں ترقی کے انتہائی درجہ پر فائز دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے شب و روز ایک کئے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالجواد (بانی جامعہ):

آپ ۱۹۷۲ء میں جامعہ ازہر کی طرف سے حکومت پاکستان کو دیئے جانے والے ان مصری اسکالرز میں شامل تھے جن کی خدمات حکومت پاکستان نے پاکستان میں فروغ عربی کے لئے حاصل کی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کو ابتداءً ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد میں بطور ریسرچ اسکالر تعینات کیا گیا جہاں آپ نے ایک سال تک خدمات انجام دیں اسی دوران جامعہ ازہر نے حکومت پاکستان کو یاد دہانی کرائی کہ ازہر نے یہ اسکالرز چونکہ پاکستان میں تدریس عربی کے لئے بھیجے ہیں لہٰذا انہیں مدارس، کلیات یا جامعات میں متعین کیا جائے، چنانچہ جامعہ ازہر کے ایماء پر استاد عبدالجواد کا تبادلہ اسلام آباد سے کراچی ہوا، جہاں آپ کو دارالعلوم امجدیہ میں تدریس عربی کے لئے تعینات کیا گیا، کراچی کی اس معروف دینی درسگاہ میں تدریس کے عرصہ میں ان کی ملاقات کراچی میں مقیم دیگر عرب باشندوں سے ہوئی اور یوں ثانی بن عبداللہ سے تعارف ہوا، جو اس وقت متحدہ عرب امارات کی نیشنل کونسل کے اسپیکر تھے۔ شیخ ثانی بن عبداللہ ایک علم دوست اور خدا ترس شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے کراچی میں بے شمار مدارس و مساجد تعمیر کروائیں۔ انہی میں سے ایک مدرسہ پنجاب کالونی (ڈیفنس) میں دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ کے نام سے قائم ہے، شیخ ثانی بن عبداللہ، دارالعلوم قمرالاسلام کے محسنین و معاونین میں سے تھے، چنانچہ انہوں نے استاد عبدالجواد کو اس مدرسہ میں تدریسی و انتظامی معاملات کے سلسلہ میں تعاون کی ترغیب دلائی اور یوں موصوف دارالعلوم امجدیہ سے دارالعلوم قمرالاسلام منتقل ہوئے چونکہ موصوف کا اصل تعلق جامعہ ازہر سے تھا، اس لئے وہ جامعہ ازہر کی اجازت کے بغیر یہاں تدریسی خدمات انجام نہ دے سکتے تھے، چنانچہ شیخ ثانی بن عبداللہ نے وزارت تعلیم متحدہ عرب امارات کے توسط سے موصوف کی خدمات جامعہ ازہر سے مستعار لے لیں ایک عرصہ تک دارالعلوم قمرالاسلام میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد ایک

marfat.com

سال کے لئے دبئ بھیجے گئے جہاں وہ وزارت تعلیم متحدہ عرب امارات کے تعلیمی اداروں میں پڑھاتے رہے، پھر شیخ ثانی بن عبداللہ نے کراچی میں جامعہ ابوبکر الاسلامیہ کے لئے ان کی خدمات حاصل کیں اور یوں وہ جامعہ ابوبکر میں بطور عمید کلیہ الحدیث اور مدیر تعلیم نو سال تک خدمات انجام دیتے رہے اسی کے ساتھ ساتھ وہ جامعہ کراچی کے شعبہ عربی میں آٹھ سال تک تدریس سے منسلک رہے اسی دوران انہوں نے اپنی مصری شہریت (Nationalty) کو برقرار رکھتے ہوئے حکومت پاکستان سے پاکستانی شہریت کے حصول کے لئے درخواست کی جو منظور کر لی گئی اور یوں ۱۹۸۷ء میں انہیں باقاعدہ پاکستانی شہریت مل گئی۔

۱۹۸۸ء کے اواخر میں جامعہ کراچی کے (اس وقت کے) وائس چانسلر ڈاکٹر منظور الدین احمد نے ڈاکٹر عبدالجواد کی علمی و تحقیقی تدریسی مہارت کے پیش نظر ان سے عربی زبان میں ایک ''مجلّہ'' شائع کرنے کے سلسلہ میں ان کی خدمات طلب کیں اور انہیں شیخ زاید اسلامک سینٹر جامعہ کراچی میں بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر تعینات کیا اور بی اے آنرز کو عربی کے مضامین پڑھانے کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ عربی مجلّہ ''الوعی'' کا ایڈیٹر مقرر کیا چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی کوششوں سے جامعہ کراچی کا علمی مجلّہ عربی زبان میں الوعی کے نام سے شائع ہونا شروع ہوا۔

پاکستان میں اپنے طویل قیام کے دوران موصوف کے جن عرب باشندوں سے تعلقات بنے موصوف نے انہیں پاکستان کی خدمت کی طرف متوجہ کیا اور اپنے ان تعلقات کو پاکستان کے لئے خوب خوب استعمال کیا، چنانچہ انہوں نے کراچی میں مقیم بعض اہل ثروت عربوں سے کراچی سے لے کر پشاور تک مساجد و مدارس کا جال بچھا دینے کا کام کروایا اور یوں تعمیر مساجد و مدارس میں ان کی خدمات پاکستانی قوم کے لئے حاصل کیں۔

دارالعلوم امجدیہ ہو یا قمرالاسلام سلیمانیہ، جامعہ فاروق اعظم ہو یا جامعہ ابوبکر، غرضیکہ سنی، دیوبندی اور اہل حدیث سبھی مسلک کے اداروں سے تعاون کیا اور بلاتعصب سب کی علمی و مادی ترقی میں بھرپور کردار ادا کیا۔

علاوہ ازیں کراچی کے سوک سینٹر کی خوبصورت مسجد، جامعہ کراچی کے اسٹوڈنٹس ہاسٹل کی مسجد، گلشن اقبال کی مدنی مسجد، کلفٹن کی جامع نوریہ رضویہ اور پشاور کی مسجد درویشیہ، ڈاکٹر صاحب کی خدمات کی جیتی جاگتی یادگاریں ہیں۔

marfat.com

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مرحوم صدر ضیاء الحق نے ڈاکٹر صاحب کی خدمات کو کئی بار سراہا۔ کراچی میں جامعہ دراسات اسلامیہ قائم کر کے ڈاکٹر صاحب نے پاکستان اور جامعہ ازہر کے مابین فاصلوں کو سمیٹ دیا ہے اور نہ صرف یہ بلکہ ایشیائی ممالک کے لئے ایشیاء ہی میں جامعہ ازہر کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ جامعہ دراسات کے تمام شعبوں کے سلیبس، کتابیں اور اساتذہ جامعہ ازہر سے حاصل کر کے ڈاکٹر صاحب پاکستان میں قائم تمام جامعات پر ایک فوقیت حاصل کر چکے ہیں اور یوں پاکستان میں ایک ''منی جامعہ ازہر'' قائم ہے جس سے پاکستانی طلبہ کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ کم و بیش ۲۷ مختلف ممالک کے طلبہ مستفید ہو رہے ہیں۔

اس وقت ۴۵۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں جن میں پاکستان کے علاوہ چین، تھائی لینڈ، فلپین، سری لنکا، ملائیشیا، افغانستان، جزر القمر، فرانس، سینیگال، صومال، چاڈ، مالی، مالدیپ، یمن، جنوبی افریقہ، نائیجیریا، ترکی، یوگینڈا، الجزائر، مراکش اور زمبابوے کے طلباء کی موجودگی جامعہ دراسات کو ایک انٹرنیشنل درسگاہ کا رنگ دیئے ہوئے ہے۔

اندرون و بیرون ملک سے آئے ہوئے طلبہ نے اپنے اپنے علاقوں میں جامعہ کی وہ شہرت کی ہے کہ اب ہر سال گنجائش سے کہیں زیادہ طلبہ داخلہ کے خواہش مند ہوتے ہیں اور سینکڑوں امیدواروں کو محدود نشستوں کے سبب داخلہ نہیں مل پاتا۔

جامعہ کی اس مقبولیت سے جہاں جامعہ، اس کے بانی اور پاکستان کا وقار بلند ہوا ہے، وہیں اس شہرت و مقبولیت نے بہت سے مسائل کو بھی جنم دیا ہے اور روایتی بغض و حسد مجسم طور پر جامعہ کی ترقی کی راہ میں سدراہ ہو رہا ہے چنانچہ ایسے ہی بعض معاملات اس حد کو پہنچ گئے کہ جامعہ کا وجود خطرہ میں پڑ گیا۔ بعض مفسدین اور حاسدین نے تو خود بانی جامعہ کو پاکستان بدر کروانے اور جامعہ کو بحران سے دوچار کرنے کی انتہائی حدود کو چھولیا اسی کا ایک شاخسانہ یہ ہے کہ ۱۴ رمئی ۱۹۹۲ء کو نمازِ فجر کے وقت مسلح غنڈوں کے ایک گروہ نے جامعہ پر ہلہ بول دیا، نمازیوں، طلبہ اور ملازمین کو ہراساں کیا اور کچھ دیر تک انہیں یرغمال بنائے رکھا۔

بدقسمتی سے کرائے کے غنڈوں کی قیادت ایک ایسا شخص کر رہا تھا جس کا تعلق اس تعلیمی ادارے سے ہے جہاں ڈاکٹر عبدالجواد نے نو سال تک خدمات انجام دیں اور اس ادارے کی تعمیر و ترقی کے لئے اپنے تمام تر وسائل کو استعمال کیا اسے حسد کی آگ کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ

marfat.com

ایک ادارہ دوسرے کے وجود کو برداشت کرنے کیلئے تیار نہ ہو وہی جامعہ ابوبکر جسے پروان چڑھانے میں ڈاکٹر عبدالجواد نے خون پسینہ ایک کیا تھا، اسی جامعہ کا ایک ذمہ دار شخص آج موصوف کی جامعہ پر مسلح غنڈہ گردی کی قیادت کر رہا تھا، مسلح گروہ نے دفاتر میں توڑ پھوڑ کی، بعض چوکیداروں کو مارا پیٹا اور اسلحہ کے زور پر ان سے چابیاں چھین لیں۔ طلبہ کو جامعہ کے لان پر جمع کر کے گن پوائنٹ پر ان سے جامعہ کے بانی کے خلاف نعرے لگوائے اور واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ اگر طلبہ یا ملازمین نے مزاحمت کی تو کلاشنکوفوں کی گولیاں ان کا سینہ چھلنی کرنے میں دیر نہیں کریں گی۔

مسلح حملہ بڑی پلاننگ سے کیا گیا اور واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پیشگی منصوبہ بندی کی گئی تھی، جامعہ ابوبکر کے فضل القادر صدیقی نے عدالت کو دھوکہ دے کر اپنے آپ کو جامعہ کا پرنسپل اور جامعہ کا انتظام چلانے والی گورننگ باڈی کا چیئرمین ظاہر کیا اور اپنے حق میں (Statisquo) حاصل کیا، اپنی حمایت کے لئے اس گورننگ باڈی میں ظفر اللہ کو جو جامعہ ابوبکر کے پرنسپل اور جامعہ کراچی کے ملازم ہیں، ممبر ظاہر کیا، علاوہ ازیں شعبہ عربی جامعہ کراچی کے چیئرمین ڈاکٹر جمیل احمد اور ڈیلی نیوز کراچی کے رپورٹر عمر عالم خان اور منصور حسین عطار کو اس شیڈو کابینہ کا رکن ظاہر کیا اور یوں ان حضرات کی آشیرباد حاصل کر کے مسلح حملہ اور قبضہ کی اسکیم تیار کی لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ اب کچھ عرصہ سے ڈاکٹر صاحب کو ہراساں کیا جا رہا ہے اور انہیں ملک چھوڑنے کے لئے دباؤ کا سامنا ہے۔

ایک ایسا شخص جس نے اپنا وطن چھوڑ کر اپنی زندگی کا قیمتی حصہ پاکستان کی محبت اور پاکستانیوں کی خدمت میں صرف کیا ہو، کیا پاکستانی قوم اور حکومت پاکستان سے اسے اسی قسم کے سلوک کی توقع رکھنی چاہیے؟ کیا وہ شخص جس نے حکومت پاکستان یا پاکستانی قوم سے ایک پائی مانگے بغیر وطن عزیز پاکستان کو جامعہ دراسات کی شکل میں ایک عظیم درسگاہ دی ہو اور اپنی ذاتی محنت و کاوش سے تعمیر وطن کے جذبہ سے ۱۸ سال خدمات انجام دی ہوں کیا وہ ایسے ہی سلوک کا مستحق ہے؟

وہ حکومت پاکستان سے پوچھتے ہیں کہ کیا پاک وطن میں جھوٹی شکایات کی بناء پر محب وطن افراد کے ساتھ سرکاری اہلکار اسی قسم کا سلوک کرتے اور حکومت ان کی سیہ کاریوں سے بے خبر رہتی ہے؟

نوٹ: (بالآخر ڈاکٹر عبدالجواد حالات سے تنگ ہو کر مستقل مصر چلے گئے اور جامعہ پر لشکر طیبہ نے قبضہ کر لیا)۔

marfat.com

آئندہ صفحات میں پیش کردہ مضمون

جہدِ مسلسل کی کہانی

ماہنامہ کاروانِ قمر کراچی میں شائع ہوا

marfat.com

جہد مسلسل کی کہانی

یہ سپاسنامہ اکتوبر ۱۹۹۷ء میں جبیس ہوٹل کراچی میں مولانا محمد صحبت خان کوہاٹی کے اعزاز میں منعقدہ ایک تقریب پذیرائی میں راقم نے پیش کیا۔

وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُہٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ○

یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ لوگو تم (بھلائی) کے کام کرو (تو) اللہ اور اس کا رسول اور اہل ایمان تمہارے کاموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

حاضرین!

آج ہم جس کام کی پذیرائی کے لئے یہاں جمع ہیں وہ ایک فاضل نوجوان کا سیرت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر لکھا جانے والا وہ مقالہ ہے جسے وزارتِ مذہبی امور حکومتِ پاکستان کی طرف سے اس بار کل پاکستان بین الطلباء تحریری مقابلۂ سیرت میں پہلا صدارتی ایوارڈ دیا گیا ہے۔ اس مقالہ کی علمی و تحقیقی حیثیت سے متعلق تاثرات تو محققین و علماءِ کرام ہی کے ہوں گے، میں آپ کو ایک کہانی سنانا چاہتا ہوں۔

کسی زمانہ میں بوڑھی مائیں رات کو اپنے بچوں کو سبق آموز کہانیاں کچھ اس دلنشیں انداز میں سنایا کرتی تھیں کہ بچپن ہی سے اسلاف کی تاریخ، ان کی بہادری و جوانمردی کے کارنامے یا ان کی علمی و روحانی شخصیات کے نقوش بچوں کے ذہن پر کم سنی ہی میں مرتسم ہو جایا کرتے تھے، اور تاریخ و سوانح یاد کرانے کا یہ ایک عمدہ اسلوب تھا۔ میں نہ تو بوڑھی ماں ہوں، نہ میرا اسلوب عمدہ ہے اور نہ سامعین بچے ہیں نہ حاضرین کم سن۔

اور میرا اندازِ بیاں بھی...... گرچہ بہت شوخ نہیں ہے۔ مگر اس امید کے ساتھ کہ شاید کہ کسی دل میں اتر جائے، میری بات۔ میں اپنی کہانی کا آغاز کرتا ہوں۔

بزرگوں سے سنا ہے کہ صوبہ سرحد کے ایک دور افتادہ گاؤں میں کسی زمانہ میں،

marfat.com

صوفیاء سے عقیدت و محبت رکھنے والا ایک گھرانہ آباد تھا، اس گھرانے کا سربراہ لعل باز خان ہر روز علی الصبح اپنے ننھے منے لختِ جگر کو مسجد بھیجا کرتا تھا تاکہ وہ اپنے آبائی مذہب (اسلام) کی مبادیات سیکھ لے۔

نونہال اپنی خداداد فہم و ذکاء کی بدولت تیزی سے ''میراثِ مؤمن'' سمیٹنے میں لگا ہوا تھا، ماں اپنے نورِ نظر کو جلد حافظِ قرآن دیکھنا چاہتی تھی۔ عزیز و اقارب اسکول کی تعلیم کا مشورہ دیتے تھے اور احباب فکرِ معاش کا درس۔

بچے کے والد نے اپنے جگر گوشہ کو دین و دنیا کی بھلائی سے مالا مال کرنے کے لئے اسکول میں بھی داخل کروا دیا اور مکتب کی تعلیم بھی جاری رہی۔

اس گھرانے کے روحانی پیشوا، گاہے گاہے اپنے مریدین کی فرمائش پر علاقے کا دورہ فرماتے رہتے تھے، ایک روز سلسلۂ ہمدانیہ کے ایک بزرگ حضرت پیر سید امیر عالم شاہ صاحب مدظلہ اس گاؤں میں تشریف لائے اور لعل باز خان کے ڈیرے کو رونق بخشی۔ لعل باز خان کا بیٹا اب بزرگوں کی کفش برداری کے لائق ہو گیا تھا اور اسے اپنے لئے اعزاز سمجھنے لگا تھا۔ بزرگ سید صاحب نے بچے کے نقش دیکھ کر اندازہ لگا لیا کہ اگر اس کی تربیت مناسب انداز سے ہو جائے تو یہ گلشنِ مصطفوی کا مہکتا ہوا پھول بن کر، خوشبوئے علم سے اک عالم کو معطر اور نورِ عرفاں سے اک جہاں کو منور کر سکتا ہے۔

چنانچہ سید صاحب کے ایماء پر اس بچے کو شہر بھیجنے کا فیصلہ ہوا اور ۱۹۷۲ء میں اسے کراچی کی فضاؤں سے محمد صحبت خان کے نام سے متعارف کروایا گیا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب کراچی میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ سیالویہ کے ہمدانی بزرگ جناب سید ابوالحسن شاہ منظور ہمدانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کراچی میں دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ کے نام سے سلسلۂ قیل و قال شروع کر چکے تھے۔

ننھا صحبت خان، بزرگوار سید ابوالحسن شاہ منظور ہمدانی صاحب یا ابوالازہر سید عظمت علی شاہ صاحب ہمدانی مدظلہما کے لئے اجنبی نہیں تھا کیونکہ دونوں اصحابِ فضل و مجد

marfat.com

متعدد بار اس کے غریب خانہ کو رونق بخش کر اس کے سر پہ دستِ شفقت رکھ چکے تھے اور گاؤں کے مکتب سے کراچی کے دارالعلوم منتقلی کے عمل کے محرک اول حضرت پیر سید امیر عالم شاہ صاحب، قبلہ بڑے شاہ صاحب کے ماموں اور چھوٹے شاہ صاحب کے عمِ محترم ہیں۔

صحبت خان کے خاندان میں آلِ رسول اور سادات کی خدمت کا دستور نسلوں سے متوارث چلا آتا ہے اور یوں ساداتِ ہمدان سے یہ رشتۂ عقیدت و محبت پشتوں سے قائم ہے

صحبت خان کو حفظِ قرآن کا مشن سونپ کر والدین نے رخصت کیا تھا مگر دارالعلوم پہنچ کر شعبۂ حفظ کے اُس وقت کے مسئول و منتظم سے مزاجی عدمِ مطابقت نے رجحان بدل دیا اور صحبت خان نے شعبۂ درس نظامی میں داخلہ لے لیا جہاں حضرت علامہ مولانا حافظ اللہ بخش اویسی صاحب دامت برکاتہم العالیہ جیسی مشفق و مہربان شخصیت مسندِ تدریس پر جلوہ افروز تھی، صاحبِ بصیرت استاذِ محترم کی نگاہِ کیمیا اثر نے وہ رنگ دکھایا کہ صحبت خان نے حفظِ قرآن کے مشن کو فراموش کیے بغیر علم شریعت میں تفقہ پر توجہ مرکوز کر دی۔ مدرسہ کے اساتذہ نے بھی خصوصی توجہ سے پڑھایا اور یوں یہ ننھا منا پودا پروان چڑھنے لگا۔

حضرات محترم!

مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ جس طرح فرد کی اصلاح و بگاڑ میں معاشرہ دخیل ہوتا ہے، ایسے ہی شاگرد کی تربیت میں استاذ کا بڑا عمل دخل ہے، قابل، شفیق اور مہربان استاذ، طالب علم کے بختِ خفیہ کو بیدار کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے اور اسے ایقاظ و عرفاں سے آشنا کر کے معاشرہ کا ایک بہترین فرد بنا دیتا ہے، جبکہ کسی معلم کی ناخوش اندیشی، بے بصیرتی اور قبح تصرف سے طالب علم میں علم سے بیزاری پیدا ہوتی ہے بلکہ کبھی تو استاذ کا مزاج طالب علم کو دین کی راہ سے بیگانگی و فرار کی راہ پر بھی ڈال دیتا ہے۔ شاید کسی ایسی ہی تلخ حقیقت و کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے علامہ اقبال نے کہا تھا:

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں، نہیں خوئے دلنوازی

marfat.com

اور

کسے خبر، کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

مگر مولانا صحبت خان نے سفینے کا رخ موڑ کر اسے ڈوبنے سے بچا لیا اور پھر صحبت خان عزم و استقلال کے اعتبار سے واقعی چٹان سے سخت پٹھان واقع ہوئے، درسِ نظامی بھی جاری رہا اور از خود سلسلۂ حفظ قرآن بھی۔ منزل چودہ پارے کو پہنچی تو باجازتِ مشائخ فیصل آباد چلے گئے اور جامعہ امینیہ رضویہ میں تکمیل حفظِ قرآن کر کے سند تحفیظ و تجوید پائی۔

واپس آ کر درسِ نظامی مکمل کیا۔ فاضل عربی کا امتحان بورڈ میں سیکنڈ پوزیشن لے کر پاس کیا اور تیز تر و گامزن منزلِ ما دور نیست پر عمل پیرا رہے۔

حضراتِ محترم!

میری کہانی شاید کچھ طویل اور بور لگ رہی ہو اور اس کے متعدد اسباب ہیں ان میں سے معذرت کے ساتھ ایک سبب عرض کروں تو وہ یہ بھی ہے کہ ہم زندہ قوم ہونے کے دعویدار، مردہ پرست واقع ہوئے ہیں، کسی بڑے سے بڑے عالم، فقیہ، صوفی بزرگ یا استاذ کی زندگی میں اس کے بارے میں چند تعریفی کلمات کہنا تو دور کی بات ہے، سننا بھی گوارا نہیں کرتے اور بعد از مرگ اسی کو قطب الاقطاب اور فخر العلماء سے کم القاب سے یاد کرنا عیب گردانتے ہیں۔

علامہ ازہری مرحوم بڑے بذلہ سنج بزرگ تھے، فرماتے تھے بھئی سوانح وہ جو کسی کی زندگی میں لکھی جائے، پس از مرگ واویلا سے کیا حاصل؟

مولانا صحبت خان نے انٹر، بی اے اور ایم اے اسلامیات کے امتحانات فرسٹ کلاس فرسٹ میں پاس کیے اور تنظیم المدارس کے امتحان برائے الشہادۃ العالمیہ میں بھی وہ اپنا ریکارڈ قائم رکھتے ہوئے کامیاب ہوئے۔ دارالعلوم کے سالانہ امتحانات میں وہ ہمیشہ تمام طلبہ پر سبقت لے جاتے رہے۔ مولانا بڑے محنتی شخص ہیں، انہوں نے جو اسناد اور شہادات حاصل

marfat.com

کی ہیں وہ سب کی سب ''غیر منقولہ'' ہیں، وہ کبھی بھی کسی ایسی بھیڑ میں نہیں گئے جہاں کوئی اندھا ریوڑیاں، یا اسناد کی خیرات بانٹ رہا ہو، مجھے یاد پڑتا ہے کہ ہم نے ایم اے کا امتحان ایک ساتھ دیا تھا اور جب دورانِ امتحان امیدواروں کو نقل عام کی اجازت مل گئی تو مولانا نے میری طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور پھر ہم دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور امتحان کا بائیکاٹ کر کے چلنے لگے، ہمارا احتجاج نوٹ کیا گیا اور پھر کمرہ امتحان میں سکون ہوا۔ مولانا موصوف مجھ سے عمر میں تین سال چھوٹے مگر علم و فضل میں دو ہاتھ بڑے ہیں، ہم نے مل کر Students Politics بھی کی ہے، انجمن طلبہ مدارس عربیہ کے قیام سے انجام تک مولانا سرگرم رکن رہے انہوں نے کراچی کی سطح سے لے کر مرکز تک کام کیا اور انجمن کی مرکزی جنرل سیکرٹری شپ تو انہیں ہماری خلافت میں ملی۔

صحبت خان کو لکھنے پڑھنے اور بولنے کا شوق شروع سے رہا۔ انہوں نے شروع شروع میں مولانا عبدالرحمٰن بخاری سے تحریری مقابلہ کیا جو ان دنوں قائداعظم لائبریری لاہور کے گوشہ تحقیق سے بطور محق (Research Officer) وابستہ ہیں* اور آج کل ٹیلیویژن کی اسکرین پر جمعہ کے جمعہ ایک مفید دینی پروگرام میں جلوہ فرما نظر آتے ہیں۔ (یہ مقابلہ اس زمانہ کی بات ہے جب وہ قمرالاسلام میں زیرِ تعلیم تھے)۔ قمرالاسلام نے خاصے مردانِ کار پیدا کئے ہیں مگر وہ ٹوٹی ہوئی تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر گئے ہیں، انہیں مربوط کرنے کی ضرورت ہے، امید ہے انتظامیہ اس طرف توجہ کرے گی۔

سوانح حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مولانا صحبت خان کا پہلا تحریری مضمون تھا اس کے بعد متعدد مضامین لکھے، بچوں کے لئے تقاریر پر مشتمل ان کا ایک تحریری مجموعہ شعلہ آواز کے نام سے دادِ تحسین پا چکا ہے۔

سیرت ایوارڈ حاصل کرنے سے قبل وہ ادارہ قومی تشخص لاہور کے زیر اہتمام منعقدہ کل پاکستان مقابلہ مضمون نویسی میں دو بار سیکنڈ ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں، ان کے معروف فکر انگیز مضامین کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

---

* ان دنوں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کی دعوہ اکیڈمی سے وابستہ ہیں۔

marfat.com

۱۔ اسلامی نظام اور مغربی نظام کا تصادم، ہمارا المیہ۔

۲۔ غیر اسلامی دنیا کی یلغار کا مقابلہ دوقومی نظریہ کے فروغ سے ہی ممکن ہے۔

۳۔ علامہ اقبال اور وحدت اسلامی۔

۴۔ اسلام میں حقوق وفرائض کا تصور۔ (تعلیمات نبوی کی روشنی میں)

مولانا صحبت خان نے زمانۂ طالب علمی میں بین المدارس تقریری مقابلوں میں بارہا شریک ہوکر ہر بار فرسٹ انعام حاصل کر کے قمرالاسلام کو سرخرو کیا۔ علاوہ ازیں PTV کے معروف مذہبی پروگرام ''فرمانِ الٰہی'' میں چودہ کامیاب تقریریں کرنے کا اعزاز موصوف کے ریکارڈ پر ہے۔

گزشتہ دس سال سے بابِ رحمت کے ممبر پہ کھڑے لوگوں کو رحمتِ خداوندی کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور چوہدری خلیق الزماں مرحوم کی روح اپنی کالونی والوں سمیت حضرت کے وعظ وتذکیر سے مستفید ہو رہی ہے۔

آپ نے ملک کے نامور عالمِ دین جامعہ کراچی کے شعبۂ معارفِ اسلامی کے پہلے صدر حضرت مولانا منتخب الحق القادری سے صحاح ستہ سبقاً سبقاً پڑھ کر دورۂ حدیث کے بعد دارالعلوم قمرالاسلام سلیمانیہ میں اساتذہ و منتظمین کے اصرار پر سلسلۂ تدریس شروع کیا اور گزشتہ دس برس سے اس خدمت میں مشغول ہیں۔

انہوں نے قمرالاسلام کی طویل خدمت کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ اور اپنی خوبصورت جواں صلاحیتیں اس ادارہ کی ترقی وخوشحالی، نیک نامی وشہرت کے لئے وقف کر ڈالیں، اپنی مادرِ علمی کی جو خدمت انہوں نے کی ہے ہماری آرزو ہی رہی کہ ہم بھی ایسا ہی کرتے مگر...... کیا کریں، ہمارے ''اقبال'' نے ہمیں کہیں ٹکنے نہیں دیا۔ وہ یہ کہتا رہا۔

خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

ہم پر بس اسی دوسرے مصرعے کا اثر کچھ زیادہ ہوگیا۔

marfat.com

حضراتِ محترم!

جدید تحقیق نگاری کے ماہر استاذ پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب تشریف فرما ہیں۔
وہ جانتے ہیں کہ کوئی بھی مقالہ اس وقت تک مکمل متصور نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے مصادر و مراجع کا ذکر نہ کیا جائے اور اس کا Conclusion یعنی تتمہ یا نچوڑ پیش نہ کر دیا جائے اور میری اس گفتگو کے مراجع و مصادر الحمدللہ بڑے وقیع ہیں۔ ایک تو خود ممدوحِ محترم، دوسرے حضرت قبلہ شاہ منظور ہمدانی صاحب اور تیسرے خود مابدولت، چنانچہ اگر کہیں کوئی روایتی اونچ نیچ ہو تو وہ میری طرف سے ہو گی۔

مقالہ کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے میں کہوں گا کہ یہ مختصر المعانی سی......
منکسر المزاج سی...... شخصیت، اپنے آپ میں ایک مکمل انجمن ہے۔

دوسرے لفظوں میں:

صحبت خان، نام ہے تحریر کا، تقریر کا، فضل کی تصویر کا اور علم کی تنویر کا، وہ ہے نام اک حسن کی تدبیر کا اور عشق کی تقدیر کا۔

جو کہ قیدی، ہے قمر کی، زلف کی زنجیر کا، اور شاہِ ہمداں پیر کا۔
وہ ہے نام اک، محسنوں کے ویر کا اور دوستوں کے، باوفا اسیر کا۔
یہ مختصر قصہ ہے، اک فقیر کا، نہ رانجھے، نہ ہیر کا، آج کی محفل کے دولہا...... میر کا۔
میرے دوست...................."مبارک ہو۔"

اللہ تمہیں مزید کامیابیوں سے نوازے...... قرطاس و قلم پہ تمہارا قبضہ اور الفاظ و معانی پہ تمہاری حکمرانی ہو...... تحریر خانم تمہاری خوبصورت باندی بنے...... اور تم جگ بھر میں میٹھے بولوں کے جادو جگاؤ...... اللہ تمہیں سلامت رکھے، تاقیامت رکھے...... اور مادرِ علمی...... یعنی اماں قمرالاسلام...... تمہاری ثمر بار جوانی...... کی بہاریں دیکھیں

بھیا.............. یہ بلائیں ہیں...... اک ناکارہ...... بڑے بھائی کی...... جسے تمہارے سکون سے راحت...... اور غم سے بے چینی ہوتی ہے۔

اللہ تمہیں دنیا و آخرت میں سرخرو فرمائے۔

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

marfat.com

آئندہ صفحات میں پیش کردہ مضامین

حسب ذیل جرائد میں شائع ہوئے

ا۔ برونئی

ہفت روزہ آئین لاہور	۱۵ ستمبر ۱۹۸۸ء

۲۔ دور وینز ویلا میں

ہفت روزہ آئین لاہور	۱۵ اکتوبر ۱۹۸۸ء

۳۔ عمان سلطان قابوس کی قیادت میں

ماہنامہ ساحل کراچی	نومبر ۱۹۹۲ء
ماہنامہ کاروانِ قمر کراچی	نومبر ۱۹۵۵ء
ماہنامہ یارانِ وطن اسلام آباد	دسمبر ۱۹۸۵

marfat.com

برونائی

یہ مضمون مجلہ التضامن الاسلامی مکہ مکرمہ میں عربی میں شائع ہوا۔ جسے راقم نے اردو میں ترجمہ کیا اور ہفت روزہ آئین لاہور نے ۱۵ر ستمبر ۱۹۸۸ء کے شمارہ میں شائع کیا۔

سلطنتِ برونائی ایشیا کے جنوب مشرق میں، ملائشیا کے شمال میں مغرب میں جزیرۂ بورنیوا کے شمال میں واقع ہے۔ اس کے پڑوسی ملکوں میں ملائشیا، انڈونیشیا، سنگاپور اور تھائی لینڈ ہیں۔

برونائی نئی مسلمان سلطنت ہے جسے ۱۹۸۴ء میں برطانوی استعمار سے آزادی حاصل ہوئی۔ آبادی ۱۹۸۰ء کی (برطانوی) مردم شماری کے مطابق کوئی دو لاکھ نفوس پر مشتمل ہے جس میں مسلمانوں کا تناسب ۸۲ فیصد ہے۔

برونائی چار صوبوں پر مشتمل ہے جن کے نام یہ ہیں: (۱) تمبورزنج، (۲) بلائیٹ، (۳) توتونج اور (۴) برونائی موارا۔

برونائی کے اکثر باشندے ملائشی الاصل ہیں جو عرصۂ دراز سے یہاں مقیم ہیں ان کے علاوہ کچھ تعداد چینی، ہندوستانی اور پاکستانی باشندوں کی ہے جو یہاں آکر آباد ہوئے۔

بعض پڑوسی ممالک، مثلاً سنگاپور، ہانگ کانگ اور انڈیا کے کچھ لوگ روزگار کے سلسلہ میں برونائی آتے تھے اور اب اس کوشش میں ہیں کہ انہیں یہاں کی شہریت مل جائے۔ جبکہ حکومت برونائی اس سے انکاری ہے اور اس کی کوشش ہے کہ برونائی کی اکثریتی آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہو۔ اسی کوشش کے نتیجہ میں ہر سال اوسطاً دو سو بیس افراد اسلام قبول کرتے ہیں۔

برونائی کی اصل زبان ملاوی (Malavi) ہے اور سرکاری خط و کتابت میں عربی حروف میں ملاوی لکھنے کا اہتمام کرنا حکومت برونائی کی خاص توجہ کا مرکز ہے۔ برونائی میں

marfat.com

عربی زبان، دینی مدارس، علماء و مشائخ، جامعہ ازہر کے اور دیگر عرب و اسلامی جامعات کے فارغ التحصیل طلبہ میں عام ہے بلکہ چھوٹے طلبہ بھی ابتداء ہی سے عربی پڑھتے ہیں اور مقامی زبان میں عربی حروف و کلمات کے دخل کی وجہ سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کو بھی عربی سے واقفیت ہے۔ انگریزوں کی آمد اور ان کے تسلط سے قبل عربی زبان یہاں کی علمی و ثقافتی زبان رہی ہے۔

پٹرول یہاں کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور قومی خزانہ کی آمدن کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ علاوہ ازیں زراعت، ربڑ سازی، لکڑی کی پیداوار اور بعض دیگر چھوٹی چھوٹی صنعتیں ملکی وسائل میں شامل ہیں۔ برونائی کے مختلف ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات ہیں اور اس کی اقتصادی حالت بہت عمدہ ہے۔ ملکی باشندوں کی خوشحالی کے اعتبار سے برونائی پوری دنیا کے ممالک میں دوسرے نمبر پر ہے۔

برونائی میں اسلام ساتویں صدی ہجری (بارہویں صدی عیسوی) میں پڑوسی ملکوں کے مسلمانوں کی آمد کے ساتھ پہنچا۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں اسلام اس سے بھی بہت پہلے اس وقت پہنچا تھا جب ملاوی ملکوں میں بتدریج مسلمان تاجروں کی آمدورفت شروع ہوئی۔ اس خطے کے لوگوں نے جب مسلمان تاجروں کا کردار دیکھا، تجارت میں ان کی سچائی اور ان کے سنہری اصول دیکھے تو وہ اسلام کے گرویدہ ہو گئے اور پھر اسلام اس خطے میں پھیلتا چلا گیا۔

پورے ملک میں اسلام کے پھیلنے کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ فرض کیا جا سکتا ہے کہ قدیم زمانہ میں اسلام سب سے پہلے دارالحکومت اور سمندر سے ملحقہ علاقوں میں پھیلا ہوگا اور پھر مرحلہ وار پورے ملک میں۔

برونائی کے زیادہ تر لوگ شافعی المذہب ہیں ملک بھر میں اس کے پیروکاروں کی مثال دوسرے ملاوی ملکوں ہی کی سی ہے۔ ملکی دستور میں کہا گیا ہے کہ:

''ملک کا سرکاری مذہب اہل سنت و جماعت کے عقیدہ کے مطابق

marfat.com

اسلام ہوگا اور برونائی کے مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اہل سنت مسلمانوں میں سے ہو اور امام شافعیؒ کے مذہب پر ہو۔''

برونائی میں اسلامی جماعتیں اور تنظیمیں بھی موجود ہیں جو ملک میں اسلامی اقدار کے فروغ کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ان میں سے سب سے اہم جماعت الجمعیة الاتحادیة الاسلامیة ہے جو دوسری جنگ عظیم کے زمانے سے قائم ہے۔ برونائی کے نوجوانوں کی تنظیم المجلس الاعلیٰ لشباب برونائی بھی معروف تنظیم ہے۔ نوجوانوں کی یہ تنظیم نوجوانوں میں اسلامی فکر پیدا کرنے، انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے اور ان میں اسلامی اخوت و اتحاد پیدا کرنے کا فریضہ انجام دینے کے ساتھ ساتھ ان کے ثقافتی، اقتصادی، تفریحی اور فلاح و بہبود کے پروگرام بھی مرتب کرتی ہے۔ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون اور ان کا شعور پیدا کرتی ہے۔ یہ تنظیم ایشیائی نوجوانوں کی تنظیم کی رکن ہے۔ نیز انٹرنیشنل یوتھ لیگ اور ورلڈ مسلم یوتھ لیگ کی بھی ممبر ہے۔

برونائی میں متعدد مساجد ہیں اور حکومت مساجد کی تعمیر و نگرانی میں گہری دلچسپی رکھتی ہے۔ ۱۹۸۲ء میں کم و بیش ۶۵ مسجدیں مکمل سہولتوں اور ضروریات کے ساتھ حکومت نے جدید طرزِ تعمیر کے مطابق تیار کروائیں اور ان سب میں معقول مشاہروں کے ساتھ آئمہ و مؤذنین کا تقرر عمل میں آیا۔ ہر محلے کے بااثر افراد پر مشتمل ایک منظم کمیٹی ہر مسجد میں قائم ہے جس کی ذمہ داری مسجد میں نماز کے اہتمام اور نمازیوں کی ضروریات و سہولیات کے انتظام کی نگرانی کرنا ہے۔ کچھ مسجدیں پانی پر تعمیر کی گئی ہیں اور یہ ایسے علاقوں میں ہیں جہاں کے لوگ دور دور تک پھیلے ہوئے پانی کے درمیان مکان بنا کر رہتے ہیں۔

مذہبی امور کے محکمہ میں ایک مستقل شعبہ دینی تعلیم سے متعلق ہے جو شہروں اور دیہات میں قائم دینی مدارس اور وہاں کے طلبہ کی تعلیم کی نگرانی کرتا ہے۔ اسکولوں کے نصاب میں بھی دینی تعلیم شامل ہے۔

برونائی کے دو عربی مدرسوں میں دینی تعلیم عربی زبان میں دی جاتی ہے اور اس

marfat.com

کے ساتھ ساتھ دیگر علمی مواد بھی پڑھایا جاتا ہے جس کی تدریس ملاوی Malavi زبان میں ہوتی ہے۔ میٹرک پاس کر لینے والے طلباء کو بیرونِ ملک تعلیم کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ جو طلباء دینی مدارس سے فارغ التحصیل ہوتے ہیں انہیں بھی مزید تعلیم کے لئے سنگاپور بھیجا جاتا ہے جہاں وہ تین سال تک پڑھنے کے بعد الشهادة العلميه العاليه کے لئے جامعہ الازہر (مصر) چلے جاتے ہیں۔

برونائی میں دینی تعلیم کے فروغ کے لئے ایک ٹیچرز کالج بھی قائم کیا گیا ہے جس کا کام دینی تعلیم کے لئے وقف ہونے والے اساتذہ تیار کرنا ہے۔

سلطنتِ برونائی عرب اور دوسری مسلمان ریاستوں سے اپنے تعلقات بہتر بنانے کے لئے مسلسل کوشاں ہے اور بہت سے مسلم ممالک کے ساتھ ان کے مسائل و معاملات کے حل کے سلسلہ میں تعاون کرتی اور ان کے کاز کی عالمی سطح پر حمایت کرتی ہے۔

لوگ کیا کہیں گے؟

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

اِسکالرز اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر ۷۸۸۷، گلشن اقبال، کراچی۔ ۷۵۳۰۰

marfat.com

دور وینز ویلا میں

بہت دور۔ جنوبی امریکہ کے شمال میں واقع ایک خطے کے مسلمانوں کی روداد۔
ان میں وہ بھی تھے جو اپنے آپ کو چھپانے پر مجبور تھے۔ لیکن پھر وہ بھی آگئے جو کسی مجبوری سے آشنا نہ تھے یوں وہ ٹکڑیوں میں بٹنے کے بجائے ایک ہو گئے، اور اسی میں ان کی بقا تھی۔
مسلمان اپنے مسلمان ہونے کے احساس سے محروم نہ ہوں تو پھر وہ زندگی کے کسی میدان میں بھی محروم نہیں رہتے، وینز ویلا کی یہ مثال اسی امر کا بیان ہے۔
نوٹ: یہ مضمون عربی زبان میں ماہنامہ التضامن الاسلامی مکہ مکرمہ کے شمارہ میں جولائی ۱۹۸۸ء میں اور ہفت روزہ آئین لاہور میں اردو میں ۱۵/ اکتوبر ۱۹۸۸ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔

جمہوریہ وینز ویلا جنوبی امریکہ کے شمال میں واقع ہے اور بحرِ کاریبی کے کنارے ہونے کی وجہ سے یہ ان ممالک کی صف میں شامل ہے جو بحر کاریبی کے ممالک سے پہچانے جاتے ہیں۔ وینز ویلا کے جنوب میں برازیل، مشرق میں گیانا، مغرب میں کولمبیا اور شمال میں بحر کاریبی واقع ہے۔ سولہویں صدی عیسوی کی ابتداء میں اسپانیوں نے وینز ویلا کو زیر نگیں کیا اور تقریباً تین صدیوں تک ان کے استعمار میں رہنے کے بعد ۱۸۳۰ء میں اسے آزادی نصیب ہوئی۔

وینز ویلا بیس ریاستوں اور جزائر انٹیل کا مجموعہ ہے۔ اس کا رقبہ ۹۱۶۴۹۰ کلو میٹر مربع ہے، دارالحکومت کراکاس اور آبادی ساڑھے چھ ملین نفوس پر مشتمل ہے۔ جن میں چالیس ہزار کے قریب مسلمان ہیں۔ زیادہ تر آبادی پہاڑی علاقوں پر خاص طور پر شمالی علاقوں میں ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ۷۰ فیصد لوگ شمالی بلند علاقوں میں رہتے ہیں۔
آبادی کی اکثریت مستیز دعناصر پر مشتمل ہے جبکہ اسپانوی، امریکی، ہندو، یورپین اور زنوج

marfat.com

اقلیت میں ہیں۔ علاقائی اور قومی زبان ہسپانوی Spanish ہے۔

وینز ویلا کی معیشت کا انحصار پیٹرول اور معدنی وسائل پر ہے جن میں گندھک اور سونا اہم تر ہیں۔ عام لوگوں کا پیشہ زراعت اور کھیتی باڑی ہے۔ ۷۵ فیصد رقبے پر کاشت کاری ہوتی ہے۔ زرعی اجناس میں کپاس، چاول، کیلا اور گنا یہاں کی خاص پیداوار ہیں۔

وینز ویلا میں اسلام کیسے پہنچا:

وینز ویلا میں اسلام کے پہنچنے کی ابتداء ہسپانویوں کے پہنچنے سے ہوئی کیونکہ ان ہسپانویوں میں اندلسی مسلمانوں کی بھی ایک خاصی تعداد تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جو ہسپانوی حکمرانوں کے خوف سے اسلام کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لئے اپنی اسلامی حیثیت کو چھپاتے رہے۔

پھر جب برصغیر پاک و ہند کے لوگ تعمیراتی اور دیگر کاموں کے سلسلہ میں وینز ویلا آئے تو اس وقت بھی یہ صورت پیش آئی کہ مذہبی آزادی نہ ہونے کے باعث مسلمان آزادانہ طور پر عبادات نہ کر سکتے تھے۔ یوں اسلام کی نشرواشاعت کا سلسلہ زیادہ آگے نہ بڑھ سکا۔

وینز ویلا میں اسلام کا زیادہ واضح ورود زمانہ قریب میں یہاں آنے والے مسلمانوں کی آمد پر ہوا۔ چودھویں صدی ہجری میں مسلمان، خاص طور پر عرب ممالک کے باشندے یہاں پہنچے۔ ان کی آمد کے ساتھ ہی اسلامی ارتقاء کا دور شروع ہوا۔ ان میں پاکستانیوں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔ دیگر وینز ویلا کی طرف مسلمانوں کی یہ توجہ حال ہی کی بات ہے اور اس میں کوئی ربع صدی کا عرصہ بھی نہیں گزرا ہے۔ ان مسلمانوں کی اکثریت کا تعلق لبنان، فلسطین، شام اور پاکستان سے ہے۔ چونکہ یہ لوگ یہاں اب بھی روزگار کے سلسلہ میں موجود ہیں اور ان کا تعلق و رابطہ اپنے آبائی وطنوں سے بھی مسلسل ہے اس لئے ان پر مقامی عادات واطوار کم اثر انداز ہوتی ہیں۔ یہی وہ طبقہ ہے جس کی وینز ویلا میں موجودگی سے یہاں اسلامی اقدار کو فروغ حاصل ہوا اور دعوت و تبلیغ دین کا کام آگے بڑھا۔ جس میں لازماً ان مسلمانوں کا تعاون بھی شامل ہوگیا ہوگا جو یہاں موجود تھے لیکن

marfat.com

اپنے آپ کو چھپانے پر مجبور تھے۔

وینز ویلا میں مسلمانوں کی اکثریت وینز ویلا کے دارالحکومت کراکاس میں آباد ہے۔ تعداد کوئی دس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ کچھ مسلمان دریائے اوربینکو Orbanco کے کنارے کے علاقوں میں آباد ہیں۔

مسلمانوں کی اکثریت متوسط حیثیت کے لوگوں پر مشتمل ہے۔ عام طور پر ان کا پیشہ تجارت ہے۔ یہ مختلف شہروں میں تجارت کی غرض سے گھومتے رہتے ہیں۔ کافی عرصہ تک مسلمان یہاں غیر منظم رہے لیکن بالآخر ۱۹۶۹ء میں کراکاس میں ایک اسلامی مرکز کا قیام عمل میں آیا جو ایک مثبت قدم تھا۔

مساجد اور دینی ادارے:

وینز ویلا میں ابھی صرف تین مسجدیں ہیں، جن میں سے ایک کراکاس میں، دوسری فلیجی میں اور تیسری جزیرہ مارگریٹا میں ہے۔ کراکاس کا اسلامی مرکز لوگوں کی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ یہ ابتداءً ایک مسجد ہی تھا، پھر اس میں مزید اضافہ ہوا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس میں مزید شعبے قائم ہونے لگے جن میں ایک اسلامی عربی مدرسے کا قیام سرفہرست ہے جسے اب وینز ویلا کی حکومت اور بعض مسلمان حکومتیں باقاعدہ تسلیم کر چکی ہیں۔ یہاں غیر مسلم طلباء کے داخلے کی گنجائش بھی رکھی گئی ہے تاکہ انہیں اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا جا سکے۔

مرکز میں ایک شعبہ تحفیظِ قرآن قائم ہے جس میں داخلے کی کوئی شرط نہیں۔ جو کوئی بھی حفظِ قرآن کرنا چاہے اسے داخلہ کی اجازت ہے۔

مرکز کے ساتھ ہی ایک اسلامی مدرسہ ہے جو کرائے کے ایک بنگلہ میں قائم کیا گیا ہے۔ اس مدرسہ کا کرایہ اور دیگر ضروریات کی حکومت سعودی عرب کفیل ہے۔ وینز ویلا میں مسلمانوں کا پہلا الگ قبرستان ۱۹۸۲ء کے اواخر میں قائم کیا گیا۔ قبرستان کے لئے مقامی مسلمانوں نے کوئی پچاس ہزار ڈالر جمع کئے جبکہ سعودی حکومت نے ڈیڑھ لاکھ ڈالر فراہم کئے۔

marfat.com

وینز ویلا یونیورسٹی میں عربی اور فلسفہ کی تعلیم کے لئے ایک مستقل شعبہ پہلی بار ۱۹۸۰ء میں قائم کیا گیا۔ اب وینز ویلا کی میریڈا (Mereda) یونیورسٹی میں بھی عربی و فلسفہ کا شعبہ قائم ہونے والا ہے۔

کراکاس کے اسلامی مرکز میں ایک پریس بھی لگایا گیا ہے جس میں جدید آلاتِ طبع نصب ہیں۔ ایک مکمل پرنٹنگ یونٹ موجود ہے جس کے ذریعہ اسپانوی زبان میں بعض کتب شائع کی گئی ہیں جن میں الطریق الی الاسلام (Way to Islam) ہذا ہوالدین، اساسیاتِ اسلام اور بعض دیگر کتب جن میں امام نووی کی اربعین حدیث عربی متن اور ہسپانوی ترجمہ کے ساتھ شائع کی گئی ہیں، شامل ہیں۔

وینز ویلا کے اوقات کے مطابق نمازوں کے اوقات بھی شائع کئے جاتے ہیں جن میں وینز ویلا کے موسمی نگہداشت کے محکمہ کا تعاون شامل ہے۔ نمازوں کے اوقات پر مشتمل کتابچے اور پمفلٹ تمام مقامی مسلمانوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔

وینز ویلا میں مسلمانوں کی تعداد کے لحاظ سے مساجد کی کمی کی بنا پر بہت سے مسلم کلب قائم کئے گئے ہیں اور ہر کلب میں نماز کے لئے جگہ مختص ہے۔ ان کلبوں کو اسلامی کتابیں اور قرآنِ کریم کے نسخے بھی فراہم کئے گئے ہیں۔ اسلامی مرکز کے ڈائریکٹران کلبوں میں وقتاً فوقتاً دینی اجتماعات کا اہتمام کرتے ہیں اور یہ سلسلہ مسلسل جاری رہتا ہے۔ اس طرح وینز ویلا کے تمام حصوں میں اور قرب و جوار کے دیگر ممالک میں بھی مرکز اسلامی کی سرگرمیوں کے اثرات پہنچتے رہتے ہیں۔

marfat.com

عمان

سلطان قابوس کی قیادت میں شاہراہ ترقی پر گامزن

۱۸ر نومبر سے سلطنت عمان اپنے سلطان کی تاج پوشی کی بائیسویں سالگرہ منا رہی ہے اور اتفاق سے ۱۹ نومبر ہی سلطان کا یوم پیدائش بھی ہے۔ اسی روز عمان کا قومی دن منایا جاتا ہے، عمانی اسے "یوم النهضة العمانيه" کہتے ہیں۔ یعنی عمانی موومنٹ ڈے Omani Movement Day اور توجیہ اس کی یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس روز سے عمان انقلابی ترقی کے نئے دور سے آشنا ہوا۔ بلاشبہ ۱۸ر نومبر ۱۹۷۰ء عمان کی تاریخ میں ایک انقلابی دن تھا جس دن سے عمان ترقی کی راہوں پر گامزن ہوا کیونکہ سلطان قابوس بن سعید نے اپنی قوم کو تعمیر و ترقی کا ایک نیا ولولہ عطا کیا تھا۔

جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مشرق میں تین لاکھ مربع کلومیٹر کے رقبہ پر پھیلی ہوئی سلطنت عمان اپنے دار الخلافہ مسقط کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ اسلامی برادری کی وہ واحد ریاست ہے جو ۱۹۷۰ء تک عرب ریاستوں میں اپنے محدود مالی وسائل کے ساتھ بحیرہ عرب کے کنارے اپنی زندگی کی ست رفتار گاڑی کھینچتی چلی آرہی تھی، کہ قدرت نے اسے سلطان قابوس بن سعید کی ولولہ انگیز شخصیت سے روشناس کر دیا، سلطان سعید بن تیمور کے دور میں عمانی عوام بوجوہ ملکی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا نہ کر سکے، مگر سلطان قابوس بن سعید نے زمام اقتدار سنبھالتے ہی پوری قوم کو تعمیر وطن میں. جوت دیا اور چند سالہ کوششوں کے نتیجہ میں عمان عرب اور اسلامی دنیا کے ترقی پذیر ملکوں کی صف میں شامل ہو گیا۔ آج کا عمان اپنے بے پناہ قدرتی وسائل اور بالخصوص تیل کی ریکارڈ پیداواری صلاحیت کی بنا پر اپنے سلطان کی قیادت میں ترقی کے اوج ثریا کو چھو رہا ہے۔

عمان کی وزارت ثقافت و قومی ورثہ کی جدید تحقیقات کے مطابق عمان کی تاریخ

marfat.com

سن عیسوی سے کہیں قدیم ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ عمان میں پہلا انسان بارہ ہزار سال قبل مسیح میں آباد ہوا ہوگا۔ عمان کے علاقہ بہاالداخلیہ سے ملنے والے بعض قدیم تیروں کی ساخت بیس ہزار سال پرانی لگتی ہے۔ جبکہ صلالہ کے قریبی علاقہ بلید سے ملنے والے آثار قدیمہ سے بعض خنجر تانبے کے برتن اور دیگر اشیاء سے ان کا تین ہزار سال قبل مسیح کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ محار صمار Sohar آثار قدیمہ کی دریافت کے دوران ایک بیس ہزار سال پرانے قلعہ کے کھنڈرات دریافت ہوئے ہیں۔ عمان کے محکمہ آثار قدیمہ کا خیال ہے کہ ابھی تک یہ طے کرنا مشکل ہے کہ عمان کی اصل تاریخ کہاں سے شروع ہوتی ہے اور اس کا قدیم نام کیا رہا ہے۔ ایک سروے رپورٹ کے مطاق عمان کی بندرگاہ سے سب سے پہلا تجارتی بحری جہاز زمانہ قبل مسیح میں روانہ ہوا تھا اور اس وقت عمان کا نام ماجان Majan تھا۔

عمانی کہتے ہیں کہ قدیم مصری اور یورپی لوگ اپنے مذہبی تہواروں اور رسومات میں بخورات و خوشبویات استعمال کرتے تھے اور یہ بخورات عمان سے لئے جاتے تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ عمانی بخورات (عود کی لکڑی) آج بھی عرب دنیا میں مرغوب ہیں اور ایک عرصہ سے عمانی بخورات عمان کی برآمدات کی فہرست میں شامل رہی ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ یمن کی ملکہ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں اپنے وفد کے ساتھ جو خوشبویات و بخورات بھیجی تھیں وہ عمانی قسم کی تھیں اور عمان کے جنوبی صوبہ ظغار کی مصنوعہ تھیں۔

بعض معتبر ذرائع ابلاغ و تحقیق کا کہنا ہے کہ بابل سے قبل جس سومر Sumar کی دریافت ہوئی تھی اس کے عمان سے تجارتی تعلقات تھے اور عمان میں تانبے کی صنعت حضرت مسیح کی ولادت سے دو ہزار سال قبل سے قائم ہے۔

عمان ان اسلامی ممالک میں سے ہے جہاں اسلام کو بلاتردد قبول کیا گیا، اور جونہی نبی آخرالزمان الصلوٰۃ علیہ السلام کے غلام اسلام کا پیغام انقلاب آفریں لے کر یہاں پہنچے تو یہاں کے باشندوں نے انہیں مرحبا کہا اور اسلام کو بسر و چشم بلاتردد قبول کیا۔

تاریخ کے اوراق عمان میں اسلام کی آمد ۶۳۰ء میں بتاتے ہیں۔ واقدی سے

marfat.com

ابن کثیر نے جو روایت نقل کی ہے اس کے مطابق ۸ ہجری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو تبلیغ اسلام کی خاطر عمان بھیجا تھا اور یہ ۶۳۰ء ہی بنتا ہے۔ بلاذری نے فتوح البلدان میں ذکر کیا ہے کہ ۸ ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوزید انصاری خزرجی اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو عمان کے حاکم جلندی کے دو بیٹوں عبید اور جیفر کے پاس اپنا خط دے کر بھیجا تھا جس میں ان کو اسلام کی دعوت دی تھی اور دونوں صحابہؓ سے زبانی فرمایا تھا کہ اگر وہ (عمانی) لوگ حق کی گواہی دیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں تو عمرو بن عاصؓ ان کے امیر ہوں گے اور ابوزید انصاری انہیں (عمانیوں کو) قرآن کی تعلیم دیں گے، انہیں نماز پڑھایا کریں گے اور ان میں اسلام کی اشاعت کریں گے۔

چنانچہ یہ دونوں صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارکہ لے کر عمان گئے اور صحار کے مقام پر سمندر کے کنارے واقع اس قصبہ میں عبد و جیفر سے ملے اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خط دیا۔ ان دونوں نے فوراً اسلام قبول کیا اور پھر دیگر عربوں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔

حضرت ابوبکر صدیق رصی الہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں حضرت حذیفہ بن محصنؓ کو عمان کا والی مقرر کیا۔ (حوالہ فتوح البلدان، بلاذری، جلد اوّل صفحہ ۱۲۴)

موجودہ عمان میں صحار کو ایک خاص تجارتی و صنعتی اہمیت حاصل ہے مگر اب عمان صرف صحار تک محدود نہیں بلکہ اس کے مشہور شہروں میں مسقط، مطرح،، روی، صلالہ، صحار، نزوی، عبری، ابرا، ظغار، مسندم، مسیرہ اور سہل الباطنہ شامل ہیں۔

عمان کچھ عرصہ پرتگیزیوں کے زیراثر بھی رہا۔ ۱۵۰۷ء پرتگیزیوں نے ساحل عمان کی طرف رخ کیا اور ایک سال کے عرصہ میں وہ مکمل طور پر عمان پر قابض ہوگئے، عمان کی اپنی داخلی کمزوریوں اور انتشار کے سبب اس غیر ملکی طاقت کا مقابلہ نہ کرسکے اور ڈیڑھ سو ۱۵۰ سال تک پرتگیزیوں کے محکوم رہے۔ ۱۶۵۰ء میں سلطان بن سیف الیعربی نے مسقط کو پرتگیزیوں سے آزادی دلائی ۱۷۴۷ء میں والی صحار امام احمد بن سعید کی حکومت سے عمان میں موجودہ حکمراں خاندان آل بوسعید کا دور اقتدار شروع ہوا۔ جنہیں

marfat.com

خاندان بوسعید کا بابائے اعظم اور بانی سمجھا جاتا ہے۔ ۱۸۰۷ سے ۱۸۵۶ء تک سید سعید بن سلطان حاکم عمان رہے جن کے دور حکومت میں عمانی سلطنت کی جغرافیائی حدود میں اضافہ ہوا تاکہ زنجبار، مشرقی افریقہ، جنوبی ایران اور بلوچستان کے کچھ حصے عمان میں شامل کر لئے گئے۔ آج تنزانیہ اور سوال کبھی عمان کا ہی ایک حصہ تھے۔ یوں عمان کو پورے گلف میں تجارتی Gateway کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔

۱۸۴۰ء میں سلطان سعید بن سلطان نے ایک سرکاری وفد پہلی بار ریاستہائے متحدہ امریکہ USA روانہ کیا یہ کسی عرب ملک کا پہلا سرکاری وفد تھا جس نے امریکہ کا دورہ کیا۔ یوں عمان عرب دنیا میں وہ پہلا ملک ہے جس نے امریکہ سے باقاعدہ سفارتی تعلقات قائم کئے اور برطانیہ، فرانس اور سوئزر لینڈ سے باقاعدہ تجارتی معاہدے کئے۔ بین الاقوامی سطح پر اس اثر ورسوخ کے باوجود سوئے اتفاق دیکھئے کہ ۱۸۹۱ء کے معاہدہ کی رو سے عمان برطانوی استعمار میں چلاگیا جس سے ۱۹۶۷ء میں نجات حاصل ہوئی مگر انگریزی تسلط سے مکمل خلاصی ۱۹۷۱ء میں حاصلی ہو سکی، ۱۹۷۰ء میں سلطان قابوس بن سعید نے زمام اقتدار سنبھالی تو اس وقت عمانی پسماندگی کا عالم یہ تھا کہ پورے عمان میں صرف تین عدد پرائمیری اسکول تھے جو صرف لوگوں کے لئے مخصوص تھے۔ کوئی قابل ذکر ہسپتال نہ تھا، قدیم یونانی طریقہ علاج رائج تھا اور اس کے ماہر بھی خال خال ہی تھے۔ داخلی امن وامان کو قائم رکھنے کے لئے صرف ۱۷ پولیس مین تھے جنہیں شرطہ کہا جاتا تھا، ٹرانسپورٹ اور مواصلات کا نظام برائے نام تھا لیکن سلطان قابوس بن سعید کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے عمان نے جو ترقی کی ہے اور جس تیزی سے کی ہے وہ ایک ریکارڈ ہے۔ عمان کی آبادی سرکاری اعداد شمار کے مطابق دو ملین کے لگ بھگ ہے رقبہ کے لحاظ سے عمان غنی ہے اور اسے تین لاکھ مربع کلو میٹر پر کنٹرول حاصل ہے ۶۰ فیصد عوام زراعت پیشہ ہیں جبکہ سرکاری ذرائع آمدنی پر پیٹرولیم اور پٹرولیم کی مصنوعات ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہیں۔ ملکی مالیاتی ذخائر ۹۰ فی صد پٹرولیم کی برآمدات سے حاصل ہوتا ہے۔ عمان کی پٹرول کی پیداواری صلاحیت ۱۹۸۴ء میں ۴۱۶ ہزار بیرل یومیہ تھی جبکہ موجودہ پیداواری صلاحیت سات لاکھ بیرل یومیہ ہے۔ عمان میں تیل اور گیس کے وسیع

marfat.com

ذخائر موجود ہیں، قدرتی وسائل کے ذخائر کا اندازہ لگانے والی ایک بین الاقوامی ٹیم کے سروے کے مطابق اگر سات لاکھ بیرل تیل یومیہ مسلسل نکالا جائے تو بیس سال تک عمان کے تیل کے ذخائر میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جغرافیائی لحاظ سے عمان دنیا کے اہم خطہ میں واقع ہے کہ ایک طرف تو اس کی سرحدیں دنیائے عرب سے ملتی ہیں جبکہ دوسری جانب ایران وایشیائی ممالک سے اس کا سمندری تعلق ہے۔ اس کے شمال میں خلیج عرب، مغرب میں جنوبی یمن، مغرب میں سعودی عرب اور مشرق وجنوب مشرق میں بحیرہ عرب واقع ہے جبکہ شمالی سرحد متحدہ عرب امارات سے متصل ہے۔ ایران، عمان آبنائے ہرمز کی وجہ سے ایک دوسرے سے الگ مگر ہرمز ہی کی وجہ سے ایک دوسرے سے سمندری حدود کے لحاظ سے مربوط بھی ہیں۔ پاکستان سے اس کی حدود بلوچستان اور گو ادر وپسنی کی سمندری حدود سے ملتی ہیں۔ انتظامی امور کی بحسن وخوبی انجام دہی کی غرض سے سلطنت عمان ۵۹ مختلف ولایات (REGIONS) میں منقسم ہے جو وزارت داخلہ سے مربوط ہیں۔ ہر ولایت میں سرکاری مشنری وہاں کے گورنر (والی) کے تابع ہے جبکہ عدالتی امور کے لئے قاضی مقرر ہیں۔ دیہاتوں اور قصبوں میں قبائلی نظام ایک نئے انداز سے موجود ہے۔ اور سربراہ قبیلہ کو شیخ کہا جاتا ہے جو براہ راست سربراہ سلطنت سے رابطہ کا مجاز ہے۔ اعلیٰ سطح پر سرکاری مشنری سلطان قابوس بن سعید کی قیادت میں دو اہم ایوانوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ مجلس وزراء CABINENTE

۲۔ مجلس شوریٰ STATE ADVISORY COUNCIL

عمان کا دستور غیر تحریری ہے۔ کابینہ کے تمام وزراء شوریٰ کے اراکین سلطان کے نامزد کردہ ہیں۔ مجلس شوریٰ کے اراکین کی تعداد ۵۹ ہے جبکہ کابینہ ۲۹ وزراء پر مشتمل ہے مجلس شوریٰ کے اراکین ۵۹ ولایات (REGIOONS) کی سرکردہ شخصیات سے لئے گئے ہیں اور مجلس شوریٰ میں اپنی اپنی ولایت کی نمائندگی کرتے ہیں۔

عمانی سیاست کے اہم اصول تمام ممالک سے دوستانہ تعلقات غیر وابستہ ممالک کی تحریک کی حمایت اور خلیجی ممالک سے تعاون پر مبنی ہیں۔ افغانستان میں روسی جارحیت

marfat.com

کے معاملہ میں عمان ہمیشہ پاکستانی موقف کا حامی رہا ہے جبکہ مسئلہ کشمیر کے منصفانہ حل کے لئے وہ اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل کی قراردادوں پر عمل درآمد کا خواہاں ہے۔

عمان خلیج کی تعاون کی کونسل کا اہم رکن ہے اور مسقط میں AGCC کے ممبر کی سربراہی کانفرنس بھی ہو چکی ہے۔

سلطان قابوس ایک صاحب فراست حکمران ہیں جن کی قیادت میں عمان ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے۔ عوامی فلاح و بہبود سلطان کی اولین ترجیحات میں شامل ہے غریب اور کم آمدنی والے لوگوں کے لئے حکومت رہائشی مکانات کی مسلسل تعمیر کے منصوبہ پر عمل پیرا ہے۔

تعلیمی ترقی سلطان کی خصوصی توجہ کا مرکز رہی ہے یہی وجہ ہے کہ آج عمان میں اسکولوں کی ایک خاصی تعداد اور عظیم الشان یونیورسٹی موجود ہے وزارت تعلیم کے جاری کردہ اعداد و شمار ۱۹۹۱ء کے مطابق عمان میں ثانوی تعلیم کے لئے ۸۰۰ مدارس قائم ہو چکے ہیں جن میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد ۳۶۰۰۶۶ ہے جبکہ ۱۹۷۰ء میں پورے عمان میں صرف تین اسکول تھے اور وہ بھی پرائمری۔

۱۹۸۶ء میں سلطنت عمان کی پہلی جامعہ کا افتتاح ہوا یہ جامعہ مسقط سے کچھ ہی فاصلہ پر الخوض نامی علاقہ میں واقع ہے۔ جسے سلطان قابوس یونیورسٹی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس یونیورسٹی کے قیام سے قبل عمانی طلباء کو متحدہ عرب امارات یا دیگر عرب ریاستوں میں اعلیٰ تعلیم کے لئے جانا پڑتا تھا۔ ہر سال طلباء کی ایک مخصوص تعداد بعض ایشیائی اور یورپی ممالک کا رخ بھی کرتی تھی۔ پاکستان کی تمام جامعات اور میڈیکل کالجز میں عمانی طلباء کے لئے کوٹہ مقرر تھا اور برادرانہ تعلقات کی بناء پر عمانی طلباء کو ہر میدان میں تعلیمی ترقی کے مواقع فراہم کئے جاتے تھے۔ پاکستانی جامعات کے فارغ التحصیل بہت سے عمانی آج جدید عمان کی مختلف وزارتوں اور سرکاری اداروں میں اعلی عہدوں پر فائز ہیں۔

marfat.com

عمانی سیاست کا اہم اصول

"تمام ممالک سے دوستانہ تعلقات ہے"

سلطان قابوس یونیورسٹی میں اس وقت چھ کلیات FACULTIES قائم ہیں اور آئندہ سالوں میں مزید کلیات کے قیام کا پروگرام زیر غور ہے۔

۱۔ کلیہ تعلیم واسلامی علوم

FACULTY OF EDUCATION AND ISLAMIC SCIENCES

۲۔ کلیہ سائنس SCIENCE

۳۔ کلیہ زراعت AGRICULTURE

۴۔ کلیہ انجینئرنگ ENGINEERING

۵۔ کلیہ ادویات MEDICINE

ان کلیات میں طلباء وطالبات کی مجموعی تعداد تین ہزار کے قریب ہے۔ جامعہ کے طلباء کو عملی طبی تربیت مہیا کرنے کی خاطر جامعہ سے ملحق ایک ۵۰۰ بیڈ کا ہسپتال تمام تر جدید ٹیکنالوجی کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔

عدل وانصاف کی فراہمی حکومت کا فرض منصبی ہے مگر سلطان قابوس اسے اپنا مشن زندگی سمجھتے ہیں، چنانچہ ملک بھر میں شرعی عدالتوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ ان شرعی عدالتوں میں تمام فیصلے قرآن وسنت پر مبنی شرعی قوانین کی روشنی میں ہوتے ہیں۔ یہ عدالتیں ایک وزارت کے تابع ہیں جو وزارت انصاف واوقاف ومذہبی امور کہلاتی ہے۔ شرعی عدالتوں کے جج یا قاضی شرعی جج کی ذمہ داریاں سنبھالنے سے قبل انسٹی ٹیوٹ آف شریعہ وقانون سے تین سالہ تربیتی کورس مکمل کرتے ہیں۔

عمان کی سرکاری زبان عربی ہے جبکہ انگریزی دوسرے درجہ کی زبان ہے، اردو عمان کے ہر خطہ میں سمجھی جاتی ہے اور عمانیوں کی ایک بڑی تعداد اردو بولنے پر قادر ہے۔ عمانی کرنسی عمانی ریال ہے جو ۵۵ پاکستانی روپوں کے برابر ہے سرکاری مذہب اسلام اور اکثریتی آبادی مسلمان ہے۔

marfat.com

مذہبی تقریبات وزارت مذہبی امور کی سرپرستی میں منعقد ہوتی ہیں۔ تاہم مذہبی تقریبات پر کسی قسم کی پابندی نہیں۔ ہر سال یوم میلاد النبی کے موقع پر پاکستان اور دیگر اسلامی ملکوں سے علماء اور اسکالرز عمان کے مختلف حصوں میں دینی تقریبات سے خطاب کرنے کے لئے بلائے جاتے ہیں پبلک کا دینی جذبہ قابل رشک ہے۔ راقم الحروف کو سلطنت عمان میں کئی محافل سیرت و میلاد سے خطاب کرنے کا شرف حاصل ہے۔

عمان میں مساجد کی دیکھ بھال کا کام وزارت مذہبی امور کی ذمہ داری ہے اور سرکاری خرچ پر مسقط روی' مدینہ ' قابوس' نزوی' ابرار اور کئی دیگر شہروں اور بے شمار دیہاتوں میں جو مساجد تعمیر کی گئی ہیں وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں مسلح افواج کے جوان جذبہ ایمانی سے سرشار ہیں اور ہر فوجی کیمپ میں مساجد آباد ہیں۔

عمان کی تینوں مسلح افواج کے سربراہ سلطان قابوس بن سعید خود ہیں۔

شرعی حدود کے نفاذ کی چودہ سو سالہ تاریخ

تاریخ

نفاذِ حدود

حدِ زنا — حدِ قذف — حدِ حرابہ

حدِ سرقہ — حدِ شربِ خمر

مصنف و محقق

نور احمد شاہتاز

marfat.com

انسانیت کی پستی

اہل لغت نے لفظِ انسانیت کے تین معانی وضاحتاً بیان کئے ہیں جو یہ ہیں:

لحاظ / تہذیب / اخلاق

اگر انہی تین معانی کو اپنے ذہن میں رکھ کر اقوامِ عالم پر سرسری سی نظر بھی ڈالی جائے۔ اور اس معیار پر ہم فرد کا انفرادی طور پر اور معاشرہ اور قوم کا اجتماعی طور پر تجزیہ کر کے ان کے حالات پر بنظر تعمق جستجو کریں تو قرائن و شواہد ہمیں بانگِ دہل پکار پکار کر اور چیخ چیخ کر اس بات کی نشاندہی کرواتے ہیں کہ یہ تینوں چیزیں ہم میں عنقا ہیں۔ ''لحاظ' ہم میں مفقود ہے۔ جس کے نتیجے میں بھائی بھائی کے گلے پر چھری چلا رہا ہے۔ بیٹا باپ کو اور باپ بیٹے کو قتل کرنے کے درپے ہے۔ گویا خون ہی سفید ہو چکا ہے، اور ہر آدمی اپنے متعلقین سے لاتعلق ہو چکا ہے۔

ہم اپنی تہذیب و تمدن کھو چکے ہیں، اور غیروں کی تہذیب کو صرف اپنایا ہی نہیں بلکہ اسے گلے کا ہار اور اپنے لئے وجہ افتخار بنالیا ہے۔ ایسے میں اگر ہم اپنے محبوب رہنماؤں کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھنا گوارا کریں تو ان کی روحیں ہمارے کرتوتوں پر یوں نوحہ کناں نظر آتی ہیں۔

وائے قوم کشتہ تدبیر غیر
کارِ او تخریبِ خود تعمیر غیر

ہماری قوم کی بیٹیاں جن کی عظمت قوم کی عظمت ہے اور جن کی عصمت و ناموس کی حفاظت ہمارا فرض تھا ہم نے اس فرض سے روگردانی کرتے ہوئے اور اغماض برتتے ہوئے ان کو خود اپنی ہوس کا نشانہ اور اپنی خواہشاتِ نفسانیہ کا تختۂ مشق بنایا، مادرِ وطن دی بیٹیاں اور اسلامی بہنیں جب کالج، اسکول، مدرسہ یا بازار جاتے ہوئے ہمارے سامنے سے گزرتی ہیں تو ہم ان کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھتے ہیں۔ ان قوم کی بیٹیوں پہ انگشت نمائی، طعنہ زنی، اور فقرے بازی تو ہمارا وطیرہ بن چکا ہے اور ایسے وقت میں یہ

marfat.com

خیال ہمارے ذہنوں سے حرفِ غلط کی طرح مٹ چکا ہوتا ہے کہ گھر میں ہماری بہن یا بیٹی موجود ہے وہ بھی بازار یا اسکول جاتے ہوئے کسی کے ظلم و ستم کا بعینہ نشانہ بن سکتی ہے اور ہم یہ بھی دیدہ دانستہ طور پر بھول چکے ہوتے ہیں کہ جس کے ساتھ ہم شرارت، مذاق یا فحش باتیں کر رہے ہیں یہ بھی کسی کی بہن یا بیٹی ہے، کاش ہم اس چیز کو سمجھ سکتے!!......

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

اور کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

مسلمانوں کی اس قدر بے حسی اور بے ضمیری دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا اور انسانیت کا ماتم کرتا ہے۔ روح لرز اٹھتی ہے اور طبیعت میں بے چینی اور مایوسی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ امیروں کے لاکھوں چراغ جلانے کے باوجود ہمارے آنگن اجالوں کو ترس رہے ہیں۔ آنے والا ہر دن اپنے ساتھ ایک نئی تاریکی لے کر طلوع ہوتا ہے۔ اس ماحول کا کیا کیا جائے جہاں قدم قدم پر انسانیت سوز مظاہرے کئے جاتے ہیں۔ اور ایک سے ایک بڑھ کر، لوگ جاہ و منصب اور حصولِ دولت کی خاطر ضمیر فروشی پر اُتر آئے ہیں۔ اس مقصد کی تکمیل اپنی روائتی اور مثالی حمیت و غیرت کو بالائے طاق رکھ کر کی جارہی ہے۔ روحانیت کو مادیت کے عوض ترک کیا جارہا ہے اس کم نصیبی پر جتنے بھی اشکِ ندامت بہائے جائیں کم ہیں۔ معاشرے کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھئے آپ کو ہر فرد اپنے اپنے مقام اور دائرہ کار میں انسانی زندگی کے ساتھ ہولی کھیلتا ہوا نظر آئے گا۔ خواہ وہ حاکم ہے یا محکوم، بہت بڑا تاجر ہو یا عام دکاندار، امیر و کبیر ہو یا معمولی دنیادار، یا کاسہ لیسی کرنے والا فقیر، ہر ایک انسانیت کا گلا دبانے پر تلا ہوا ہے۔ ہر سمت افراتفری اور نفسا نفسی کا عالم ہے، گویا قیامت برپا ہو چکی ہے۔ کسی کے ساتھ کوئی ہمدردی نہیں کرتا، کسی کا لحاظ نہیں، کوئی تہذیب نہیں، کوئی اخلاق نہیں، نہ بچے کو بڑے کا احترام ہے اور نہ بڑے کو بچے کے ساتھ کوئی شفقت و پیار ہے۔

آج ہمیں جن مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور جن پریشانیوں سے ہم دوچار ہیں کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے انہیں حل کرنے کے لئے کیا تدابیر عمل میں لائی گئی ہیں۔ ان کی نشو و نما کو روکنے کے لئے کونسا لائحہ عمل تیار کیا

marfat.com

گیا ہے؟ تو لازماً جواب منفی ہی ہوگا۔

طالب علم ساتھیو!

آؤ ذرا ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں اور اپنی روز مرہ زندگی کا جائزہ لیں کہ کہیں ہم تو ان انسانیت سوز مظالم کا شکار نہیں ہو رہے ہیں، اور کیا ہمارے شب و روز ہمارے ضابطۂ حیات کی نفی تو نہیں کر رہے۔

یقین جانیئے اگر ہر انسان اپنے کردار کو درست کرنے کی کوشش کرے اور ہم دوسروں پر کیچڑ اچھالے بغیر اور مغربی تہذیب کی اندھی تقلید کیے بغیر اپنے ضابطہ حیات (قرآن کریم) کے وضع کردہ اصولوں کے مطابق زندگی بسر کریں تو یقیناً انسانیت کو ظلم و استبداد کے اتھاہ سمندر میں گرنے سے بچا سکتے ہیں۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

کڑوی روٹی

(مرگ کے موقع پر ہونے والی دعوتوں کا شرعی تجزیہ)

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

ناشر

اسکالرز اکیڈمی کراچی

پی او بکس 17887 گلشن اقبال، کراچی 75300

marfat.com

بچوں کے لیے

مُختصر نصابِ

حدیث

تدوین و تالیف

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

اسکالرز اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر ۱۷۸۸۷، گلشن اقبال، کراچی۔ ۷۵۳۰۰

marfat.com

مقصدِ تخلیق پاکستان

بعض لوگ حضرت قائداعظمؒ کے ارشادات کا غلط مطلب نکال کر ایک عرصہ سے یہ ثابت کرنے کی کوشش میں ہیں کہ حصول پاکستان کا مقصد، نفاذِ شریعت نہیں بلکہ ایک سیکولر ریاست کا قیام تھا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تحریکِ آزادی کے دنوں میں لگنے والا معروف نعرہ "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہٰ الا اللہ" اس بات کا غیر مبہم اور واضح اعلان تھا کہ قیام پاکستان کا مقصد کارکنان و قائدین تحریکِ آزادی اور خود قائداعظم کی نگاہ میں ایک ایسے خطۂ ارضی کا حصول تھا جس میں مکمل طور پر نظامِ شریعت قائم کیا جاسکے۔ مگر بدقسمتی سے پاکستان کے ابتدائی تیس سالہ دور نے عملی طور پر اس مقصد سے گریز اور دورنگی کا جو نقشہ پیش کیا، نیز زبانی جمع خرچ کا جو بھونڈا کھیل یہاں کھیلا گیا اس نے نئی نسل کے ذہن میں قیامِ پاکستان کا مقصد اور نصب العین دھندلا دیا، زبان و عمل کے اس تضاد کا ذکر کرتے ہوئے اسلامی نظریاتی کونسل نے ۱۹۹۲ء میں اپنی رپورٹ میں واضح طور پر اور برملا لکھا کہ:

> زبان و عمل کے اس تضاد نے ایسے عناصر کو زندہ کیا اور طاقتور بنایا جنھوں نے متعین منزل کی بابت شکوک کا پنڈورا بکس کھول دیا، بھانت بھانت کے ازم اور نصب العین جنم لینے لگے اور ہر فریق اپنے پسندیدہ ازم کے حق میں قائداعظم کے ارشادات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے لگا، پچاس کی دہائی کے بعد سے ملک مچھلی بازار بن گیا، جہاں اہلِ پاکستان سر پکڑ کر سوچ رہے تھے کہ آخر ہماری منزل کون سی ہے؟ خود اسلامی نظام کو مشکوک اور متنازعہ بنادیا گیا اور غضب خدا کا کہ غیر ملکی قوتیں بھی اہلِ پاکستان کی منزل متعین کرنے میں علی الاعلان مداخلت کرنے لگیں۔"

(رپورٹ: اسلامی نظریاتی کونسل ۱۹۹۲ء، ص ۱۷)

marfat.com

ایک موقع پر قائداعظمؒ نے قیامِ پاکستان کا تصور اپنے الفاظ میں یوں پیش کیا:

قیام پاکستان کا تصور یہ تھا کہ ہماری ایک ایسی مملکت ہونی چاہئے جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح زندہ رہ کر سانس لے سکیں اور جس مملکت کی ہم اپنی بصیرت اور اپنی ثقافت کے مطابق نشو و نما کر سکیں اور جہاں اسلامی معاشرتی انصاف پوری طرح عمل میں آسکے۔ (افواجِ پاکستان سے خطاب / ۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۷ء)

اسلام کی ہمہ جہتی حیثیت کے بارے میں انہوں نے کہا:

کوئی شبہ نہیں کہ بہت سے لوگ ہمارا مدعا پوری طرح نہیں سمجھتے، جب ہم اسلام کا ذکر کرتے ہیں تو اسلام محض چند عقیدوں، رواجوں، اور روحانی تصورات کا نام نہیں، اسلام ہر مسلمان کے لئے ایک ضابطہ بھی ہے جو اس کی زندگی، کردار اور معیشت تک کے معاملات میں ایک نظم و ضبط عطا کرتا ہے۔

(جمیل احمد: اسپیچز اینڈ رائٹنگز آف مسٹر جناح، ج ۱/ ص ۲۴۱)

اسلام کی روح کے بارے میں قائداعظمؒ نے کہا:

اسلام ذات پات کی تقسیم کو تسلیم نہیں کرتا اور رسولِ اکرم ﷺ نے ذاتوں کی تقسیم اور اونچ نیچ کو ہموار کیا تھا اور ملکِ عرب میں عربوں کے اندر ایک ملی وحدت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے تھے، ہماری بنیاد اور ہماری کشتی کا لنگر اسلام ہے، یہاں شیعہ و سنی کا سوال نہیں، ہم ایک ہیں اور ایک ملت کی حیثیت سے آگے بڑھنا ہے تب ہی ہم پاکستان حاصل کر سکتے ہیں۔

(قائداعظم اکیڈمی: کراچی، ملتِ کا پاسبان، ص ۳۲۹)

اسلام کے ابدی اصولوں کے بارے میں قائداعظم کی رائے یہ تھی کہ ان اصولوں کا جواب نہیں، آج تک یہ اصول زندگی میں اسی طرح قابلِ عمل ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔

(طلوعِ اسلام، لاہور، فروری ۱۹۸۹ء، ص ۷۰)

marfat.com

اسلامی حکومت کا تصور پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا:

اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رکھنا چاہئے کہ !اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے، جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن حکیم کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں عملاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے اور نہ پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی، قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست اور معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے اصول متعین کر سکتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے معنوں میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔ (قائداعظمؒ اکیڈمی، کراچی، ملت کا پاسبان، ص ۳۲۰)

آئین پاکستان کے بارے میں ایک انٹرویو میں آپ نے کہا:

پاکستان کا آئین ابھی آئین ساز اسمبلی کے ہاتھوں تیار ہونا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس آئین کی آخری شکل کیا ہوگی، لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ جمہوری انداز کا ہوگا جس میں اسلام کے اہم اصول ہوں گے ان اصولوں کا آج بھی عملی زندگی پر ویسا ہی اطلاق ہوتا ہے جیسے کہ تیرہ سو سال قبل۔ اسلام اور اس کی مثالیت نے ہمیں جمہوریت سکھائی ہے۔ اس نے ہمیں انسانوں کی برابری، انصاف اور ہر شخص کے ساتھ حسنِ سلوک کا سبق سکھایا ہے۔ ہم ان شاندار روایات کے وارث ہیں اور پاکستان کے آئندہ دستور کے واضعین کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے پوری طرح آگاہ ہیں۔

(قائداعظم اکیڈمی، کراچی، ملت کا پاسبان، ص ۳۴۳)

تحریک آزادی کے نصب العین کا تذکرہ کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا تھا:

ہمارا نصب العین یہ تھا کہ ایک ایسی مملکت وجود میں آئے جس کی آزاد فضاؤں میں رہ کر ہم زندگی بسر کرسکیں، جس کی نشو و نما ہم اپنے نظریات اور اپنی تہذیب کے

marfat.com

مطابق کر سکیں، اور جہاں۔ اسلام کے سماجی عدل و انصاف کے اصولوں کو کسی بھی روک ٹوک کے بغیر پھلنے پھولنے کے پورے مواقع حاصل ہوں۔

(انڈین، اے پولیٹیکل ہسٹری، از: رام گوپال، ایشیاء پبلیشنگ ہاؤس، بمبئی، ص ۳۵، نیز محمد علی چوہدری ظہورِ پاکستان، ص ۴۵۱)

۱۱ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو افسران سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

پاکستان، جس کے لئے ہم گزشتہ دس سال سے جدوجہد کر رہے تھے، خدا کا شکر ہے کہ آج ایک مسلمہ حقیقت ہے، اپنے لئے ایک مملکت قائم کرنا، یہی ہمارا مقصود نہیں تھا، بلکہ یہ ذریعہ تھا حصولِ مقصد کا، خیال یہ تھا کہ ہم ایک ایسی مملکت کے مالک ہوں جہاں ہم اپنی روایات اور تمدنی خصوصیات کے مطابق ترقی کر سکیں، جہاں اسلام کے عدل و مساوات کے اصولوں کو آزادی سے بر سر عمل آنے کا موقع حاصل ہو۔

(رئیس احمد جعفری، خطبات قائد اعظم، مکتبہ شعاع ادب، لاہور، ۱۹۶۱ء، ص ۵۸۳۔۵۸۲)

۲۱ر فروری ۱۹۴۸ء کو افواج پاکستان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

ہم نے پاکستان کی جنگِ آزادی جیت لی ہے مگر اسے برقرار رکھنے اور مضبوط و مستحکم بنیادوں پر قائم کرنے کی سنگین ترین جنگ ابھی جاری ہے، اور اگر ہمیں ایک بڑی قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا ہے تو اس جنگ میں کامیابی حاصل کرنی ہوگی، فطرت کا اٹل قانون ہے، ''بقائے اصلح'' ہمیں خود کو اس نئی آزادی کا اہل ثابت کرنا ہے، فاشیت کے خطرات سے دنیا کو بچانا اور اسے جمہوریت کے لئے محفوظ بنانے کی خاطر کرۂ ارض کے دور دراز حصوں میں جا کر آپ نے میدانِ جنگ میں داد شجاعت حاصل کی ہے، مگر اب آپ کو اپنے ہی وطن عزیز کی سرزمین پر اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشرتی عدل اور مساواتِ انسانی کے اصولوں کی پاسبانی

marfat.com

کرنی ہے۔ آپ کو ان کے لئے ہر وقت تیار رہنا پڑے گا۔

(رئیس احمد جعفری، خطبات قائد اعظم، ص ۶۵۶)

۲۷ر جولائی ۱۹۴۴ء کو قائد اعظم کشمیر سے راولپنڈی جا رہے تھے کہ رات کو آپ نے ڈھیری حسن آباد کے مقام پر عبد الغنی ٹھیکیدار کے ہاں کھانا کھایا، کھانے کی میز پر مسلم لیگ راولپنڈی کے صدر محمد جان بیرسٹر بھی تھے اس موقع پر بیرسٹر محمد جان نے قائد اعظم سے دستورِ پاکستان کے بارے میں سوال کیا:

''سر! اگر ہم فرض کرلیں کہ آپ کی موجودگی میں پاکستان بنتا ہے اور آپ اس ملک کے سربراہ بنتے ہیں تو پھر دستور کی حیثیت کیا ہوگی؟''

قائد اعظم نے جواب دیا:

اس کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے آپ کے پاس تیرہ سو سال کے دستور موجود ہیں۔

اس پر محمد جان نے سوال کیا اس دستور کو غیر مسلم بھی تسلیم کرلیں گے؟

قائد اعظم نے جواب دیا:

میں قرآن کا بہت بڑا عالم ہونے کا دعویدار نہیں لیکن قرآن کا جتنا علم مجھے ہے اس کی بناء پر یہ کہہ سکتا ہوں کہ قرآنی دستور تو وہ ہے کہ جس کے متعلق غیر مسلم خود کہیں گے کہ یہ ہم پر لاگو کیا جائے۔

اس پر محمد جان صاحب نے پھر سوال کیا کہ قرآن میں تو شراب ممنوع ہے، کیا پاکستان میں شراب بند ہوگی؟ قائد اعظم نے کہا: ''بے شک پاکستان میں شراب پر پابندی ہوگی۔'' (سعید راشد، قائد اعظم، گفتار و کردار، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، فروری ۱۹۸۶ء، ص ۵۱۵-۵۱۴)

۲۶ر نومبر ۱۹۴۶ء کو مسٹر بدر الدین سے گفتگو کرتے ہوئے قائد اعظم نے کہا:

مسٹر بدر! میرا ایمان ہے کہ قرآن و سنت کے زندہ جاوید قانون پر مبنی ریاستِ پاکستان دنیا کی بہترین ریاست ہوگی۔ میں کسی ازم پر

marfat.com

یقین نہیں رکھتا، میں اسلام کے کامل نظامِ زندگی پر ایمان رکھتا ہوں، مجھے اقبالؒ سے پورا اتفاق ہے کہ دنیا کے تمام مسائل کا حل اسلام سے بہتر کہیں نہیں ملتا، انشاء اللہ پاکستان کے نظامِ حکومت کی بنیاد لا الہٰ الا اللہ ہو گی اور یہ ایک فلاحی اور مثالی ریاست ہو گی۔

(سعید راشد، قائد اعظم، گفتار و کردار، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، فروری ۱۹۸۶ء، ص ۵۱۰)

۱۹۴۲ء میں وکلاء کے ایک وفد سے الہ آباد میں نواب سر محمد یوسف کی رہائش گاہ پر گفتگو کرتے ہوئے قائد اعظم نے وفد کے اس سوال کے جواب میں کہ پاکستان کا دستور کیسا ہو گا؟ اور کیا آپ پاکستان کا دستور بنائیں گے؟ کہا:

پاکستان کا دستور بنانے والا میں کون ہوتا ہوں؟ پاکستان کا دستور تو تیرہ سو سال پہلے ہی بن گیا تھا۔

(سعید راشد، قائد اعظم، گفتار و کردار، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، فروری ۱۹۸۶ء، ص ۵۱۵-۵۱۴)

۲۸ر فروری ۱۹۴۸ء کو عید میلاد النبی ﷺ کے مبارک موقع پر کراچی بار ایسوسی ایشن کے استقبالیہ میں ''شریعتِ اسلامیہ'' پر تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا:

کون کہتا ہے کہ پاکستان کے آئین کی اساس شریعت پر نہیں ہو گی؟ ہماری زندگی میں آج بھی اسلامی اصولوں پر اسی طرح عمل ہوتا ہے، جس طرح کہ تیرہ سو سال پہلے ہوتا تھا، اسلام نے جمہوریت دکھائی ہے، مساوات اور انصاف کا سبق دیا ہے۔ لہٰذا اسلامی اصولوں پر عمل کرنے سے ہم ہر ایک کے ساتھ انصاف کر سکیں گے۔

(محمد حنیف شاہد، اسلام اور قائد اعظم، انٹرنیشنل اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لندن ۱۹۹۱ء، ص ۱۱۶)

۲۱ر نومبر ۱۹۴۲ء کو لاہور ٹاؤن ہال گراؤنڈ میں مسلم خواتین کے جلسہ میں

marfat.com

تقریر کرتے ہوئے پاکستان میں اسلامی عدل و انصاف کے احیاء کے بارے میں قائداعظم نے اپنا نقطۂ نظر یوں بیان فرمایا:

> اتاترک کو بھی ترکی کو زندہ کرنے کے لئے چودہ سال لگ گئے تھے ہم تو دو سو سال کے غلام ہیں، اب ہم آزاد ہونا چاہتے ہیں، اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے علاقہ مانگتے ہیں، جس میں ہم اسلامی عدل و انصاف کی تاریخ دہرائیں......،

(محمد حنیف شاہد، اسلام اور قائداعظم، انٹرنیشنل اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لندن ۱۹۹۱ء، ص ۱۲۱)

قائداعظم پاکستان میں اسلامی قانون نافذ کرنا چاہتے تھے، مولانا ظفر احمد انصاری سے اس سلسلہ میں ایک گفتگو کے دوران آپ نے کہا:

> باقی رہا نظام اسلام کا مسئلہ تو آپ مطمئن رہیں ذرا مجھے مہاجرین کی طرف سے اطمینان ہو جائے اور اسمبلی کو بھی اطمینان نصیب ہو جائے تو انشاء اللہ بہت جلد دستور پاکستان اصولِ اسلام کے موافق مرتب ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان میں ایک شیخ الاسلام ہوگا جو حکومتِ پاکستان کو کنٹرول کرتا رہے گا کہ کوئی دستور اور کوئی قانون خلافِ اسلام پاس نہ ہو سکے۔

(محمد حنیف شاہد، اسلام اور قائداعظم، انٹرنیشنل اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، لندن ۱۹۹۱ء، ص ۱۳۲)

قائداعظم کے مندرجہ بالا بیانات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ وہ پاکستان میں اسلامی نظامِ حکومت کے قیام، اسلامی دستور کی تشکیل اور اسلامی نظامِ عدل و انصاف کے نفاذ کے خواہاں تھے اور یہی پروگرام تحریکِ پاکستان کے تمام قائدین کے پیشِ نظر تھا، قیامِ پاکستان کے بعد جلد ہی قائداعظم رحلت فرما گئے، ان کے انتقال کے بعد ان کے عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا کام ان کے جانشینوں اور حاکم طبقہ کا تھا، مگر افسوس کہ وہ ایسا نہ کر سکے۔

marfat.com

اِمام و خطیب

کی

شرعی و معاشرتی حیثیت

☆

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

-- ناشر --

اِسکالرز اکیڈمی کراچی

پوسٹ بکس نمبر 17887 گلشنِ اِقبال کراچی - 75300

marfat.com

عربی مدارس کے لاکھوں طالب علم سوال کرتے ہیں

کیا ہمارے ادارے محرومی کی موت مرجائیں گے؟

نوٹ : یہ مضمون زمانہ طالب علمی میں لکھا گیا اور ہفت روزہ تعبیر کراچی نے اسے ستمبر ۱۹۷۹ء میں جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۶ میں شائع کیا۔

اس وقت دینی مدارس کے طلبہ جن مشکلات سے دوچار ہیں اور دینی مدارس کو جو مسائل درپیش ہیں ان میں سے چند بڑے بڑے حسب ذیل ہیں۔

سب سے بڑا مسئلہ دینی مدارس کے لئے مالی وسائل کی کمی ہے اور یہی بنیادی مسئلہ ہے جس پر باقی تمام تر مسائل کی عمارت کھڑی ہے۔ اس مسئلہ کی بناء پر ہمارے دینی مدارس روز بروز ترقی کے بجائے تنزل کی طرف جا رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمیں صحیح علماء خال خال نظر آتے ہیں ویسے چٹ پٹی تقریریں کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں، لیکن جہاں تک درس وتدریس اور مسائل فقہ، قرآن وحدیث پر عبور ہونے کا تعلق ہے اس سلسلے میں کوئی سو میں سے ایک ہی ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دینی مدارس، غربت وافلاس کا شکار ہیں۔ دینی مدارس کے طلبہ کو وہ سہولیات حاصل نہیں ہیں جو ایک کالج یا اسکول کے طالب علم کو حاصل ہوتی ہیں، چنانچہ نوجوان نسل دینی مدارس کا رخ کم ہی کرتی ہے اور جو چند علوم دینیہ کے پروانے مدارس میں پہنچ جاتے ہیں ان میں سے بیشتر تعلیم مکمل کرنے سے قبل ہی تقاریر کا سلسلہ شروع کردیتے ہیں اور اس طرح علماء کم اور نیم علماء زیادہ پیدا ہورہے ہیں۔

دینی مدارس کے مالی وسائل کا انحصار زیادہ تر زکوٰۃ وصدقات پر ہے۔ اس کے علاوہ عطیات، چرمہائے قربانی وغیرہ ذرائع آمدن ہیں۔ بہت کم مدارس (آٹے میں نمک کے برابر) ایسے ہیں کہ جن کی آمدن ان ذرائع کے علاوہ اس مدرسے کی جائیداد سے ہو۔ اسی لئے کسی بھی مدرسے کی انتظامیہ قبل از وقت نہیں کہہ سکتی کہ آئندہ سال مدرسے کی کیا پوزیشن

marfat.com

ہو گی۔ اب جب کہ حکومت نے خود زکوٰۃ وصدقات وصول کرنے کا پروگرام بنایا ہے، تو اس سے مدرسے مزید مالی بحران کا شکار ہو سکتے ہیں، ہاں اگر حکومت نے مدارس کو غیر مشروط معقول امداد مہیا کی تو پھر توازن برقرار رہ سکنے کی امید کی جاسکتی ہے۔

دینی مدارس کے مالی وسائل کی کمی کی وجہ سے ہی مدارس کے انتظامات درست نہیں ہو پاتے مثلاً ہوسٹل، خوراک لباس، کتب جو ایک مدرسے کی بنیادی ضروریات ہیں، ان میں سے ایک ایک کو لیجئے۔ میں صوبہ سرحد کے علاوہ دیگر تمام صوبوں کے بڑے بڑے شہروں میں بلکہ بڑے بڑے گاؤں میں موجود مدارس میں گیا ہوں اور میں نے دیکھا کہ بعض مدارس میں رہائش کے لئے ہوسٹل نہیں ہیں اور طلبہ مساجد کے حجروں میں یا درس گاہ ہی میں رہتے ہیں۔ جس کمرہ میں درس و تدریس ہوتی ہے اسی کمرے کو بطور رہائش گاہ بھی استعمال کرتے ہیں، جن مدارس میں ہوسٹل کے لئے بلڈنگ موجود ہے تو وہاں فرنیچر نہیں۔ فرنیچر سے میری مرا کوئی صوفہ سیٹ، بیڈ وغیرہ نہیں بلکہ یہی سادی چارپائیاں تک بھی نظر نہیں آتیں۔ اگر کسی مدرسے میں یہ انتظام بھی ہے تو پھر وہاں خوراک کا مسئلہ تشویش ناک ہے۔ صبح شام دال پکتی ہے اور جب دال طلباء کے سامنے آتی ہے تو وہ بے حال ہو کر یہ مقولہ پڑھتے ہیں:

"اَلدَّالُ یَدلُّ علیٰ قِلّۃِ المال و کثرۃِ العیال"

اس میں مدارس کی انتظامیہ کا کوئی قصور نہیں، بلکہ ان کے پاس اتنے وسائل ہی نہیں ہوتے کہ وہ طلبہ کو بہترین طعام مہیا کر سکیں، بلکہ جو دال بھی ملتی ہے وہ بھی ان کی رات دن کی بھاگ دوڑ کر کے حاصل کی ہوئی قلیل پونجی کے توسط سے میسر آتی ہے۔ میں نے بلوچستان اور اندرونِ سندھ کے ایسے مدارس بھی دیکھے ہیں، جہاں مدرسے کے پڑوسی طلبہ کو کھانا مہیا کرتے ہیں ایک گھر پر ایک طالب علم کا کھانا مقرر ہوتا ہے اور طلبہ گھروں سے کھانا مانگ کر لاتے اور نہایت تشکر سے کھاتے ہیں۔ یہ ان کی کمال استقامت ہے۔

خوراک کے بعد مدارس کے لئے بڑا مسئلہ کتب کی فراہمی کا ہے کیونکہ مدارس کے

marfat.com

نصاب میں جو کتابیں پڑھنا پڑھانا اشد ضروری ہے، ان کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں، قدوری مدرسہ کے دوسرے تیسرے درجہ کی کتاب ہے، جس کی قیمت تقریباً چالیس روپے ہے۔ طالب علم اس قابل نہیں ہوتے کہ وہ اپنی کتابیں خود خرید سکیں، لہٰذا ہر مدرسے کو ایک اچھے خاصے کتب خانہ کی ضرورت ہوتی ہے، اگر صرف درسی کتابیں ہی خریدی جائیں تو ہر مدرسے کے پاس کم از کم بیس ہزار روپے کی کتابیں ہونا ضروری ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس کے طلبہ اپنا پیٹ کاٹ کر مدرسے میں کتابیں مہیا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ مدارس کی آمدن کا ایک بڑا حصہ خوراک کے بعد کتابوں پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔

اسی طرح طلبہ کے لباس کا مسئلہ ہے بعض طلباء اتنے غریب ہوتے ہیں کہ گھر سے کپڑے بھی حاصل نہیں کر سکتے مجھے انجمن طلبہ مدارس عربیہ کے جنرل سیکریٹری ہونے کے ناطے گزشتہ ماہ سندھ اور حال ہی میں بلوچستان کے مدارس کا تنظیمی دورہ کرنے کا موقعہ ملا۔ میں نے بلوچستان کے ایک مدرسے میں ایک طالب علم کو دیکھا جو کسی ساتھی سے دھوتی مانگ کر پہنے ہوئے اپنے کپڑے دھو رہا تھا اور دوسرا ساتھی اس سے اپنی دھوتی واپس مانگ رہا تھا۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ اس کے پاس ایک ہی کپڑوں کا جوڑا ہے جسے وہ دھو کر پہنے گا اور میلا ہونے پر پھر اسی کو دھو کر پہننا ہوگا۔ مالی اعتبار سے اندرونِ سندھ، بلوچستان اور سرحد کے مدارس زیادہ زبوں حالی کا شکار ہیں۔

ان مشکلات و مسائل کی روشنی میں ہم حکومت سے مندرجہ ذیل مطالبات کرنے میں حق بجانب ہیں۔

۱۔ دینی مدارس کے طلبہ کو ان کا بنیادی حق یعنی طالب علم ہونے کا حق دیا جائے۔ آپ حیران ہوں گے کہ یہ کیسا مطالبہ ہے میں وضاحت کرتا ہوں۔ دیکھئے جب بھی حکومت طالب علموں کے لئے مراعات کا اعلان کرتی ہے اس میں ہم دینی مدارس کے طلبہ شامل نہیں کئے جاتے اور طالب علموں کو ملنے والی رعایات سے (ہم) طالب علم محروم رہتے ہیں اس لئے ہم کہتے ہیں کہ ہمیں طالب علم تصور کیا جائے اور طلبہ کو ملنے والی ہر

marfat.com

رعایت میں ہمیں شامل کیا جائے۔

۲۔ ہمارے طلبہ کو بھی (جو کہ کالجوں کے طلباء کی بہ نسبت کہیں زیادہ غریب ہیں) بسوں اور ریل گاڑی میں نصف کرائے پر سفر کرنے کی رعایت دی جائے۔

۳۔ ہماری اسناد کو معیار تعلیم کے مطابق مناسب درجہ دیا جائے۔

۴۔ تنظیم المدارس (جو دینی مدارس کا ایک رجسٹرڈ ایگزامینر ادارہ بلکہ بورڈ ہے) اس کے زیر اہتمام ہونے والے امتحانات میں کامیاب طلبہ کی دورہ حدیث کی سند کو ایم اے حدیث/ ایم اے عربی/ ایم اے اسلامیات کے مساوی قرار دیا جائے۔

۵۔ حکومت سیکنڈری بورڈ کے زیر اہتمام جو السنہ شرقیہ (ادیب عالم فاضل کے امتحان لیتی ہے) اس کے سالانہ امتحان کے بعد ہر بورڈ میں ضمنی امتحان بھی لئے جائیں۔ بہترین کامیابی حاصل کرنے والے طلبہ کو خصوصی وظائف اور انعامات بھی دیئے جائیں۔

۶۔ السنہ شرقیہ کے امتحانات کے پرچے جو کالج کے اساتذہ سے بنوائے جاتے ہیں یہ دینی مدارس کے علماء واساتذہ سے بنوائے جائیں۔

۷۔ اعلیٰ تعلیم (تخصص) کے لئے جامعہ ازہر جیسی یونیورسٹی میں سرکاری خرچ (اسکالرشپ) پر زیادہ سے زیادہ طلبہ بھیجے جائیں۔

۸۔ تعلیمی میدان میں دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کو روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

۹۔ دینی مدارس کی موجودہ خستہ حالت کے پیش نظر زکوٰۃ فنڈ کا کم از کم پچاس فیصد غریب طلبہ کے لئے مدارس کو دیا جائے۔

۱۰۔ موجودہ نوجوان نسل کو دینی علوم کی طرف راغب کرنے کیلئے دینی مدارس کا ماحول پرکشش بنایا جائے اور اسکول کی تعلیم کیساتھ ساتھ مدرسہ کی تعلیم کو ضروری قرار دیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ خود اس قابل ہوں کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سمجھ سکیں۔

۱۱۔ حکومت نے ایک قومی کمیٹی برائے دینی مدارس قائم کی تھی (جس کی موت وزیست کا

marfat.com

ہمیں علم نہیں) اس نے کیا رپورٹ مرتب کی اور اس پر کیا عملدرآمد ہوا، اس سے مدارس کو آگاہ کیا جائے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کمیٹی ہمارے بار بار مطالبہ کرنے پر صرف طفل تسلی دینے کے لئے قائم کی گئی ورنہ اس کے نتائج کیوں برآمد نہیں ہوئے؟

ہمیں اس بات کا شدید دکھ ہے کہ ہم عرصۂ دراز سے اخبارات کے ذریعے مطالبات پیش کرتے چلے آئے ہیں اور متعدد مرتبہ درخواستیں بھی اعلیٰ افسروں، صدر مملکت سمیت، سب کو بھیج چکے ہیں لیکن سرکاری اہل کاروں کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ براہِ راست اعلیٰ افسران ہماری بات تک سننے کے لئے تیار نہیں اور ہم سے ملاقات کو بھی شاید چھوت چھات سمجھا جارہا ہے اگر یہی صورتِ حال رہی تو دینی مدارس کے طلبہ تحریک چلانے پر مجبور ہوں گے۔

جینیات کے میدان میں تازہ ترین پیش رفت
کے حوالہ سے ایک تحقیقی و معلوماتی کتاب

کلوننگ

سبزیوں، پھلوں اور حیوانوں پر کامیاب تجربات کے بعد
ہزاروں ہم شکل انسان بنانے کا منصوبہ

☆

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

ناشر

اسکالرز اکیڈمی

marfat.com

بچوں کے لیے

مختصر نصابِ

قرآن کریم

(سوالاً جواباً)

تدوین

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

اِسکالرز اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر 17887 گلشن اقبال، کراچی

marfat.com

دینی مدارس میں درجہ بندی کا نقصان

یہ مضمون ماہنامہ کاروانِ قمر کے شمارہ اکتوبر ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔

درسِ نظامی میں طلبہ کی تعداد میں کمی کے اسباب اور نئے مدرسین کی عدم دستیابی کی وجوہات کی تحقیق کے دوران ایک بات یہ بھی سامنے آئی کہ منجملہ دیگر عوامل کے دینی مدارس میں ''درجہ بندی'' کی وجہ سے بھی کافی نقصان ہوا ہے۔ اس کی بجائے اگر طالب علم کی استعداد اور صلاحیت کے اعتبار سے اس کے اسباق کا تعین کیا جائے اور اس کی اخذ کرنے اور آگے بڑھنے کی صلاحیت کے اعتبار سے اسے آگے بڑھایا جائے تو وہ کم وقت میں بہت کچھ حاصل کر سکتا ہے۔

اس مسئلہ پر اساتذۂ مدارس اسلامیہ اور علماء کرام کے ساتھ ایک نشست میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ درسِ نظامی کے شعبہ میں طلبہ کے داخلہ کے لئے میٹرک پاس ہونے کی شرط اور عمر کی قید بھی ختم ہونی چاہئے تاکہ جو جس عمر میں بھی اس طرف راغب ہو مطلوب و مقصود پالے۔ کم عمری سے ہی درسِ نظامی شروع کرانے کو بھی مناسب خیال کیا گیا ہے۔ ممکن ہے ان خیالات سے کچھ لوگ اتفاق نہ کریں، مگر ہماری رائے یہ ہے کہ ان باتوں میں کچھ نہ کچھ وزن ضرور ہے اور ماضی کے تجربات اس پر شاہد ہیں۔

اس مسئلہ پر مزید غور وفکر کرنے اور کسی صحیح نتیجہ و رائے تک پہنچنے کی غرض سے ہم نے اس بار ایک ایسے ہی مضمون کا انتخاب کیا ہے۔ سید مناظر احسن گیلانی اپنی کتاب ''پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت'' میں درسِ نظامی میں درجہ بندی کے نقصان پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس عہد اجر و مزد میں جماعت بندی کے طریقہ کے سوا اگرچہ کوئی دوسرا طریقہ تعلیم بظاہر ممکن نہیں لیکن اس کا نتیجہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کہ ایک ہی لاٹھی سے آپ نے کل بھینسوں کو ہنکانا شروع کر دیا جو ذہین لڑکے ہیں اگر ان کو غبی لڑکوں کی رفاقت پر مجبور نہ کیا

marfat.com

جاتا تو یہ بالکل ممکن تھا کہ جتنی مدت میں ایک کتاب پڑھائی جاتی ہے اس میں وہ چند کتابیں ختم کر لیتے۔ (مناظر احسن گیلانی، نظامِ تعلیم و تربیت، ج ۲، ص ۱۰)

درسِ نظامی پڑھانے والے اساتذہ کرام یقیناً اس سے اتفاق کریں گے اور میرا تو یہ ذاتی تجربہ ہے کہ ہم نے دورانِ تعلیم جب اپنے اساتذہ سے جماعت کے علاوہ اضافی اسباق کی گزارش کی اور انہوں نے اس شرط کے ساتھ اسے منظور کر لیا کہ گھر پر آ کر چھٹیوں کے دوران پڑھ سکتے ہو، تو ہم نے دیکھا کہ جتنے اسباق ہم نے پورے سال میں جماعت بندی کی وجہ سے پڑھے تھے اس سے کہیں زیادہ اور بہتر انداز میں اس ایک دو ماہ کے مختصر عرصہ میں پڑھ لئے جو سالانہ تعطیلات کا عرصہ تھا۔

درجہ بندی کا ایک نقصان تو اوپر مذکور ہوا، دوسرا نقصان یہ ہے کہ ذہین طلبہ کے ساتھ غبی طلبہ کو لے کر چلنے سے ان بے چاروں کو اپنی رفتار مجبوراً اتنی کرنا پڑتی ہے جتنی ان کے ذہین ساتھیوں کی، نتیجہ یہ کہ انہیں کچھ پلے نہیں پڑتا اس کے برعکس ایسے طلبہ کو جو نسبتاً کم ذہین ہوں اگر الگ پڑھایا جائے تو وہ سمجھ کر اور اپنی استعداد و رفتار کے مطابق سبق پڑھ کر بآسانی حفظ کر سکتے ہیں۔ ایسے طلبہ کو جب زبردستی میں کلاس کے ساتھ چلنا پڑتا ہے اور وہ غیر معمولی محنت نہیں کر سکتے تو امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں اور اس طرح ان کے حوصلے مزید پست اور رغبت کم سے کم تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ پھر یا تو وہ مدرسہ کو خیرباد کہہ کر کوئی اور سلسلہ شروع کرتے ہیں یا اسی میں اپنی عمر برباد کرتے اور فیل پر فیل ہوتے رہتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک مثال نواب صدیق حسن خان کی پیش کی جا سکتی ہے جو دہلی میں مفتی صدرالدین صاحب کے پاس پڑھتے تھے، بلا کے ذہین تھے، مفتی صاحب نے ان کی ذہنی استعداد کا اندازہ لگا کر ان کے لئے اسباق کا الگ انتظام کر دیا تھا چنانچہ وہ خود بیان کرتے ہیں کہ:

''ایک سال آٹھ ماہ کی مدت میں کتب دانشمندی کو سبقاً سبقاً حاصل کیا تحصیل کی سند حاصل کی، کتب متداولہ علوم رسمیہ جن کو اس مدت میں

marfat.com

حاصل کیا یہ ہیں۔ مختصر معانی، شرح وقایہ، معاملات ہدایہ، اوائل توضیح تلویح، اصول فقہ میں سلم مع ملاحسن، حمداللہ، قاضی مبارک میبذی تمام وقدرے شمس بازغہ، صدرا امایعم الاجسام تک، میر زاہد ملا جلال تا بحث دلالت، میر زاہد مواقف تا بحث وجود، میر زاہد رسالہ تا مذہب منصور، صحیح بخاری کے تین جزء سماعا، اول تفسیر بیضاوی، دیوان متنبی، نصف اول، دیوان حماسہ (بعض)، سبعہ معلقہ، مقالہ اول اقلیدس، قطبی مع میر، شرح عقائد نسفی تمام۔ حاشیہ بحرالعلوم بر میرزادہ، مقامات حریری و ہندی چند مقامات شرح مطالع۔"

ایک سال آٹھ ماہ کے عرصہ میں یہ چھبیس (۲۶) کتابیں ہوئیں۔ اب بتایئے اتنی کتابیں اس دور میں جماعت بندی کے ساتھ کوئی شخص اتنے مختصر عرصہ میں پڑھ سکتا ہے؟ بلاشبہ جماعت بندی کی پابندی ترقی علم میں رکاوٹ ہے۔

سید مناظر احسن گیلانی مزید لکھتے ہیں کہ:

پرانے زمانے میں عموماً لوگ بہت تھوڑی عمر میں سند فراغ حاصل کر لیتے تھے، اتنی تھوڑی عمر کہ آج اگر اسکا تذکرہ کیا جائے تو شاید افسانہ سے زیادہ اسے وقعت نہ دی جائے۔

ایسی ایسی ہستیاں جن کی عظمت و جلالت کے آوازے سے آج تک علم کا ایوان گونج رہا ہے۔ علم کے مختلف کنگروں پر ان کے جھنڈے لہرا رہے ہیں، ان بزرگوں کی سوانح عمریاں اٹھا کر پڑھئے حیرت ہوتی ہے کہ آج جس عمر میں لوگ میٹرک بھی پاس نہیں کر سکتے اسی عمر میں یہ حضرات فارغ التحصیل عالم قرار پا چکے تھے، فیضی جیسا ہمہ داں

امروز نہ شاعر و حکیم
دانندہ حادث و قدیم

کا نعرہ لگانے والا۔

ایں کالبدم زخاک ہندست و لیک
در ہر بن موہزار یونان دارم

marfat.com

لیکن ''ہزار یونان جس کے ہر بن مو'' میں پوشیدہ تھا، سنتے ہیں کہ: انہوں نے تمام فنون کی تکمیل اپنے والد گرامی سے صرف چودہ برس کی عمر میں کر لی تھی، دیکھئے:

فنون رانزد پدر در چہاردہ سالگی بانجام رسانید۔ (ماثر الکرام، ص ۱۹۸)

مولانا فضل حق خیر آبادی صاحب ''ہدیہ سعیدیہ''

شاگرد پدر خود مولوی فضل امام ست حدیث از مولانا عبدالقادر دہلوی اخذ کردہ...... وفراغ علمی بعمر سیزدہ سالگی حاصل نمودہ۔ (تذکرہ علماء ہند، ص ۱۶۴)

اپنے والد مولوی فضل امام کے شاگرد تھے اور مولانا عبدالقادر دہلوی سے حدیث پڑھی تھی تیرہ سال کی عمر میں فراغت پائی۔

یہ وہی مولانا فضل حق خیر آبادی ہیں، جو افق المبین کا سبق شطرنج کھیلتے ہوئے پڑھایا کرتے تھے، علوم رسمیہ خصوصاً معقولات اور حدیث یا سارا قصہ کل تیرہ سال کی عمر میں ختم ہو گیا۔ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی رحمہ اللہ علیہ اپنے خودنوشت سوانح میں لکھتے ہیں:

لماوصلت الی خمس سنین اشتغلت بحفظ القرآن المجید و حصلت فی اثنائه بعض الكتب الفارسيه و تعلمت الخط و فرغت من الحفظ حين كان عمری عشر سنين و من بلدر السته الحاديه و عشر شرعت فی تحصيل العلوم ففرغت من الكتب الدراسيه فی الفنون الرسميه الصرف والنحو والمعانی والبيان والمنطق والحكمه والطب والفقه واصول الفقه وعلم الكلام والحديث والتفسير وغير ذالک حين كان عمری سبع عشرة سنه(۱۱۲)

جب عمر کے پانچویں سال میں، میں پہنچا، تب حفظ قرآن میں مشغول ہوا حفظ کے زمانہ میں بعض فارسی کتابیں پڑھتا رہا اور خط

marfat.com

نویسی بھی، جب دس سال کی عمر ہوئی تو حفظ قرآن سے فارغ ہو گیا اور گیارہویں سال سے تحصیل علوم میں مشغول ہوا، رسمی فنون کی درسی کتابوں یعنی نحو، صرف، معانی، بیان منطق، حکمت (فلسفہ) طب، فقہ، واصول فقہ، علم کلام حدیث، تفسیر وغیرہ علوم سے سترہویں سال کی عمر میں فارغ ہو گیا۔

سترہ سال کی عمر میں حفظِ قرآن کی مدت بھی داخل ہے بلکہ اسی میں بقول مولانا

مع فترات وقعت فی اثناء التحصیل و طغرات واقعه فی آوان التکمیل

اس میں بعض وقفے بھی تحصیل علوم میں پیش آئے اور تکمیل کے اس زمانہ میں بعض رکاوٹیں بھی ہوئیں۔

میں نے قصداً مولانا کی عبارت اسی لئے نقل کی تا کہ معلوم ہو کہ اس قلیل مدت میں ان لوگوں کو کیا کیا پڑھایا جاتا تھا اور یہ چیزیں تو وہ ہیں جو اپنے والد سے انہوں نے پڑھی تھیں ان کے سوا جب لکھنؤ آنا ہوتا تھا تو مولانا نعمت اللہ فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ سے جیسا کہ خود لکھتے ہیں:

قرأت علیه فی ثمان ثمانین شرح الجغمنی مع مواضع من حواشی البر جندی و امام الدین الریاضی و رساله الاصطر لاب للطوسی و قدراً کثیراً من شرح التذکره للسید و شرحها للحضری و شرحها للبر جندی و زیج الخ بیگ مع شرح البر جندی و رسائل الاکرو التسطیح و غیر ذلک.

۱۲۸۸ھ میں مولانا نعمت اللہ فرنگی محلی سے شرح چغمینی برجندی امام الدین ریاضی کے حواشی کے ساتھ میں نے پڑھی اور طوسی کے

marfat.com

اسطرلاب کا رسالہ نیز تذکرہ کی شرح کا بھی ایک حصہ حضری و برجندی
کی شرح کے ساتھ الغ بیگ کی زیچ برجندی کی شرح کے ساتھ اکر کا
رسالہ اور تسطیح کا رسالہ یہ ساری کتابیں بھی مولانا سے پڑھیں۔

سترہ سال کی عمر اور اس میں علوم و فنون کے ان ہفت خوانوں کو طے کرنا اور کس طرح طے کرنا کہ ان ہی علوم کو پڑھانے بیٹھے تو ملک کے کناروں تک اپنے جلیل تلامذہ کی ایک فوج پھیلا دی، خود مولانا مرحوم کی پوری عمر ہی کیا ہوئی، چالیس کے قریب میں انتقال ہو گیا، لیکن اس عرصہ میں ستر سے اوپر چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں، جن میں بعض کافی ضخیم ہیں، بعض ہندوستان کے سوا مصر میں بھی طبع ہوئیں، اس وقت تک بیسیوں کتابیں نظامی نصاب میں آپ ہی کی تحشیہ کی داخل ہیں، اسی کے ساتھ فتاویٰ کے مجلدات ہیں، علم کی یہ پختگی اور اس کے حصول میں وقت کی یہ نوعیت کیسی عجیب بات ہے۔

خود حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا کیا حال ہے، انفاس میں رقمطراز ہیں:

بالجملہ از فنون متعارفہ بحسب رسم ایں دیار در پانزدہم فراغ حاصل شد

(ص ۱۹۴)

یعنی تمام معروف فنون سے جو کہ اس ملک میں رائج ہیں پندرہ برس کی عمر میں فراغت پائی۔

صاحب شمس بازغہ علامہ محمود جونپوری کے ترجمہ میں مولانا آزاد فرماتے ہیں:

نزد استاد الملک شیخ محمد افضل جونپوری تلمذ نمود و در عرض ہفدہ سالگی فاتحہ فراغ خواند

(ص ۲۰۲)

یعنی استاد الملک شیخ محمد افضل جونپوری کے شاگرد ہوئے اور سترہ برس کی عمر میں فراغت پائی۔

حضرت مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کے متعلق بھی صاحب کتاب حدائق حنفیہ نے لکھا ہے:

''سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو کر فائق اقران اور افاضل و

marfat.com

اماثل ہو گئے۔" (ص ۴۶۷)

اور کس کس کا نام گناؤں، حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ اسی کتاب حدائق الحنفیہ میں ہندوستان کے مشہور فاضل جلیل قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ جو عوام میں تو اپنی کتاب "مالابدمنہ" کی وجہ سے مشہور ہیں۔ لیکن اہل علم قاضی صاحب کی علمی بلند پائیگی کو ان کی تفسیر مظہری سے پہچانتے ہیں جس کو شاید میں نے پہلے بھی کہیں ذکر کیا ہے۔ قاضی صاحب کے متعلق اسی کتاب میں لکھا ہے کہ "اٹھارہ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری سے فراغت پا کر علم طریقت کا شیخ محمد عابد سے اخذ کیا۔ (پ ۴۶۵)

اور صرف یہی نہیں اٹھارہ سال کی اسی مدت طالب العلمی میں ایک طرف تو قاضی صاحب نے تمام علوم ظاہری سے فراغت حاصل کی اور دوسری طرف حیرت انگیز بات یہ ہے کہ:

> ایامِ تحصیل علم میں علاوہ کتب تحصیلیہ کے ساڑھے تین سو کتابیں مطالعہ کیں۔ (ص ۴۶۶)

کس قسم کی کتابیں ان کے مطالعہ سے گزری ہوں گی، اس کا اندازہ ان کے اس خاص علمی رجحان سے ہو سکتا ہے جو ان کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔(۱) خصوصاً ہم جب اس پر غور کرتے ہیں کہ ان کی تعلیمی زندگی زیادہ تر شاہ ولی اللہ جیسے بلند علمی مذاق رکھنے والے استاد کی شاگردی میں گزری۔

خلاصہ یہ ہے کہ علم کی جس شاخ کے اہل کمال کو آپ اس ملک میں پائیں گے۔ فراغت کی عمر یہی تیرہ چودہ سال سے بیس بائیس سال کی عمر سے زیادہ نظر نہ آئے گی۔ مولانا غلام علی آزاد نے مآثر الکرام میں تقریباً ڈیڑھ سو سے اوپر علماء کا تذکرہ درج کیا ہے اوسط عمر تحصیل کی قریب قریب یہی ہے۔

آج ہندوستان میں عصری جامعات جن لوگوں کو گریجویٹ بنا بنا کر نکال رہی ہیں۔ یوں کہنے کو تو ان طیلسانیوں کو سب ہی کچھ سکھایا جاتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا

marfat.com

ہر علم کی نمک چشی کے ساتھ زیادہ زور انگریز دانی اور حساب و کتاب پر دیا جاتا ہے۔ لیکن اس پر بھی حال یہ ہے کہ ایک طرف اگر کذب (۲) بیانی کو اسکولی اور کالجی عمر کے اندراج میں جائز نہ ٹھہرا لیا جاتا اور اسی کے ساتھ خضاب آہنی کی چلتی ہوئی ترکیب پردہ دار نہ بن جاتی، تو سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں لینے والے طلبہ کتنی لمبی لمبی ڈاڑھیوں کو لے کر تعلیم گاہوں سے باہر نکلتے بہرحال ہم جس زمانہ کا ذکر کر رہے ہیں تحصیل علم کی اوسط مدت جو تھی وہ آپ دیکھ چکے لیکن نتیجے کے لحاظ سے اسی مختصر مدت تعلیم میں ہندوستان کو شاہ ولی اللہ، قاضی ثناء اللہ، مولانا عبدالحئی، ملا محمود، ملا فیضی، مولانا بحرالعلوم، مولانا فضل حق وغیرہم جیسی لازوال شہرتوں کی مالک ہستیاں مسلسل مل رہی تھیں۔

لیکن باوجود اس کے اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تعلیم کی اس زمانہ میں بھی کوئی مدت مقرر کر دی گئی تھی جس کے دل میں جس وقت بھی علم کا ولولہ سر اٹھاتا آزاد تھا، جس استاد کے پاس چاہتا حاضر ہو جاتا تھا، عمر کی زیادتی کبھی حصولِ علم کی راہ میں مانع نہ آئی، خود مولانا محمد احسن گیلانی مرحوم (جد امجد فقیر) کا قصہ گزر چکا کہ متاہل ہونے کے بعد گھر سے پڑھنے کے لئے نکلے اور پڑھ ہی کر واپس ہوئے۔ مولانا آزاد نے میر درگاہی کے تذکرہ میں ان ہی کا بیان نقل کیا ہے۔ ''بعد ازانے کہ پابند تاہل شدیم بہ کسب علم ترغیب نمودند'' (یعنی شادی شدہ ہونے کے بعد علم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا) اشارہ میر عبدالجلیل آزاد مرحوم کے نانا کی طرف ہے کہ انہوں نے کسب علم کی طرف متوجہ کیا اسی سے پہلے یہ فقرہ ہے ''باعث تحصیل علم علامہ میر عبدالجلیل شدند'' (یعنی تحصیل علم کا باعث علامہ میر عبدالجلیل ہوئے)۔

چاہا جائے تو اس کے نظائر و امثال بھی پیش کئے جا سکتے ہیں۔ خصوصاً پڑھنے پڑھانے کے بعد کسی جدید زبان (۳) یا علم کے سیکھنے کی ضرورت اگر کسی کو پیش آ گئی ہے تو پیرانہ سری بھی اس ضرورت کی تکمیل میں رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتی تھی، مولانا عنایت رسول چڑیا کوٹی کے متعلق لکھتے ہیں کہ فارغ التحصیل ہونے کے بعد عبرانی زبان سیکنے کا شوق پیدا ہوا تذکرہ علماء ہند میں ہے:

marfat.com

''بشوق آموختن زبان عبرانی بہ کلکتہ رفتہ در آنجا سالے چند پابند اقامت گشتہ ازا حبار (ماخام) زبان عبرانی را بجمیع الوجوہ آموخت''

(ص ۱۵۲)

(یعنی عبرانی زبان سیکھنے کے شوق میں کلکتہ پہنچے اور وہاں چند سال مقیم رہ کر احبار سے عبرانی زبان پر دسترس حاصل کی)۔

جبرو (عبرانی) زبان میں مولانا کو جو دستگاہ حاصل تھی اس کا اندازہ ان کی کتاب ''بشریٰ'' اور اس رسالہ سے ہوسکتا ہے جو حضرت حاجرہ ام اسماعیل علیہ السلام کے متعلق آپ نے عبرانی حوالوں سے مرتب فرمایا تھا، سرسید احمد خان نے اپنی مشہور کتاب ''خطبات احمدیہ'' کا جزء بنا کر اسے شائع کیا ہے۔

علامہ تفضل حسین خاں بھی ان ہی لوگوں میں ہیں جنھوں نے تحصیل علوم رسمیہ کے بعد

''انگریزی و رومی...... آں رالاتینی نیز گوئند...... یونانی رانیکو گفتے و خواندے ونوشتے'' (نجوم السماء، ص ۳۲۴)

(یعنی انگریزی و رومی جسے لاطینی بھی کہتے ہیں اور یونانی زبانیں بھی سیکھیں)

چڑیا کوٹ ہی کے ایک اور بزرگ قاضی غلام مخدوم چڑیا کوٹی ہیں، صاحب تذکرہ علماء ہند نے ان کے متعلق لکھا ہے:

بعد تکمیلی علوم متداولہ شوق تعلم زبان سنسکرت درویش پدید آمد تا آنکہ در تحصیل زبان مذکور حظے دانی برگرفت و بمقام بنارس کہ معدن مہرہ زبان مرقوم ست میاں ماہران ایں فن امتیازے کافی یافت

(ص ۱۵۷)

(یعنی علوم مروجہ کی تکمیل کے بعد سنسکرت سیکھنے کا شوق ہوا چنانچہ بنارس جہاں کہ اس زبان کے ماہر موجود تھے تشریف لے گئے اور ان سے یہ

marfat.com

زبان بھی سیکھی)۔

مولوی نصرت علی خان دہلوی تخلص قیصر کے متعلق بھی اسی کتاب میں ہے:

''علوم رسمی باستعداد حاصل نمود ماہر زبان فارسی وعربی وترکی وانگریزی وہندی ست''
(۲۳۷)

(یعنی رسمی علوم محنت سے حاصل کئے اور فارسی، عربی، ترکی، انگریزی اور ہندی زبانیں بھی سیکھیں)۔

ان ہی مولوی نصرت علی کے والد مولوی ناصرالدین جو عیسائیوں کے ساتھ اپنے زمانہ میں چونکہ سب سے زیادہ مناظرہ کرنے والے تھے، اس لئے لوگوں میں ''امام فن مناظرہ'' کے لقب سے مشہور تھے، کنیت ابوالمنصور رکھی۔ ان کے متعلق بھی لکھا ہے:

''اکتساب علوم از والد ماجد وجد امجد خود نمودہ''

(یعنی اکتساب علوم اپنے والد اور دادا سے کیا)

جب عیسائیوں سے مناظرہ کی مہم سامنے آئی تو:

''تورات وانجیل بالتفسیر عبرانی و یونانی از علماء اہل کتاب خواند''

(ص ۲۳۲)

اور تورات وانجیل کی تفسیر عبرانی و یونانی اہل کتاب علماء سے حاصل کی

مولوی نجف علی جھجھر کے رہنے والے نواب ٹونک محمد علی خان کے دربار کے مولوی تھے لکھا ہے کہ:

''پنجاہ رسائل بالسنۃ خمسہ کہ دری و پاژندی وعربی و فارسی و اردو عبارت از آنست''
(تذکرہ علماءِ ہند، ص ۲۳۶)

جس کا یہی مطلب ہے کہ عربی، فارسی اردو کے سوا دری اور پاژندی زبانوں کو بھی انہوں نے تحصیل علم کے بعد غالباً کسی پارسی عالم سے سیکھا تھا۔

marfat.com

حالانکہ خود عربی زبان میں ان کو اتنی قدرت حاصل تھی کہ ''شرح مقامات حریری بہ زبان عربی بہ صنعت اہمال تصنیف کرد'' پوری حریری کی شرح غیر منقوط الفاظ میں کرنا آسان نہیں ہے۔ ان کے متعلق یہ بھی بیان کیا ہے کہ پارسیوں کی مذہبی کتاب ''دساتیر'' کی ایک شرح ''ویمزا'' نامی پاژندی زبان میں اور ''رمان سفرنگ'' دری زبان میں لکھی تھی۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ قاضی صاحب کو جو وسعت نظر علم حدیث اور فقہ واصول فقہ وتصوف میں حاصل تھی حقیقت یہ ہے ان کی تفسیر کے دیکھنے کے بعد کہنا پڑتا ہے کہ اس جامعیت کے علماء ہندوستان میں کم ہی گزرے ہیں اور ہندوستان ہی نہیں اگر مبالغہ نہ خیال کیا جائے تو قاضی صاحب کو بیرونِ ہند کے اسلامی ممالک کے علماء کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ان کو بیہقی وقت بلاوجہ نہیں کہتے تھے، حضرت میرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے قاضی صاحب نے اگرچہ ارشاد اپنے پیر شیخ محمد عابد کے حکم سے حاصل کیا تھا۔ لیکن خود مرزا صاحب قاضی صاحب کو علم الہدیٰ کے نام سے موسوم کرتے تھے، تفسیر کے سوا قاضی صاحب نے ایک بڑی معرکۃ الآراء، مبسوط کتاب فقہ میں لکھی ہے جو فقہ جامع کی ایک بہترین استدلالی کتاب ہے۔ اس میں ہر باب میں ائمہ اربعہ کے مسائل دلائل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اسی کتاب سے الگ کر کے آپ نے ماخذ الاقوی کے نام سے ایک اور کتاب لکھی جس میں آپ نے ان مسائل کو جمع کیا ہے جو دلیل کے لحاظ سے آپ کے نزدیک قوی تر تھے۔ افسوس کہ ملک کی ناقدریوں نے اب تک ان کتابوں کی اشاعت کا موقعہ بھی بہم نہ پہنچایا۔ تفسیر مظہری متعدد بار چھپنی شروع ہوئی لیکن آج تک مکمل نہ ہو سکی۔ حکومت آصفیہ سے ایک صاحب نے روپیہ بھی وصول کر لیا لیکن تفسیر چھاپ کر نہ دی۔ (اب مکمل شائع ہو چکی ہے بلکہ اردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔ شاہتاز)

۱۔ حکومت نے یہ قانون بنا کر کہ سولہ سال کی عمر سے پہلے کوئی میٹرک پاس نہیں کر سکتا تھا اور چوبیس سال کی عمر سے بعد کسی کو سرکاری ملازمت میں نہیں لیا جا سکتا، اس عجیب وغریب

marfat.com

تا نے لڑکوں کو جھوٹ بولنے اور بلوانے پر آج مجبور کر دیا ہے۔ حالانکہ ان عجیب و غریب قیود کا مطلب آج تک سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا ہے ایک لڑکے میں اگر میٹرک پاس کرنے کی صلاحیت سولہ سال سے پہلے پیدا ہوگئی ہے تو آپ اس کو زبردستی اس امتحان میں کامیاب ہونے سے کیوں روک رہے ہیں...... ممکن ہے یورپ کے سرد ملک میں لوگ دیر میں ہوش وحواس سنبھالتے ہوں لیکن ہندوستان کی تاریخ آپ کو بتا رہی ہے کہ میٹرک تو علم کا ابتدائی دروازہ ہے یہاں تیرہ چودہ سال کی عمر میں لوگ فارغ التحصیل ہو کر فیضی اور بحرالعلوم بنتے تھے۔ یہی حال ملازمت کا ہے۔ کارکردگی کی صلاحیت جس میں پائی جاتی ہو وہ ملازمت کا مستحق ہوسکتا ہے خواہ اس کی عمر کچھ بھی ہو آج بھی یہی ہو رہا ہے لیکن جھوٹ کے پردے میں حقیقت کو چھپا کر بلاوجہ ایک اخلاقی کمزوری میں مبتلا ہونے پر لوگوں کو مجبور کرنا اس زمانہ کا عجیب مذاق ہے۔

۳۔ مختلف زبانوں کے سیکھنے کا مسلمانوں میں جو مذاق تھا اس کا اندازہ آپ کو اس وقاعہ سے ہو سکتا ہے کہ حافظ ابن حجر نے درر کامنہ میں آٹھویں صدی کے ایک بغدادی عالم زین الدین العابر کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ تاتاری نومسلم بادشاہ خازان خان جب آپ کے مدرسہ میں آیا اور آپ سے ملا تو بالغ فی الدعاء (یعنی اس نومسلم بادشاہ کو شیخ نے بہت دعائیں دی) یہ دعائیں کن کن زبانوں میں کی گئیں، حافظ لکھتے ہیں بالمغلی ثم بالترکی ثم بالفارسی ثم بالرومی ثم بالعربی. جس سے معلوم ہوا کہ ان پانچ زبانوں پر ان کو قدرت تھی ہفت زبان کا لفظ مسلمانوں میں مروج بھی تھا۔

مندرجہ بالا حقائق سے ہمارے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ مدارسِ دینیہ میں درجہ بندی کی پابندی سے نقصان ہو رہا ہے اور اس پابندی میں نرمی یا خاتمہ سے تحصیل علم کی رفتار بڑھ سکتی ہے نیز رغبتِ مزیدہ پیدا ہو کر طلبہ کی تعداد میں اضافہ کا موجب بھی ہو سکتی ہے۔

نوٹ: اس مضمون میں مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب "پاک و ہند میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت" سے استفادہ کیا گیا ہے اور اس کتاب کے متعدد اقتباسات بصرف یسیر اس میں شامل ہیں۔

marfat.com

نظامِ تعلیم، ایک جائزہ

﴿یہ مضمون ۱۹۷۳ء میں زمانہ طالب علمی میں لکھا گیا تھا﴾

برصغیر میں انگریز کے تسلط سے پہلے جو نظامِ تعلیم رائج تھا وہ اسلامی تعلیمات و روایات پر مبنی تھا۔ مسلمان بچوں کو ابتدائی تعلیم مساجد میں دی جاتی تھی۔ مسجد چونکہ مسلمانوں کے لئے ایک مقدس جگہ ہے۔ لہٰذا ہر طالب علم اس کا احترام ملحوظِ خاطر رکھتا تھا۔ مسجد کا امام بچوں کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ اُستاد کی تکریم طلباء کے دلوں پر نقش تھی۔ طلباء کو تعلیم اسلامی حدود کے دائرہ میں رہ کر دی جاتی تھی۔ انگریز نے برصغیر میں قدم جماتے ہی سب سے پہلے اس نظامِ تعلیم کو ختم کرنے کی سازش کی تاکہ مسلمانوں میں اس اندازِ تربیت کا وجود ہی نہ رہے، جوان میں حق و باطل میں تمیز کی صلاحیتیں پیدا کرتا ہے، جو نظامِ تعلیم انگریزوں نے رائج کیا وہ بقول اقبالؒ۔

اور یہ اھل کلیسا کا نظامِ تعلیم ......!

ایک سازش ہے فقط دین مروت کے خلاف

لارڈ میکالے جو اس نظام کا بانی تھا اس تعلیمی پالیسی کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

یہ نظامِ تعلیم برصغیر میں ایک ایسی نسل پیدا کرے گا جو رنگ، خون اور نسل کے اعتبار سے ہندوستانی یا مسلمان ہو گی لیکن تہذیب و معاشرے اور نظریات و افکار کے اعتبار سے انگریز ہو گی۔

مسلمانوں کی نئی پود نے جب انگریز کے قائم کردہ جدید تعلیمی اداروں میں تعلیم و تربیت حاصل کی تو وہ واقعتاً نسلی طور پر تو مسلمان رہے لیکن تہذیب و معاشرے کے اعتبار سے انگریز بن گئے۔ علامہ اقبالؒ جس نے خود نئی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی۔ نے اس نظام تعلیم کی فتنہ سامانیوں کو محسوس کرتے ہوئے صدائے احتجاج یوں بلند کی۔

گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے تیرا

کہاں سے آئے صدائے لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

marfat.com

قیامِ پاکستان کے بعد اشد ضرورت اس امر کی تھی کہ انگریز کے رائج کردہ نظامِ تعلیم کو یکسر تبدیل کر کے ایک ایسا نظامِ تعلیم لایا جاتا جو اسلامی تقاضوں اور ملی اُمنگوں کے ہم آہنگ ہوتا جو

۱۔ رنگ و نسل، علاقہ و زبان کے جاہلی تعصبات کو مسترد کر کے ملت اسلامیہ کی وحدت و اخوت کا درس دے۔

۲۔ طلباء میں تحقیقی روح پیدا کرے۔

۳۔ اسلام کی حقانیت و جامعیت کی تعلیم دے اور عشقِ رسول کی شمع ہر طالبِ علم کے سینے میں فروزاں کرے۔

۴۔ عقل و شعور، فہم و ادراک اور غور و فکر کا صحیح مادہ پیدا کرے اور طلبا کو نہ صرف ایک باشعور شہری بنائے بلکہ ایک کار آمد ہنر مند کارکن بنائے جو ملکی ترقی کے منصوبوں میں بھرپور حصہ لے سکے۔

اس ضرورت کو قائداعظم محمد علی جناح نے محسوس کرتے ہوئے فرمایا:

تعلیم اور صحیح تعلیم کی اہمیت سب پر واضح ہے۔ ایک صدی سے زائد عرصے تک غیر ملکی تسلط کا یہ قدرتی نتیجہ ہے کہ ہمارے لوگوں نے تعلیم پر مناسب توجہ نہیں دی۔ اگر ہمیں حقیقی تیز رفتار اور نتیجہ خیز ترقی کرنی ہے تو ہمیں تعلیم کے مسئلے پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ اپنی تعلیمی پالیسی اور پروگرام کو ایسے خطوط پر چلانا چاہئے، جو ہمارے لوگوں کے مزاج کے مطابق ہو جو ہماری تاریخ اور ثقافت سے ہم آہنگ ہو جو دُنیا بھر میں ہونے والی وسیع ترقیوں اور جدید تقاضوں کے مطابق ہو۔

(کل پاکستان تعلیمی کانفرنس کراچی ۲۷ر نومبر ۱۹۴۷ء)

اس سلسلے میں علامہ اقبال نے کیا خوب کہا۔

زہراب ہے اس قوم کے حق میں مئے افرنگ
جس قوم کے بچے نہیں خود دار و ہنر مند

marfat.com

اب تک ہمارے ملک میں جو نظامِ تعلیم رائج رہا۔ اس کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ یہ نظام طلباء کو روشن خیال اور روشن دماغ بنانے کی بجائے ان میں غلامانہ ذہنیت پیدا کرتا ہے۔

انہیں کار آمد شہری اور ترقیاتی منصوبوں کے لئے ہنر مند کارکن بنانے کی بجائے انہیں فارغ التحصیل ہونے کے بعد دفتری ملازمت کے لئے تیار کرتا ہے۔ پاکستان ایک زرعی ملک ہے اس کی ۸۰ فیصد آبادی کا پیشہ زراعت ہے۔ لہٰذا ملکی ترقی کے لئے زراعت کو فروغ دینا ضروری ہے۔ زرعی ترقی کے ساتھ صنعتی ترقی ناگزیر ہے۔ جس کے لئے فنی تعلیم ملک کی اہم ترین ضرورت ہے تاکہ ہماری صنعتوں کو باہنر کاریگر میسر آسکیں۔ مروجہ نظامِ تعلیم زرعی اور فنی تعلیم سے نابلد ہے۔ اس المیہ کو سامنے رکھتے ہوئے ۱۹۷۲ء میں جو تعلیمی پالیسی وضع کی گئی ہے۔ اس میں فنی اور زرعی تعلیم کی طرف بطور خاص توجہ دی گئی ہے۔ اس اسکیم پر اس سال سے عمل درآمد شروع ہو رہا ہے۔ اور اب ہر طالب علم کو معاشرتی اور سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ کسی فنی مضمون میں عملی تربیت لینا ضروری ہوگا۔

اس طرح تعلیم بامقصد ہو جائے گی، اور ملکی احتیاجات کو بھی پورا کرے گی۔ امید کی جاسکتی ہے کہ اس کے نتائج حوصلہ افزاء ہوں گے۔ پرانا نظام صرف علم اور کتابیں پڑھنے پر زور دیتا تھا لیکن موجودہ نظام عمل پر زور دیتا ہے۔ موجودہ نظام سے فارغ التحصیل طالب علم صرف ملازمت ہی تلاش نہیں کرے گا۔ بلکہ ملکی معیشت میں بھرپور حصہ لے گا۔

نوٹ: یہ مضمون ۱۹۷۳ء میں کالج کے میگزین کے لیے لکھا گیا تھا اور یہ "دی ٹیکنیشن" نامی میگزین راولپنڈی میں شائع ہوا۔ راقم اس وقت گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی راولپنڈی میں زیر تربیت تھا۔

marfat.com

اعلیحضرت پیر مہر علی شاہ مجدد گولڑوی کے ارادت مند علماء و مشائخ کا جامع تذکرہ

تجلیاتِ

مہرِ انور

تالیف

شاہ حسین گردیزی

مکتبہ مہریہ ۔ گولڑا شریف ۔ اسلام آباد

marfat.com

جنگ خلیج کے خفیہ گوشے

شاہ فہد کی زبانی، لمحے لمحے کی کہانی۔ پہلی بار منظرِ عام پر

نوٹ: شاہ فہد نے یہ تقریر کویت کی عراق کے قبضہ سے آزادی کے موقع پر امیرِ کویت کو کویت واپس لوٹاتے ہوئے ان کی موجودگی میں سعودی عرب میں کی، جسے عرب جرائد نے اہتمام سے شائع کیا۔ راقم نے اسے ہفت روزہ تکبیر کیلئے اردو کے قالب میں ڈھالا۔ اور یہ تکبیر میں ۲۶ر مارچ ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔

برادرانِ گرامی! آج اس مبارک و مسعود موقع پر جبکہ ہم آپ ہی کے دوسرے وطن میں ملاقات کر رہے ہیں، میں یہ کہوں گا کہ بلاشبہ آج کی یہ ملاقات ہمارے دلوں میں پائی جانے والی باہمی محبت کے لئے باعث تقویت ہے۔ یہ ملاقات ایسے وقت میں ہو رہی ہے، جو ان مشکل ترین اوقات میں سے ایک ہے، جن سے ہمارے دونوں ملک دوچار ہوئے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہم میں سے کسی نے کبھی یہ سوچا ہوگا کہ ہم پر ایسا دن بھی آئے گا، جس میں ہم پر اپنے ہی ایک پڑوسی کی طرف سے مصیبت نازل ہوگی۔ ایک ایسے پڑوسی کی طرف سے، جسے ہم نے معنوی اعتبار سے اور بین الاقوامی مواقف کے اعتبار سے ہر ممکن مدد دی، مگر جو ہوا، وہ آپ کے سامنے ہے۔

آخری گھڑی تک اسی ملک میں جناب ولی عہد و وزیر اعظم کویت اور عراق کے نائب صدر کے درمیان بات چیت ہوتی رہی۔ ہمیں یہ امید تھی کہ جو مذاکرات عراق ہی کے کہنے پر اور اسی کی مرضی کے مطابق، یہاں ہو رہے تھے، وہ کسی اچھے نتیجے پر پہنچیں گے اور ان تمام جھگڑوں کو ختم کر دیں گے، جن کی عراق کو شکایت تھی۔ ہم سبھی جانتے ہیں اور میرا خیال ہے، ہمارے یہ بھائی بھی اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ میرے اور حاکم عراق کے درمیان کس قدر دوستی تھی، جو میری طرف سے تو سچی تھی مگر ان کی طرف سے دھوکہ دہی پر مبنی مگر

marfat.com

انسان تو ظاہری معاملات ہی کو جانتا ہے اور انہی کا اعتبار کرتا ہے۔ دوسرے روز صبح سویرے جو عذر پڑا، وہ میرے لئے ایک حیرت انگیز المیہ تھا، کیونکہ یہ ایک ایسے مربی اور پڑوسی سے ظہور پذیر ہوا، جس کی طرف ہم نے ہمیشہ دستِ تعاون دراز کیا تھا اور کبھی اس سے کسی برائی یا اذیت رسانی کا معاملہ نہیں کیا تھا۔

میں نہیں سمجھتا کہ ہم میں سے کسی نے کبھی یہ سوچا ہوگا کہ کبھی ہم پر ایسی مصیبت کسی ایسے پڑوسی کی طرف سے بھی آ سکتی ہے، جس کے ساتھ ہمارے معاملات ایسے تھے، جیسے مردوں کے ساتھ مردوں کے ہوا کرتے ہیں، لیکن جو ہوا سو ہوا۔

حیرت انگیز المیہ:

چنانچہ جمعرات کی صبح جب میں بیدار ہوا، تو مجھے ہمارے ایسٹرن ریجن کے ملٹری کمانڈر کا اچانک فون موصول ہوا، جو یہ کہہ رہے تھے کہ اس وقت کویت پر حملہ ہو رہا ہے۔ میں یقین نہ کر سکتا تھا کہ کویت پر حملہ ہو رہا ہوگا اور کس طرف سے حملہ؟ ایران کی طرف سے، نہیں! ہمارے اور ایران کے درمیان تو کوئی جھگڑا نہیں تھا...... اور عراق کی طرف سے؟...... عراق کے ساتھ تو ہماری دوستی ہے...... تو پھر حملہ آور کون ہو سکتا ہے؟...... چنانچہ میں نے اس سے بتاکید پوچھا: اور کہا: ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' ...... اس نے کہا ''ہاں! مجھے معلوم ہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں'' اور میں آپ کو وہی کچھ بتا رہا ہوں، جو میں نے دیکھا اور پایا۔

میں نے جناب امیر سلطان بن عبدالعزیز صاحب (وزیر دفاع) کو فون کیا اور ان سے کہا کیا آپ کو بھی یہ اطلاع ملی ہے، جو کہ مجھے دی گئی ہے؟ تو انہوں نے کہا ہاں! میں نے اس وقت تک اطلاع کو صحیح نہ جانا اور نہ اس کی تصدیق کی، جب تک کہ میں نے کویت میں واقع سعودی عرب کے سفارت خانے کو فون نہیں کر لیا اور وہاں سے مجھے یہ جواب ملا کہ ''ہاں'' عراقی افواج اس وقت ہر جگہ اتر رہی ہیں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ایسی اچانک خبر تھی، جسے انسان ایک اندوہناک صدمہ

marfat.com

سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہے؟ تو کیا وہ فوجی طاقت، جو عراق میں تیار ہو رہی تھی اور جس میں ہم نے کافی حصہ لیا تھا اور جس کی امداد میں ہم شریک ہوئے تھے اور جسے ہم نے نفیس ترین اسلحہ سے لیس کیا تھا، کیا یہ اپنے دفاع کے لئے تیار ہو رہی تھی؟ کیا یہ بات کسی کے تصور میں بھی تھی کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا کہ جس میں مشکلات کا حل ناممکن ہو جائے؟ طاقت کے استعمال کے بغیر سرحدی جھگڑوں یا تیل کے تنازع کا تصفیہ نہ ہو سکے۔

دراصل اس کا جواب بہت ہی معمولی اور مختصر ہے...... ''نہیں'' ...... بلکہ کویت پر قبضہ کرنے کے لئے اور پھر اس کے بعد سعودی عرب پر قبضہ کرنے کے لئے منصوبہ بندی ہو رہی تھی۔

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ صدام حسین سے میری بہت گہری دوستی تھی اور میرے تعلقات میری حد تک تو بہرکیف اُن سے بہت پختہ تھے اور پھر آخر یہی ظاہر ہوا کہ یہ میری ہی طرف سے تھے، رہا معاملہ اُن کا تو اُن کی طرف سے تو دھوکہ ہی دھوکہ تھا۔

صدام حسین کا فرار:

میں نے ٹیلی فون پر صدام حسین سے بات کرنے کی کوشش کی اور باوجودیکہ میرے لئے رات یا دن کے کسی بھی حصے میں، کسی بھی جگہ اور کسی بھی وقت، ان سے بات کرنا انتہائی آسان ہوا کرتا تھا۔ اب کوشش کے باوجود اُن کے ذاتی فون نمبروں پر کسی بھی جگہ مجھے کوئی بھی شخص دستیاب نہ ہو سکا۔ جب میں نے صدام حسین کے سیکریٹری سے بات کی اور میں نے کہا کہ ایسا ایسا معاملہ ہو گیا ہے، تو اس نے کہا کہ مجھے تو اس بارے میں کوئی علم نہیں...... یہ کیسی عجیب منطق ہے؟ کہ اسے کچھ بھی معلوم نہ ہو؟

میں نے اس سے کہا ''اچھا! تو میں صدام سے بات کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا ''مجھے، نہیں معلوم کہ صدام کہاں ہیں، تاہم میں آپ کو آدھے گھنٹے بعد جواب دوں گا۔'' اور پھر آدھے گھنٹے بعد اس نے فون کیا اور بتایا کہ صدام حسین عراق سے باہر ہیں اور چھٹی پر ہیں اور ان کے پاس فون نہیں۔

marfat.com

میں اس شخص سے بات کرنے سے پہلے ہی بھانپ گیا تھا کہ کویت پر واقعی حملہ ہو رہا ہے اور یہ بھی کہ حملہ مسلسل جاری ہے اور میں یہ بھی سمجھ گیا کہ وہ (صدام حسین) مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔

چنانچہ میرے سامنے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں جناب امیر سلطان صاحب کوفون کروں کہ ہم اپنی تیاری کریں اور فوری طور پر سوچیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟

صبح دس بجے صدام حسین نے مجھے فون کیا اور کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ آپ نے فون کیا تھا اور میری آپ سے بات نہ ہو سکی۔

میں نے اس سے کہا کہ اب جبکہ سب کچھ ختم ہو چکا، تو آپ کو مجھے فون کرنے کے تکلف کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کا مجھے فون کرنا بے سود اور عبث ہے۔ میں نے اس سے مزید بات کرنا چاہی! تو اس نے کہا پلیز! ''مجھ سے کسی چیز کے بارے میں بات مت کیجئے'' میں آپ کی طرف اپنے نائب عزت ابراہیم کو بھیجتا ہوں۔ بہر کیف میں نے کہا کہ وہ تشریف لائیں کوئی دو گھنٹے یا اس کے کچھ دیر بعد صدام کے نائب صاحب پہنچے اور میں نے یہاں ان کا استقبال کیا۔

میں سوچتا رہا اور حقیقتاً یہ کوئی محدود سوچ بھی نہیں تھی کہ وہ میری طرف اپنے نائب کو کیوں بھیجنا چاہتے ہیں؟ مگر میں نے پھر بھی سننا چاہا۔

صدام کے نائب صاحب آئے میں اور جناب امیر عبداللہ بن عبدالعزیز ولی عہد بیٹھے ہوئے تھے، وہ صاحب بھی آئے اور بیٹھ گے۔

بدترین صدر:

اصولاً میں ان سے سننا چاہتا تھا، لیکن مجھے ان کی طرف سے مکمل خاموشی ملی۔ جب میں نے انہیں مہر بلب دیکھا، تو میں نے ان سے کہا کہ میں تم سے سننے کا منتظر ہوں۔ انہوں نے کہا میری بات بہت مختصر ہے۔ میں نے کہا اگر چہ مختصر ہی ہو، آپ بات کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ میں بڑا مختصر سا پیغام دے کر بھیجا گیا ہوں اور وہ یہ کہ ''صدام حسین نے کہا، جو کچھ ہوا

marfat.com

یہ فطری عمل تھا، عراق کا حصہ عراق کو واپس مل گیا اور بس۔"

میں نے ان سے کہا جناب عزت ابراہیم صاحب...... میں ان صاحب کو عرصے سے جانتا ہوں، اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ عراق کے وزیر داخلہ تھے اور میں سعودی عرب میں وزیر داخلہ تھا...... میں نے ان سے کہا! کیا آپ کے پاس اس سلسلے میں کہنے کو کچھ اور بھی ہے۔ کوئی دلیل، یا کوئی اور چیز؟ انہوں نے کہا! "میرے پاس اس بات کے علاوہ کہنے کو اور کچھ نہیں...... انہوں نے کہا! "صدام حسین کہتے ہیں کہ اس صورتِ حال پر کسی قسم کا اضطراب یا پریشانی نہیں ہونی چاہئے...... عراق کا حصہ عراق کو واپس مل گیا۔"

میں نے کہا "کیا اس کے علاوہ کوئی اور بھی بات ہے؟" انہوں نے کہا کہ "میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ وہی کچھ ہے، جو صدام حسین نے کہا ہے......" میں سمجھ گیا کہ یہ شخص ایک ٹیپ ریکارڈر کی طرح ایک آلہ بن کر آیا ہے۔

میں نے کہا! اس بات کے علاوہ بھی آپ کچھ کہنا چاہیں گے؟ کیا ممکن ہے کہ آپ مجھے کچھ اور بھی بتائیں یا یہ ممکن ہے کہ میں کسی سلسلے میں آپ سے بات کروں؟

انہوں نے کہا "واللہ! اگر آپ مجھ سے کسی سلسلے میں بات کریں گے، تو مجھے جواب دینے کا اختیار نہیں۔ ہاں البتہ! میں آپ کی بات پہنچانے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔"

میں نے کہا! "بہرکیف جب آپ کا جواب یہ ہے اور آپ کے پاس پیغام اتنا ہی ہے، تو پھر آپ کو میری کوئی بات پہنچانے کی بھی کوئی ضرورت نہیں اور نہ مجھے آپ سے کچھ سننے کی ضرورت!" خدا حافظ! تشریف لے جائیے۔

درحقیقت جو واقعہ ہونا تھا، ہو چکا تھا اور میرا خیال ہے کہ تاریخ، عراق پر، حکومت کرنے والے اس بدترین صدر کے بارے میں وہ سب کچھ بیان کرے گی، جو کچھ کویت کے ساتھ ہوا۔

بدنیتی کا آغاز:

میں نے اپنی یادداشت پر زور دیا، تو یاد آیا کہ بغداد میں جو سربراہی کانفرنس ہوئی

marfat.com

تھی، وہ غیر معمولی نوعیت کی تھی، لیکن ہم نے کہا کہ سربراہی کانفرنس سربراہی کانفرنس ہی تو ہے اور میرے مشاہدات اور شکوک جن پر میں نے کسی چیز کی بنیاد نہیں رکھی اور نہ یہ سوچا تھا کہ جو کچھ ہوا ہے، وہ ہوگا، کیونکہ صدام حسین کی باتوں میں اور معاملات میں ایک خاص قسم کی بنیادی تبدیلی پائی جاتی تھی اور وہ یہ کہ میں کم از کم، اپنے بارے میں ذاتی طور پر یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ میری بہت زیادہ آؤ بھگت کر رہے ہیں۔ مجھے صدام حسین سے اس آؤ بھگت پر کچھ تعجب بھی نہیں تھا، کیونکہ صدام حسین کے ساتھ میرے تعلقات مشہور ہیں لیکن میں نے ایک چیز محسوس کی اور غالباً امیر جابر صاحب نے بھی اسے محسوس کیا ہوگا کہ وہ (صدام) یہ سب کچھ کسی خاص مقصد کے لئے کر رہے تھے۔

اگر ہم ذرا سا بھی ماضی میں جائیں، تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ چھیڑ چھاڑ کا سلسلہ صدام حسین کے کویت پر حملہ کرنے سے چند ماہ پہلے ہی شروع ہو گیا تھا اور یہ سلسلہ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں۔ صدام حسین کی باتوں سے شروع ہوا۔ مثلاً جب انہوں نے کہا کہ امریکہ اور متحدہ عرب امارات نے (ان کا مقصد سعودی عرب بھی تھا، لیکن انہوں نے نام لے کر سعودیہ کو ظاہر نہیں کرنا چاہا) پٹرول کی پیداوار میں اضافہ کر کے اور کم قیمتوں پر پٹرول فروخت کر کے اچھا نہیں کیا اور یہ کہ اس سے عراق کو نقصان پہنچا ہے۔

ایسے ہی بعض معاملات میں وہ کچھ مطالبات بھی پیش کرتے تھے۔ مثلاً کویت سے ان کا مطالبہ یہ تھا کہ وہ انہیں تقریباً دو ہزار پانچ سو ملین ڈالر ادا کرے اور یہ کہ رومیلا کے کنویں عراق کے ہیں اور ان کنوؤں سے کویت نے جو مال کمایا ہے، وہ عراق کو دے اور ایسے ہی لمبے چوڑے دیگر مطالبات بھی تھے۔

انہیں دنوں صدام حسین نے ہمارے ہاں سعدون حمادی کو بھیجا۔ لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ سعدون حمادی سے کوئی بھی گفتگو نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔ نہ تو وہ آپ کی کوئی بات سمجھ سکتے ہیں نہ آپ ان کی کوئی بات۔

سعدون حمادی جس موضوع پر بات کرنے آئے تھے، اس کا تعلق پٹرول سے اور

marfat.com

پیٹرول کی پروڈکشن سے تھا اور عراق کی اس بات سے تھا کہ متحدہ عرب امارات اور کویت نے ہمیں نقصان پہنچایا ہے اور ان دونوں نے اپنے مقررہ کوٹہ سے زیادہ پیٹرول پیدا کیا ہے۔

جھوٹے وعدے:

اس موقع پر انہوں نے سعودیہ کا نام نہیں لیا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ وہ اس میں سعودیہ کو بھی شامل کرتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ انہوں نے اس بارے میں کوئی بات نہیں کی اور اُسی وقت یہ مطالبہ بھی کیا کہ خلیج کے ملکوں کا اجلاس پیٹرول پیدا کرنے والے خلیجی ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس کے دوران ہونا چاہئے۔ یہ رمضان کی بات ہے یا رمضان سے کچھ بعد کی۔ انہوں نے یہ بھی مطالبہ کیا کہ سربراہی کانفرنس خلیج کے موضوع پر غور کرنے کے لئے سعودی عرب میں ہونی چاہئے۔ میں نے بہرحال اس سے انکار کیا اور کہا کہ اگر سربراہی کانفرنس ہونی ہے، تو ہم اوپیک میں اکیلے ہی تو نہیں بلکہ اس میں تیرہ ملک شامل ہیں اور اگر آپ لوگ سربراہی کانفرنس بلانا ہی چاہتے ہیں، تو سیکریٹری جنرل سے بات کریں اور کانفرنس بلائیں۔

سوال یہ ہے کہ سربراہی کانفرنس کا اجلاس کیوں ہو؟ انہوں نے کہا کہ کویت اور متحدہ عرب امارات نے ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے...... ان معاملات کی فہرست انہوں نے کیوں پیش کی......؟ اس لئے کہ اس میں چھیڑ چھاڑ اور گڑ بڑ پیدا کرنے کا ایک عنصر تھا۔

پھر معاملات روز بروز بڑھتے ہی گئے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان باتوں کا بیان کیا جانا ضروری نہیں کہ جب ہم نے صدام حسین سے قول و قرار لیا کہ ان کی فوجوں کی نقل و حرکت کا مقصد فوجی مشقوں کے علاوہ اور کچھ نہیں اور انہوں نے دو مرتبہ مجھے اس کی یقین دہانی کرائی اور میں نے اس کا ذکر صدر حسنی مبارک سے بھی کیا۔ صدر حسنی مبارک نے ان سے رابطہ کیا اور خود ان کے پاس گئے اور انہیں تاکید کی۔

یہ اس کانفرنس سے پہلے کی بات ہے، جو سعودی عرب میں ہوئی اور جس کی صدارت شیخ سعد وزیراعظم اور ولی عہد کویت اور عراق کے نائب صدر نے کی۔

marfat.com

صدر حسنی مبارک کے کہنے کے مطابق انہوں نے یہ کہا کہ ہم اس بات پر تیار ہیں کہ کویت کے ساتھ اس طرح کی کانفرنس منعقد ہو، تا کہ ہم اس میں کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کر سکیں۔ شرط یہ ہے کہ یہ کانفرنس سعودیہ میں ہونی چاہئے۔ چنانچہ کانفرنس ہوئی اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اس کے بعد ہفتے کے روز کانفرنس کا اجلاس عراق میں ہوگا اور اس کے بعد کانفرنس کو جاری رکھتے ہوئے اس کا اجلاس کویت میں ہوگا۔

حقیقت تو یہ کہ سعودی عرب اس میں تیسرا فریق نہیں تھا، بلکہ ہماری دلچسپی صرف یہ تھی کہ کویت اور عراق کے ذمہ دار اور سینئر حکام کے مابین بات چیت ہونی چاہئے۔

شرمناک واقعہ:

چنانچہ جب شیخ سعد ولی عہد کویت تشریف لائے اور انہوں نے اپنے اس ملک کو شرف بخشا اور عراق کے نائب صدر بھی آئے تو ابھی تک ان کے مابین غلط فہمیاں موجود تھیں۔

میں اُن اسباب کی طرف لوٹنا نہیں چاہتا، جو اس وقت موجود تھے، جب عراق نے جامعہ عربیہ کو ایک یادداشت بھیجی تھی، جس میں اس نے کویت پر الزام تراشی کی تھی اور کویت نے اس یادداشت کا جواب جیسے اسے دینا چاہئے تھا، دیا تھا...... تاہم میں نے یہ کہا کہ شاید ہم کسی بھی طرح معاملات کو نمٹا سکیں۔

یہ میٹنگ دو افراد تک محدود تھی اور کچھ وقت کے بعد ہم رات کے کھانے پر پھر اکٹھے ہوئے، میں نے جناب شیخ سعد سے پوچھا اور کہا کہ امید ہے معاملات صحیح اور بہتر رخ اختیار کر رہے ہوں گے۔ ان کا جواب تھا کہ وہ تمام معاملات اپنے ساتھ لایا ہوں، جن پر عراق سے گفتگو ہو سکتی ہے۔ خواہ ان معاملات کا تعلق سرحدوں سے ہو یا کچھ اور، لیکن اس شخص نے میرے ساتھ کسی موضوع پر بھی بات کرنا پسند نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ ہفتے کے روز عراق میں ہونے والے اجلاس میں ممکن ہے ہم کسی بات پر متفق ہو سکیں۔

میں نے عزت ابراہیم سے پوچھا! تو اس نے کہا کہ میں تھکا ہوا ہوں، تاہم

marfat.com

میٹنگ ہونی چاہئے۔

میرا خیال ہے اس روز بدھ کا دن تھا، چاہئے تو یہ کہ میں ایک ملک کے نائب صدر کی بات کو سچ جانوں۔ میں نے اس کا ذکر کیوں کیا، حالانکہ ممکن ہے اس کی اتنی زیادہ اہمیت نہ ہو، لیکن ثابت یہ ہوا کہ مسئلے کو منجمد کرنا مقصود تھا، کیونکہ عراق کی نیت کویت پر حملے کی تھی، لیکن اس وقت اور بھی بہت سی خرابیاں تھیں، جو اس وقت میرے ذہن میں نہیں آئیں اور نہ ہی کسی کے ذہن میں یہ آیا کہ جو کچھ ہوا، وہ ہوگا۔

جمعرات کے روز جیسا کہ پہلے بیان ہوا، ہمیں ایک حیرت انگیز صدمے سے دوچار ہونا پڑا اور وہ شرمناک واقعہ پیش آیا، جو عراق کی تاریخ میں انتہائی عبرتناک ہے۔ یہاں تک کہ معاملات جہاں تک پہنچے سو پہنچے۔

برادرانِ گرامی! جب لڑائی چھڑ گئی اور بات یقینی ہوگئی، تو ہم نے سعودیہ میں یہ محسوس کیا کہ جنگ کا دوسرا دور سعودیہ میں ہوگا۔

زبردست دھوکہ:

یہ سوچا جانے لگا کہ حملہ یک بارگی کویت اور سعودیہ دونوں پر کیوں نہیں ہوا؟ اس لئے کہ وہ پوری طرح جانتا تھا کہ سعودیہ کویت ہے اور کویت سعودیہ اور اس میں کوئی شک نہیں، لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس میں بہت بڑا فراڈ تھا۔

یہ وہ سوچ تھی، جو ان کے ہاں پائی جاتی تھی اور بے شک اگر معاملہ کویت سے تجاوز نہ کرتا، تو ممکن ہے کہ سعودی عرب یہ کہتا کہ عراق کے پاس ناقابل شکست قوت ہے...... اور مجھے معلوم تھا کہ اس کے پاس بہت زبردست طاقت تھی، ایسی طاقت کہ ہم اندازے لگاتے اور توڑتے، مگر ہمارے سب اندازے غلط ثابت ہوئے۔

ہم نے جب فضائی لحاظ سے سراغ لگایا، تو پتہ چلا کہ ان کے پاس چار پانچ ہزار سے کم ٹینک اور توپیں نہیں اور یہ وہ تعداد ہے، جو ایک ہی دن میں شام کے وقت سرحد پر پہنچ گئی تھی...... گویا کہ معاملہ ہمارے تصور سے کہیں زیادہ بڑھ کر تھا۔

marfat.com

نہیں...... کئی عرب اور غیر عرب ملکوں کے سربراہوں کی طرف سے رابطے کئے گئے۔

ہم قاہرہ میں ہونے والی کانفرنس کے لئے گئے اور صدر حسنی مبارک نے حتی الامکان اپنی پوری کوششیں کیں اور زبردست طریقے سے ضروری امور انجام دیئے اور بہت سے لوگ سعودی عرب سے یا عرب ملکوں سے یا کویت سے تعلق رکھنے والے اس وقت ورطۂ حیرت میں رہ گئے، جب انہوں نے کویت پر قبضے کی حیرت انگیز خبر سنی اور میں اسے ''مفاجۂ کبریٰ'' کا نام دیتا ہوں۔ سعودی عرب نے تین یا چار روز یا اس سے کچھ زیادہ وقت تک خاموشی اختیار کئے رکھی اور بہت سے لوگوں نے اس خاموشی کو یہ معنی پہنائے کہ سعودی عرب اس وقت اپنے آپ کو اس صورتِ حال سے نکالنے کا کوئی راستہ تلاش کر رہا ہے۔

بہت سے لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ کویت پر جو گزری سو گزری اور اب کسی کے ہاتھ میں کچھ نہیں۔

رابطے:

درحقیقت جو میری سوچ تھی، وہی ہر سعودی کی سوچ تھی اور وہ یہ کہ سعودیہ کا مؤقف کیا ہو؟ اور وہ کون سے اقدامات ہیں، جو ہمیں فوراً کرنے چاہئیں۔

ہمارے پاس فوج تو ہے، لیکن وہ اس فوج کے جوڑ کی نہیں، جس نے آٹھ سال تک جنگ لڑی ہو اور یوں اپنے آپ کو جنگ کے لئے خوب تیار کر لیا ہو۔ ہم نے ہر چیز پر غور کیا، سوائے اس کے کہ ہمارا پڑوسی ہم سے لڑے، میں نے کچھ عرصے تک انتظار کیا اور یہ مشکل ترین عرصہ تھا اور میں نے بڑے ملکوں سے بھی رابطے قائم کئے، جن میں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور عرب ممالک شامل ہیں اور جب میں نے ویسا ہی جواب پایا جیسا کہ میں نے سوچا تھا، بلکہ مجھے میری سوچ سے بھی زیادہ وسائل کا بتایا گیا اور یہ کہا گیا کہ یہ سب کچھ دو دن کے اندر اندر سرزمین سعودی عرب پر پہنچ سکتا ہے، تو مجھے حوصلہ اور اطمینان ہوا کہ جب اتنی بڑی عالمی طاقت سعودی عرب پہنچ جائے گی، تو فتح انشاء اللہ ہماری ہی ہوگی، باوجود اس

marfat.com

المناک واقعہ کے، جو کویت میں اس روز سے جاری تھا، جب سے عراقی فوجوں نے کویت اور اس کے آس پاس جمع ہونا شروع کیا تھا۔

انہوں نے مفتوح قوم سے ایسا بے دردانہ سلوک کیا کہ جتنا کیا جا سکتا تھا، حتیٰ کہ زمانۂ ماضی میں ہونے والی جنگوں میں، جو غیرانسانی اور افسوسناک و شرمناک سلوک مفتوحہ قوموں سے روا رکھے جاتے رہے، ان کا بھی ریکارڈ ٹوٹ گیا۔

میں بات کو طول نہیں دینا چاہتا، اندرونی طور پر اپنی تیاری کرنا ہمارے لئے کیونکر ممکن ہوا؟ یعنی سعودی عرب کے اندر سعودی افواج کے اندر اور سعودی فضائیہ کے اندر۔ یا کہ ان سارے وسائل کے ساتھ، جو ہمیں ہمارے دوستوں نے مہیا کئے تھے، ہمیں کیسے تیار ہونا تھا۔

انہوں نے ہمیں نہ صرف اسلحہ سے مدد دی، بلکہ افرادی قوت اور مختلف قسم کے جدید ہتھیار بھی مہیا کئے۔ ان میں ایسے ہتھیار بھی تھے، جو امریکہ، برطانیہ اور فرانس نے مہیا کئے اور جو جنگوں کی تاریخ میں پہلی مرتبہ استعمال کئے گئے۔

اللہ جل جلالہٗ کی قضا و قدر پر شکر ہے اور اللہ جل جلالہٗ کا کرم ہوا کہ جناب امیر جابر اور کویت کی دیگر کئی شخصیات جو کویت چھوڑ کر نکل جانے میں کامیاب ہو گئیں یا جو کویت سے باہر تھیں وہ اس سے محفوظ رہیں تاہم ان میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے، جو قضا و قدر کے ہاتھوں اس حادثے کا شکار ہو گئے اور جو انشاء اللہ شہید اور مجاہدین۔

جرائم:

مجھے کبھی بھی یہ شبہ نہیں ہوا اور نہ کبھی میرے دل نے یہ سوچا کہ یہ معرکہ صدام حسین کے حق میں گیا۔ نہیں...... اور بخدا معلوم نہیں کیوں......؟ لیکن ہمارے ارادے اور ہمارا بھروسہ اللہ جل جلالہٗ کی قدرت پر تھا اور اللہ جل جلالہٗ کی بارگاہ میں دستِ سوال دراز کرنے پر تھا کہ وہ ان کی مدد فرمائے، جن پر ایسی فوجوں نے حملہ کیا تھا، جن کے بارے میں ہمارا خیال یہ تھا کہ کسی اور مقصد کے لئے تیار کی گئی تھیں۔ مگر یہ اچانک ہمارے مقابل آ گئیں۔

چنانچہ جو ہوا سو ہوا، اور جو ہوا سو ہم سب نے دیکھا اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ

marfat.com

بہت ہی مختصر وقت میں پوری دنیا کے ملکوں نے سعودیہ کے مؤقف اور کویت کے دفاع کے لئے مدد کی۔

میں نے اپنے دل میں اطمینان محسوس کیا، لیکن مشکل ان معاملات میں تھی، جو صدام نے کویت میں کئے تھے...... ''غیرانسانی معاملات'' میں سمجھتا ہوں کہ ایسے معاملات دنیا کی تاریخ میں کبھی نہیں ہوئے ہوں گے۔ عالمی جنگیں ہوئیں، ملکوں پر قبضے ہوئے اور بالآخر جنگ بندی پر معاملات ختم ہو گئے، لیکن جو مصیبت کویتیوں پر ڈھائی گئی یا ان پر جو کویت میں موجود تھے، ایسی مصیبت کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اس وقت بہت سے لوگوں کو علم ہوا کہ میرا چند روز خاموش رہنا کسی مصلحت کے پیش نظر تھا، کیونکہ میرے ذہن میں اس کے سوا کوئی صورت ہی نہیں تھی کہ نتائج خواہ کچھ بھی ہوں، ہمیں کویت کا ساتھ دینا چاہئے اور ہمیں اس اللہ جل جلالہٗ کی بارگاہ میں ہاتھ بلند کرنے چاہئیں۔ ''جو جسے چاہتا ہے، عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔''

اللہ جل جلالہٗ کا شکر ہے اور میں اس بات کو طول نہیں دینا چاہتا۔ عالمی فوجیں آئیں اور مشرقی ریجن میں سب کی سب جمع ہو گئیں۔

اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہ خوش قسمتی ہے کہ اُس (صدام) نے کسی کی اپیل کو منظور نہ کیا، دنیا بھر سے اپیلیں ہوئیں اور بہت سے لوگ اسے ملنے عراق بھی گئے۔ جن میں عرب لیڈر بھی تھے اور دنیا کے دیگر ممالک کے لیڈر بھی، تاکہ وہ صدام کو کویت سے دستبردار ہونے کے لئے تیار کر سکیں۔ مگر جواب آخری وقت تک نفی کی صورت میں ہی ملتا رہا۔

کویت میں جو ہوا سو ہوا، گھر مسمار کئے گئے، انسانی جانیں ضائع کی گئیں اور وہ کچھ کیا گیا، جو کہ تاریخ میں کبھی نہ ہوا تھا...... لیکن کس کے ساتھ......؟ ایک پڑوسی عرب قوم کے ساتھ اور ایک ایسے ملک کے ساتھ، جس کے عراق پر بڑے احسانات تھے اور کئی مواقع پر جس نے اس کا ساتھ دیا تھا، اور دوسرا ملک (جو آپ کا ملک ہے) سعودی عرب، جس نے ہمیشہ عراق کا ساتھ دیا۔

marfat.com

افواج کی تکمیل:

غرضیکہ جو کچھ ہوا، میں سمجھتا ہوں کم از کم میرے خیال کے مطابق تو ایسا کبھی ماضی میں ہوا اور نہ ہی مستقبل میں ایسا ہو گا۔

ہم بات کو مختصر کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہوا، شاید اسی میں خوش قسمتی تھی کہ صدام حسین ایک ہی بات پر اڑے رہے اور اسی کو واحد حل سمجھتے رہے۔ کتنی ہی مرتبہ انہیں دنیا بھر کے لیڈروں کی طرف سے یہ کہا گیا کہ وہ کویت سے نکل جائیں تو سب کچھ رک جائیگا۔

میں کہتا ہوں کہ اس میں بھی اللہ جل جلالہ' کی کوئی حکمت تھی کہ صدام نے کویت سے نہ نکلنے پر اصرار کیا اور تمام معاملات ویسے ہی رہے، جیسا کہ ہم جانتے ہیں۔ یہاں تک کہ سرزمین سعودیہ پر جمع ہونے والی افواج پوری طرح سے مجتمع ہو گئیں۔

چنانچہ بین الاقوامی افواج اور "ایک طاقت ور اور کثیر فوج" کے مابین معرکہ شروع ہو گیا، مگر ان دونوں افواج کے مابین کسی طرح کی بھی کوئی مماثلت نہیں تھی۔

عراق میں جنگ کے اختتام اور کویت کے دوبارہ آزاد ہو جانے پر معاملات ختم ہو گئے، جیسا کہ میں نے جناب عزت مآب امیر کویت سے ایک مرتبہ بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ جناب امیر میں غیب کا علم تو نہیں رکھتا اور نہ ہی قضا و قدر کے فیصلے سے آگاہ ہوں، لیکن میرا وجدان اور شعور یہ کہتا ہے کہ میں انشاء اللہ عنقریب آپ سے کویت میں ملوں گا۔

جناب امیر کی قوتِ ایمانی میں کوئی شک نہیں اور نہ ہی اس میں کہ وہ جانتے ہیں کہ تمام امور کی زمام اللہ جل جلالہ' ہی کے ہاتھ میں ہے، لیکن ان کا خیال بھی ویسا ہی تھا، جیسا کہ میں سوچتا تھا کہ کویت میں معاملات ایسی نہج پر پہنچ گئے ہیں کہ جہاں سے ان کا اپنی اصلی حالت میں لوٹ آنا مشکل دکھائی دیتا ہے۔

میں اس سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں کہ میں مطمئن تھا اور اللہ جل جلالہ' پر مجھ پر بھروسہ تھا کہ کویت میں حالات معمول پر آ جائیں گے۔

بہرحال ہم کویت میں ہونے والے نقصانات کو کبھی بھی بھول نہیں سکتے، جو کہ نہ

marfat.com

صرف مالی نقصانات ہیں، بلکہ انسانی جانوں کے زیاں، عورتوں اور بچوں کی اموات سے عبارت ہیں۔

کسی قسم کی کوئی رحمدلی، نرمی یا خدا خوفی دیکھنے میں نہ آئی۔ جنگیں تو لوگوں میں مختلف طرح سے ہوتی ہی رہتی ہیں، لیکن جو صورتِ حال کویت میں پیش آئی، اس حد تک حالات بہرحال نہیں پہنچا کرتے۔

حسد:

جنگ عظیم کا کوئی تصور نہیں کر سکتا۔ ملکوں پر قبضے ہوتے ہی رہتے ہیں، کوئی ملک کسی پر قبضہ کر لیتا ہے، پھر معاملات کسی حد مقررہ پر پہنچ کر ختم ہو جایا کرتے ہیں، لیکن یہاں تو معاملہ یوں لگتا تھا، جیسے کوئی آگ دلوں میں مدفون تھی۔ گویا کہ کویت نے عراق کا کوئی بڑا حصہ نگل لیا ہو...... جنگ کا کیا جواز تھا؟

اور یہ سوچ کہ کویت عراق کا بڑا حصہ ہے۔ کسی صورت بھی قابلِ قبول نہیں...... ہم نے تاریخ پڑھی ہے، پڑھائی ہے اور ہم تاریخ سے واقف ہیں۔ اڑھائی سو برس سے بھی طویل عرصے سے کویت، کویت ہے اور کویت کی سرزمین، کویت ہی کی سرزمین ہے...... اس پر کبھی قبضہ نہیں کیا گیا، نہ اس پر کبھی کسی نے حملہ کیا۔ نہ عراق نے اور نہ کبھی کسی اور نے اور میرا خیال ہے کہ ہم سب کو معلوم ہوگا کہ عراقی لیڈروں نے دو تین بار کویت پر زیادتی کی، مگر اس وقت ہمیں پیشگی طور پر معلوم تھا، نیز اس وقت جو فوجیں تھیں وہ اس زیادتی یا حملہ کی رکاوٹ و پسپائی کے لئے کافی تھیں اور آسانی سے مقابلہ کیا جانا ممکن تھا۔

تاہم صدام نے جو کچھ کیا، میرا خیال ہے کہ اس کی توقع کسی طور پر بھی کسی کو نہ تھی۔ میں ایک بار وہ کیسٹیں سن رہا تھا، جس میں صدام حسین کی باتیں ریکارڈ تھیں، یہ اس وقت کی بات ہے، جب ہمارے تعلقات بھی عراق کے ساتھ بہت اچھے تھے...... صدام حسین (کیسٹ میں) ایک کویتی سے کہہ رہے تھے کہ تمہارا اصل اور ازلی دشمن سعودیہ ہے اور میں تمہارا دوست ہوں۔ اسے اچھی طرح سمجھو اور سعودیہ سے ہوشیار رہو۔

marfat.com

کسی کویتی نے اُس سے سوال کیا کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ عراق میں کچھ نہ کچھ تو کویت کے خلاف پایا جاتا ہے۔ تو اس نے (صدام نے) کہا ''کیا یہ ممکن ہے کہ میں ایسا ہوں؟ یہ کیونکر ممکن ہے کہ کویتیوں کے سامنے میرا ایک چہرہ ہو، عراقیوں کے سامنے دوسرا اور باقی دنیا کے سامنے اور...... مجھ سے کویت کے حق میں زیادتی کیونکر ممکن ہے؟ یہ کسی بھی حال میں ممکن نہیں ہوسکتا، کبھی کسی صورت نہیں ہوسکتا......''

اور آپ نہیں جانتے کہ اس شخص نے اتنی بڑی طاقت کیوں جمع کی اور اس سے کویت پر حملہ آور ہونے کی ابتداء کیوں ہوئی......؟ مگر ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یہ بات تو ہر شخص جانتا تھا کہ اس سے بن پڑا، تو جنگ کا دوسرا دور وہ سعودیہ میں کرے گا اور اس کے بعد باقی ملحقہ علاقے......

دنیا بھر سے غیر ملکی افواج کے سعودیہ میں جمع ہونے اور پہنچنے کے وقت اس نے کئی بار کوشش کی۔ کئی عرب اور غیر عرب لیڈروں کو اس نے میرے پاس بھیجا اور یہ کہا کہ اس کے اور میرے درمیان ملاقات ہو جائے، تو تمام معاملات حتمی طور پر طے ہو سکتے ہیں۔

تاریخ کے لئے نیا موضوع:

میں حقیقت میں ہنستا تھا...... کہ ساری دنیا اس کے پاس گئی، مگر اس کے باوجود وہ یہ کہتا رہا کہ میں کویت سے تب نکلوں گا یا معاملات تب حل ہوں گے، جب میری اور اس کی ملاقات ہو۔

میں اس کا مقصد جانتا تھا...... وہ ایک طرح کی تشہیر چاہتا تھا اور ہم نے بہت سے ایسے عرب اور دنیا کے دیگر ملکوں کے لیڈر دیکھے ہیں، جنہیں ٹیلی ویژن کی اسکرین پر آنے کا بہت شوق رہتا ہے کہ فلاں آ رہا ہے، فلاں جا رہا ہے......

اور بعض ایسے بھی دوست، جن کی نیت اچھی تھی، میرے پاس آئے اور مجھے بہرطور راضی کرنے کی کوشش بھی کی، لیکن میں نے ان سے یہی کہا کہ وہ صدام حسین سے لکھوا کر لے آئیں اور وہ اس پر دستخط کر دے، لیکن مسئلہ وہیں رہا کہ جب تک اس کی مجھ سے

marfat.com

ملاقات نہیں ہوتی، مسئلہ حل نہ ہوگا اور میں جانتا تھا کہ وہ صرف دھوکہ اور فریب سے کام لے رہا ہے۔

برادرانِ گرامی قدر!

کویت عراق اور سعودیہ کا موضوع ایسا ہے، جو انسانی تاریخ میں باقی رہے گا اور یہ بھی تاریخ میں لکھا جائے گا کہ حضرت انسان نے اگر کوئی بدترین کام کیا، تو وہ تھا، جو صدام حسین نے کیا۔

لیکن میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ اللہ رب العزت نے ہمیں یہ دکھانا چاہا کہ دوستیاں خواہ کتنی ہی پختہ کیوں نہ ہوں اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ صحیح خطوط پر چلتی رہیں گی اور ان سے طمانیت حاصل رہے گی۔

دوست جانتے ہیں کہ جب مجھے سرکاری دورہ کرنے کی دعوت ملی، تو صدام نے مجھے کس قدر اعزاز و اکرام دینا چاہا۔ اس قدر گرمجوشی سے میرے استقبال کا اہتمام کیا کہ ایئرپورٹ سے گھر تک ایسا طویل جلوس تھا کہ جس کی نہ ابتداء معلوم ہوتی تھی نہ انتہا۔ اس نے ہمارا تاریخی استقبال کیا اور صحافتی سطح پر کیا کیا انتظامات نہ کئے۔

اور میرا خیال ہے کہ اس سے پہلے بھی یہ کہہ چکا ہوں کہ اس نے مجھے تمغہ بھی پہنانا چاہا اور اس کے ذمہ دار افراد میں سے صدام کی نیابت کے طور پر کسی نے اس سلسلہ میں بیان بھی دیا۔ صدام نے مجھے ایک کاغذ دیا اور کہا اسے پڑھئے۔ میں نے پڑھا تو یہ کاغذ ایک معاہدہ کا متن تھا، سعودیہ اور عراق کے مابین جس میں لکھا تھا کہ دونوں ملک ایک دوسرے پر کبھی حملہ آور نہیں ہوں گے اور نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی ملک کسی دوسرے پر حملہ کرے...... اور......اور......الخ۔

ایک ملک:

میں نے کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ ہمیں ایسی کسی چیز کی ضرورت ہے...... اولاً تو یہ کہ اگر اس سے مقصود کوئی باقاعدہ اگریمنٹ کرنا ہے، تو ہم "جامعہ عربیہ" میں پہلے ہی ایک

marfat.com

معاہدہ کے حوالہ سے اس کے پابند ہیں اور ہم عرب بھائی مال جان اور رنگ وخون کے اعتبار سے ایک دوسرے سے منسلک ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ ہمیں کسی ایسی چیز کی ضرورت ہے۔

اور میرے اور آپ یا سعودیہ اور عراق کے مابین، اگر ایک دوسرے پر حملہ آور نہ ہونے کا، معاہدہ ہوتا ہے تو کیوں؟ ہم پہلے ہی آپ کے ساتھ ہیں اور ہم نے آپ کا ساتھ مردانگی سے دیا ہے، میں تو اس معاہدہ کی ضرورت نہیں سمجھتا۔

اس نے مجھ سے کہا آخر اس میں ہرج کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میں بنیادی طور پر اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتا۔ لیکن آپ مصر ہی ہیں، تو آپ اس پر دستخط کر دیں، میں بھی اس پر دستخط کر دوں گا...... تو اس نے کہا کہ میں دوسرے ساتھیوں سمیت دستخط کروں گا۔

انسان اگر ذرا سا بھی ماضی میں جھانکے، تو سمجھ سکتا ہے کہ اس نے (صدام نے) جو کچھ بھی کیا، سب دھوکہ اور فریب کی کوشش تھی، نہ اس سے کم نہ زیادہ۔

یہ حقیقتاً ایک المناک حادثہ تھا...... حادثہ اور مصیبت...... اور بات صرف یہ نہیں کہ کوئی دو ملکوں کے مابین جنگ تھی اور صلح پر ختم ہوگئی یا اس پر کہ دونوں میں سے کوئی ملک بھی دوسرے پر غلبہ حاصل نہ کر سکا۔

یہ عظیم سانحہ اس لئے تھا کہ ہم عرب ہیں، ہم میں سے ایک طاقت ور ایک کمزور پر اور اپنے سے کمتر پر قبضہ کرنے اور اسے ختم کرنے کی کیوں کوشش کرے؟ اس کا جواب صدام کے پاس ہے۔

لیکن دکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسے معاملات سے ہمیں سبق حاصل کرنا ہوگا، کیونکہ قوموں کے معیار اور اخلاقی معیاروں کا ان معاہدات میں بڑا کردار ہوتا ہے، جن کی دو ملک پاسداری کرتے ہیں۔

سعودی عرب نے اپنی پوری کاوشیں کیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ کویت پر قبضہ کے بعد ہمارے لئے موت وزیست ایک سی ہوگئیں۔ خصوصاً جب میں نے اپنی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھا، جو کویتی قوم کے ساتھ کیا گیا، تو ہم نے یہ تہیہ کر لیا کہ نہ کوئی کویت ہے، نہ کوئی

marfat.com

سعودیہ، ہم زندہ رہیں گے، تو اکٹھے رہیں گے ورنہ کوئی بھی نہیں رہے گا۔

اور میں نے جو فیصلہ کیا، تو کوئی سعودی ایسا نہیں، جو اس فیصلہ پر مجھ سے متفق نہ ہو کہ یا تو کویت اور سعودیہ دونوں باقی رہیں گے یا دونوں مرمٹیں گے۔

یہ ناممکن ہے کہ ایک تو رہے اور ایک ختم ہو جائے اور میرا یہ خیال ہے کہ بعض ملک یہ سمجھتے تھے کہ سعودیہ اور کویت کا تعلق و رشتہ، جو سعودیہ اور کویت کے مابین ہے، یہ ابدی رشتہ ہے۔

اور میرا خیال ہے کہ سعودیہ اور کویت نے یہ ثابت بھی کر دکھایا ہے اور اللہ جل جلالہٗ کا شکر ہے کہ اس نے اس مؤقف کی مدد کی۔ جو ہر چیز سے پہلے اللہ کے ساتھ ایمان سے متصف ہے۔

ڈر، خوف، ڈھیل ڈھال نام کی کوئی چیز ہمارے درمیان ہوتی، تو ہم کبھی بھی یہاں تک نہ پہنچ سکتے، جہاں آج ہم کھڑے ہیں اور ممکن ہے، ہمیں کوئی بھی کسی صورت مدد نہ دیتا۔

اور برادرانِ گرامی! بخدا میں انشاء اللہ تعالیٰ کوئی بات سوائے سچ کے نہیں کہوں گا کہ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہ جب تھی نہ اب ہے کہ سعودیہ نام کی بھی کوئی چیز ہے۔ میں نے جس چیز کو اہمیت دی وہ یہ تھی کہ ''کویت گیا'' بخدا کوئی بھی دن ایسا نہیں گزرا کہ میری سوچ یہی تھی اور نجانے کیوں...... کہ انشاء اللہ کویت ضرور واپس ہوگا۔''

اور میری ہر وقت یہی سوچ تھی کہ اگر کویت واپس نہیں ہوتا، تو پھر کویت کے ساتھ سعودیہ بھی جائے اور کوئی حرج نہیں اگر چلا جاتا، کیونکہ ایک دن بالآخر سبھی کو جانا ہے۔ ''جس دن کہ نہ مال کام آئے گا نہ بیٹے ہاں! مگر جو اللہ کے حضور قلبِ سلیم لے کر آیا۔''

زندگی؟ کیوں؟ زندگی تو جب ہے، جب عزت سے گزرے اور جب کویت کی عزت نہ رہی، تو گویا سعودیہ کی عزت سرے سے چلی گئی۔

میں کسی ایسے دن کی امید نہیں رکھتا کہ جس دن سعودیہ کو اس کے اصلی موجودہ اور واقعی مکان و موقع سے الگ سمجھا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں اور میں جانتا ہوں کہ ہر کویتی

marfat.com

کی ایک بنیاد ہے اور وہ بھی بخوبی جانتا ہے۔ خواہ جتنا ہی کہا جائے، یہ دو ملک ایک ہیں اور ہر دو ملکوں کا مفاد ایک دوسرے سے وابستہ ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں، برسوں سے ایسا ہی ہے۔

ہم امام عبدالرحمٰن کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے، جب ان کے ساتھ وہ ہوا، جو کسی بھی لیڈر کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ بہت سے مقامات چلے گئے اور بالآخر کویت میں انہی کا ساتھ مطاف نے دیا اور مبارک نے انہیں عزت دی اور کویتیوں نے انہیں عزت دی اور سب ان کے ساتھی اور چاہنے والے تھے۔

چنانچہ تاریخ، خون اور جنس نے ہمارے لئے جو کچھ چھوڑا اس کا نام ہے، اتحاد و اتفاق زندگی اور موت کے معاملات میں اتحاد اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ چیز خلیج کی دیگر ریاستوں میں بخوبی پائی جاتی ہے۔

-ہم خلیجی ملکوں کے مابین کوئی بھی تفریق نہیں ڈال سکتا۔ اس مقصد کے لئے کسی کو کوئی رخنہ نہیں مل سکتا۔ ہم پر بحیثیت ذمہ دار افراد ہونے کے اور ہم وطن ہونے کے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ہمارے درمیان ہمیشہ اتفاق اتحاد رہے اور ہمارے شب و روز ہمیں بتاتے اور سکھاتے ہیں کہ ہم خلیجی ممالک ایک جسدِ واحد ہیں۔ ہر ملک کا ایک مستقل وجود اس کی پالیسی اور اس کا طریقۂ کار اس کی ضروریات کے مطابق اور اس کی حکومت و عوام کی ضروریات کے مطابق ہونا لازمی ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں...... میرا مقصد یہ ہے کہ کسی بھی ملک کا نظام اس بات سے منع نہیں کرتا کہ ہمارا آپس میں رشتہ و تعلق قلبی ہو اور اس محبت کے چشمے دل سے پھوٹیں۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ خلیج کی باقی ریاستوں بحرین، قطر، امارات اور عمان میں ہمارے ساتھی، اس فکر کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، جسے اب سعودیہ اور کویت نے سمجھا ہے۔

ہم کبھی بھی کسی کو ایذاء پہنچانے والے نہیں ہوئے اور نہ کبھی کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے والے، بلکہ اس کے برعکس جب بھی معاشی طور پر ہمیں ضرورت پیش آئی ....

ہمیں کسی نے کچھ نہیں دیا، سوائے رب ذوالجلال کے۔

marfat.com

بہرکیف ہم نے کبھی کچھ نہیں لیا۔ دستورِ دنیا اسی طرح ہے کہ ہر چیز ابتداء میں معمولی ہوتی ہے اور پھر وہ بڑی چیز بن جاتی ہے۔

لیکن کیا خلیج کی ریاستوں نے کچھ بھی پیش نہیں کیا......؟ نہیں، پیش کیا...... وہ کچھ پیش کیا، جو وہ پیش کر سکتی تھیں اور ہم نے جو کچھ پیش کیا وہ کسی پر احسان نہیں کیا، خواہ ہم نے عرب بھائیوں کو پیش کیا ہو، اسلامی ممالک میں دیا ہو یا ایشیا و افریقہ میں یا ان کے علاوہ ضرورت مند ملکوں کو۔

ہم نے اپنی استطاعت کے مطابق خوشی اور خوش دلی سے لوگوں کی مدد کی اور جو یہ کہے کہ خلیج کے ملکوں نے انسانی حقوق کی پاسداری نہیں کی اور اپنا فرض ادا نہیں کیا، میں سمجھتا ہوں، وہ غلطی پر ہے۔

اور اس وقت جب ہم کچھ بھی نہ تھے اور ہمارے وسائل نہ ہونے کے برابر تھے تو اس وقت جو ملک ہم میں سے سمندر کے کنارے آباد تھے تو ان کی معیشت کا انحصار مکمل طور پر سمندر پر تھا اور انسان کبھی سمندر سے کچھ حاصل کر پاتا ہے اور کبھی کچھ بھی حاصل نہیں کر پاتا۔

اور جو صحرا میں تھے، جیسے سعودیہ، تو ان کی معیشت کا انحصار بارشوں پر تھا کہ جب اللہ جل جلالہٗ چاہے بارش ہو اور نہ چاہے تو نہ ہو۔

اس سب کے باوجود میں نہیں کہتا کہ ہم نے اگر کسی کی کوئی مدد کی، تو ہم نے اس ارادے سے کی کہ ہم کہہ سکیں کہ جب اللہ جل جلالہٗ نے ہم پر اپنی نعمتوں سے احسان کیا، تو ہم نے بھی اس کی عطا کردہ نعمت سے کسی کو دینے میں بخل سے کام نہیں لیا۔

اور آخر میں ہم ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں اور میں سب لوگوں کو سعودی عوام اور کویتی عوام کو آفرین کہتا ہوں کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے بجائے حکومتی اسباب کے وطنی اسباب کی وجہ سے مربوط ہیں اور ایک عرصہ تک رہنے والا آپس کا ارتباط، جو سعودی اور کویتی عوام کے مابین ہے، اس میں کوئی احسان نہیں، بلکہ یہ ہم پر واجب تھا، جیسے ہم سب جانتے ہیں اور الحمدللہ ہمیں اس چیز کی چنداں ضرورت نہیں کہ ہم اپنے احساسات و جذبات...... کا

marfat.com

تذکرہ کریں لیکن جب حالات ابتر ہوئے تو میں سمجھتا ہوں، بہت سے معاملات واضح ہو گئے اور کھرا اور کھوٹا سامنے آ گیا، پیتل اور سونا الگ الگ نظر آنے لگے، اس وقت کویت اور سعودیہ کے عوام نے اپنا وجود ثابت کر دیا، اسی طرح ہمارے خلیجی عوام نے بھی حسب استطاعت اپنا فرض ادا کیا اور ہم ایک ہی صف میں شامل ہیں۔

کرشمہ قدرت:

کیا یہ خدا کی قدرت کا کرشمہ نہیں......؟ یہ خدا کی قدرت ہے کہ بدھ کو لگنے والی آگ کا بدھ کے روز ہی خاتمہ ہو رہا ہے اور یہ حقیقی کرشمہ ہے، جو ہمیشہ انسان کے ذہن میں رہنا چاہئے۔

اللہ جل جلالہٗ کی قضا وقدر پر شکر ہے لوگ ہمیشہ بڑی بڑی مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہوتے چلے آئے ہیں اور دنیا بھر میں موجود المناک حوادث ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں، کیا ایشیا وافریقہ اور کیا امریکہ وسؤل وغیرہ۔

ہاں غدر ہوا۔ لیکن کب ہوا؟ فجر کی نماز کے وقت کیا کوئی بھی کویتی یا سعودی یہ توقع کر سکتا تھا کہ معاملات مذاکرات کے بعد اس حد کو پہنچیں گے؟

مسئلہ کیا تھا...... سرحدی مسئلہ...... اسے تو ہم حل کر سکتے تھے، پیٹرول کا مسئلہ؟ اسے بھی حل کیا جانا ممکن تھا...... لیکن کسی ملک پر قبضہ اور کسی پر رعب داب، میں نہیں سمجھتا کہ تاریخ میں کبھی ایسا ہوا ہو...... اور وہ بھی عرب قوم کی تاریخ میں...... جو کچھ ہوا ممکن ہے، کسی ایسے ملک یا...... ایسے لوگوں کے ساتھ کیا جاتا، جن کا عراق کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوتا، لیکن ایسے ملکوں کے ساتھ، جنہوں نے کٹھن حالات میں عراق کا ساتھ دیا اور جن کا عراق پر احسان ہے۔ ان کے ساتھ......؟ کویت اور سعودیہ نے تو عراق سے جانی و مالی تعاون کیا تھا اور اس کا بہادروں کی طرح مردانگی سے ساتھ دیا تھا۔

تاہم افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جو کچھ ہوا، یہ تاریخ میں لکھا جائے گا اور یہ عرب

marfat.com

قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ اگرچہ ہم اس کا سبب نہیں بنے، لیکن کہا تو یہی جائے گا کہ عربوں نے ایسا کیا۔

عزیز ساتھیو! میں اپنی بات اس خراجِ تحسین کے ساتھ ختم کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اللہ جل جلالہٗ ہمارے شہداء پر رحم فرمائے۔ خواہ ان کا تعلق سعودیہ سے ہو یا کویت سے یا خلیج کے ملکوں سے یا کسی بھی ملک سے، جس نے ہمارا ساتھ دیا، اس پریشانی میں...... جس کا ہم نے سامنا کیا اور لوگوں کا پتہ ہمیشہ مشکل پڑنے پر ہی چلتا ہے۔

برادرانِ گرامی قدر! جو کچھ ہوا اور جس طرح اس موقع پر دنیا بھر کے لوگوں نے ہماری آواز پر لبیک کہا، یہ معمولی نہیں، جنگوں میں یہ دستور نہیں رہا۔ خاص طور پر ایسی جنگوں میں، جو طویل عرصہ جاری رہی ہوں اور جن میں طویل مذاکرات بھی ہوئے ہوں، لیکن جو پذیرائی ہمیں حاصل ہوئی، یہ محض اللہ جل جلالہٗ کی منشاء اور اس کے ارادہ سے تھی۔

تاہم جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے، تو انسان جب کسی معین چیز کو اختیار کرتا ہے، تو وہ نفسیاتی طور پر مطمئن ہوتا ہے۔ میرا فیصلہ بغیر کسی شرط و پابندی کے یہ تھا کہ کویت کا ساتھ دیا جائے۔ اس سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ ہمیں کس طاقت سے ٹکر لینی پڑے گی اور اس سے بھی قطع نظر کہ ہمیں کون مدد دے گا اور کون نہیں دے گا۔ ہماری مدد تو اللہ جل شانہٗ کے بھروسے پر تھی اور الحمدللہ ایسا ہی ہوا۔

بخدا مجھے کوئی تردد نہ تھا اور نہ سعودیہ میں موجود میرے ساتھیوں کو کوئی تردد تھا اور نہ ہی سعودی افواج کو کوئی تردد تھا۔

کیا زندگی و موت (اللہ کے سوا) کسی کے ہاتھ میں ہے یا جو سو یا پچاس سال زندہ رہتا ہے، اس کی زندگی کسی کے ہاتھ میں ہے۔

مدد تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ (**کم من فئة قليلة غلبت فئةً كثيرة باذن الله**) ''بارہا ایسا ہوا کہ کم جماعت بڑے گروہ پر غالب آئی۔'' اور اگر تردد نام کی کوئی چیز یا کچھ ایسا معاملہ ہوتا، تو میں سمجھتا ہوں کہ جو اپنی جان کے بارے میں بخل سے کام لیتا ہو وہ دوسرے

marfat.com

کسی سے کیسے مدد طلب کر سکتا ہے؟

الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام حالات کو اصلی حالت پر لوٹا دیا، یہ درست ہے کہ یہ زخم بہت بڑا ہے اور انسان کے بس میں نہیں کہ بآسانی اس کو مندمل کر سکے۔

لیکن ایسا مسلمان کہ عقیدہ، جس کی نفسیات میں شامل ہو، وہ ایک مضبوط قلعہ کی مانند ہے اور وہ اعتقادِ کامل رکھتا ہے کہ ارادہ تو اللہ کا ہی ارادہ ہے اور الحمدللہ کہ ہمارے کوئی بھائی دنیا بھر میں کہیں بھی گئے، تو انہوں نے دروازے کھلے پائے۔ تاہم وہ لوگ جو اپنے ہی دوسرے ملک میں آئے، بلکہ میں نے جناب امیر محترم سے بھی یہ کہا کہ (اللہ جل شانہٗ آپ کی عمر دراز کرے) نہ دوسرا ملک نہ پہلا، بلکہ ایک ہی ملک اور اسی کے ساتھ کہ یہ دونوں ملک ایک ہیں اور یہ دونوں ملک میرے اور آپ کے ملک ہیں اور کویتی بھائی جو کویت میں ہیں، یہ بھی ان ہی کا ملک ہے ہم ایک ہیں، ایک ہی قوم سے ہیں، ایک ہی ہمارا ملک ہے اور ہم نے عملاً یہ ثابت کر دکھایا ہے صرف کاغذ پر، روشنائی سے نہیں، بلکہ اب جو تعلق و رشتہ کویت و سعودیہ کے مابین ہے، خون سے رقم ہے اور واقعی خون سے لکھا گیا ہے، میری معلومات کے مطابق بہت سے سعودی گھرانے ایسے ہیں کہ ان میں تقریباً ہر گھر میں کوئی نہ کوئی کویتی ہے یا تو بیوی کویتی ہے یا بھائی اور اسی طرح کویت میں بھی۔

خدا آپ کو سلامت رکھے اور بخدا میں نے بجز حقیقت اور کچھ نہیں کہا اور ہر دل میں یہ بات نقش ہے اور انسان خواہشمند رہتا ہے، ان گھڑیوں کا، جن میں وہ اپنے حقیقی جذبات و احساسات بیان کر سکے۔

وہ المناک حادثہ رونما ہوا، جس کا سبب بہرحال ہم نہیں اور جب وہ حادثہ ظہور پذیر ہوا، تو ہم نے یہ نہیں کہا کہ ہم اور کویت دو الگ الگ حصے ہیں۔ میں نے تو یہ طے کر لیا ہے اور ہمیشہ کے لئے طے کر لیا ہے کہ دونوں میں سے ایک بات ہوگی کہ ''ہم زندہ رہیں گے تو اکٹھے اور مریں گے تو اکٹھے۔''

اور الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو سربلند کیا اور اپنی شان کو بلند کیا اور کویت

marfat.com

واپس ہو گیا یعنی جس روز میں نے کویت کا دورہ کیا، تو میں نے امیر کویت...... ان کی عمر دراز ہو...... سے کہا میں نے آپ سے کہا تھا کہ...... اس اللہ تعالیٰ کے حکم سے جو نیند سے بے نیاز ہے...... میں آپ سے کویت میں ملنے آؤں گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ) اور انہوں نے کہا تھا اللہ تعالیٰ سے امید قوی ہے۔

چنانچہ ہم گئے اور ہم نے کویت کا دورہ کیا اور انشاء اللہ کانفرنس میں بھی جائیں گے۔

بہرکیف...... ہمیں آپ کو، آپ کے دوسرے وطن میں دیکھ کر خوشی ہے اور تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے ہیں کہ جس نے اپنی شان (کلمہ) کو بلند کیا اور اپنے دین کو عزت بخشی۔

برادرانِ گرامی! ہم پر بڑے سخت مہینے بھی گزرے، لیکن کوئی دن بھی ایسا نہ گزرا، مگر یہ کہ میری سوچ اور میری فکر ہمیشہ یہی رہی کہ یقینی طور پر اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے ساتھ ہے، میں نے زندگی بھر کبھی کسی روز بھی ذرہ برابر بھی پریشانی یا کوفت محسوس نہیں کی اور اللہ تعالیٰ قدرت رکھنے والا اور عطا کرنے والا ہے۔

اور الحمدللہ کہ آج ہم یہاں جمع ہوئے اور انشاء اللہ تعالیٰ ہم کویت میں بھی جمع ہوں گے۔ ایک ماہ بعد، خلیج کانفرنس میں۔

مختصر نصابِ سیرت

سوالاً جواباً

ترتیب و پیشکش

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

marfat.com

سعودی عرب کا سیاسی بحران ٹل گیا؟

شاہ فہد کا حیران کن اقدام۔ شہزادہ عبداللہ اور تختِ شاہی

> یہ مضمون ۱۹۹۶ء میں ہفت روزہ عربی مجلہ قضایا دولیہ میں شائع ہوا اسے اردو زبان میں ترجمہ کر کے روزنامہ نوائے وقت کراچی میں ۸ر فروری ۱۹۹۶ء کو شائع کیا۔

سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فہد بن عبدالعزیز نے اپنے دستوری اختیارات استعمال کرتے ہوئے اپنے (سوتیلے) بھائی شہزادہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے حق میں دستبردار ہو کر ایک اچانک فیصلہ کا اعلان کیا ہے، یہ ایک ایسا غیر متوقع اقدام تھا کہ جسے اندرون و بیرونِ ملک سیاسی حلقوں نے ایک سیاسی نزاع کا فوری ڈراپ سین (Drop Seen) قرار دیا ہے جو تختِ شاہی کے حصول کے لئے شروع ہوا تھا۔ بعض حلقوں نے اسے شاہ فہد کا اپنی سیاسی زندگی سے بتدریج دست کش ہونا ٹھہرایا ہے۔ شاہ فہد نے جنوری ۱۹۹۶ء کے آغاز ہی میں ایک شاہی فرمان کے ذریعہ اپنے ولی عہد، کابینہ کے نائب صدر اول اور نیشنل گارڈ کے چیئرمین جناب شہزادہ عبداللہ کو فوری طور پر امورِ مملکت سنبھالنے کو کہا۔

یہ اقدام ایک ایسے وقت میں ہوا جسے انتقالِ اقتدار کے انتظار کا عرصہ کہا جا رہا تھا اور جو شہزادہ عبداللہ کے باقاعدہ تخت نشیں ہونے سے قبل کا ایک عارضی دور ہے۔ مذکورہ شاہی فرمان کا اعلان شاہ فہد کے ہسپتال سے فراغت پانے کے تین ہفتہ بعد کیا گیا جبکہ شاہ فہد دسمبر میں ہسپتال سے فارغ کر دیئے گئے تھے۔ یہ اعلان ایسے وقت میں ہوا جب شاہ کی صحت کے بارے میں اصل حقائق منظرِ عام پر نہ آنے کی بناء پر مغربی پریس میں ان کے حوالہ سے مختلف افواہیں شائع کی جا رہی تھیں صرف یہی نہیں بلکہ مغربی پریس تو باقاعدہ اس قسم کی رپورٹیں شائع کر رہا تھا جن سے یہ تاثر ملتا تھا کہ سعودی عرب کے شاہی خاندان میں شاہ فہد کی جانشینی ایک تنازع کی صورت اختیار کر چکی ہے اور یہ کہ شہزادہ عبداللہ کو اس بناء پر تختِ شاہی سے

marfat.com

محروم کرنے کی کوششیں ہو رہی تھیں کہ وہ شاہ فہد کے سگے بھائی نہیں اور نہ شاہی خاندان میں کوئی اور ان کا سگا بھائی ہے جو انہیں سپورٹ کرے۔

دوسری طرف وزیرِ دفاع و ہوا پیمائی اور شاہی کابینہ کے نائب صدر دوم شہزادہ سلطان بن عبدالعزیز کو شاہ بنائے جانے کی کوششیں عروج پر ہیں۔ جن کے شاہی خاندان میں پانچ سگے بھائی ہیں جو سب کے سب اعلیٰ سیاسی و عسکری عہدوں پر فائز ہیں۔

سعودی عرب میں سیاسی و اقتصادی عدمِ استحکام کے حوالہ سے مزید بے چینی پھیلنے کا ایک سبب شاید یہ بھی ہے کہ ایک امریکی جاسوسی ادارہ نے بعض اندرونی (خفیہ) معلومات چرا کر یہ خبر مشہور کی تھی کہ شاہ فہد کسی دماغی مرض کا شکار ہو چکے ہیں جس سے ان کا ذہن مفلوج ہو چکا ہے اور وہ کئی کئی گھنٹے مسلسل بے ہوش رہتے ہیں۔ اس امریکی ادارہ نے شہزادہ سلطان بن عبدالعزیز کے تختِ شاہی حاصل کرنے کی کوششوں کی خبر بھی دی تھی۔

شاہی فرمان جو کہ شاہ فہد نے اپنے (سوتیلے) بھائی عبداللہ کے نام اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے حوالہ کیا اس کا متن کچھ اس طرح ہے:

> ''چونکہ بمشیتِ (بہ مشیّتِ) الٰہی ہم کچھ وقت مکمل آرام کرنا چاہتے ہیں اور آپ کی شخصیت صفاتِ حمیدہ کی حامل ہے۔ چنانچہ مصلحتِ عامہ کے تقاضہ کے پیشِ نظر دستور کی دفعہ ۶۵ کے تحت ہم اس امر کی بناء پر حکم جاری کرتے ہیں کہ آپ ہمارے عرصۂ راحت و آرام کے دوران امورِ مملکت انجام دیں اور ہمیں اس بات کا پختہ یقین ہے کہ آپ کے دل میں اپنے بھائی کا وقار اور ریاست و عوام کے تحفظ کا سچا جذبہ موجود ہے۔''

شہزادہ عبداللہ جو کہ ''جون ۱۹۸۲ء میں ولی عہد کے مرتبہ پر فائز ہوئے تھے نے اس شاہی فرمان کے جواب میں ایک جوابی مراسلہ شاہ کو بھیجا ہے جس میں انہوں نے کہا ہے:

> ''میرے اس وقت کے دلی جذبات کی کیفیت خدا ہی بہتر جانتا ہے

marfat.com

جب مجھے آپ کے اس فرمان سے مطلع کیا گیا جس میں آپ نے برادرانہ اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے مجھے اپنے قائم مقام کے طور پر اس وقت تک امورِ مملکت چلانے کا حکم دیا ہے جب تک آپ خود اپنی جگہ واپس تشریف نہیں لاتے۔ جہاں آپ کو دیکھ کر ہم سعادت محسوس کرتے ہیں۔"

شہزادہ عبداللہ نے مزید لکھا ہے:

"میرے آقا! اللہ کی اطاعت اور پھر آپ کے حکم کی بجا آوری کے طور پر میں ان تمام مفوضہ امور کو بجا لاؤں گا۔ جن میں رضائے الٰہی اور آپ کی خوشنودی ہو، میں جب بھی کسی معاملہ میں رہنمائی کی ضرورت محسوس کروں گا تو آپ سے ہدایات و رہنمائی کے لئے رجوع کروں گا۔"

چنانچہ سعودی عرب میں اندرونی سطح پر سیاسی و اقتصادی امور میں تحفظات کی کیفیت پائی جاتی ہے اور مستقبل کی سیاسی صورتحال اور شاہ کی بیماری کے حوالہ سے ایک تذبذب بہرحال موجود ہے کہ شاہ صحت یاب ہوں گے؟ نہیں ہوں گے تو کیا ہوگا؟ اب جبکہ امیر عبداللہ اپنی نئی ذمہ داریاں سنبھال چکے اور قائم مقام بادشاہ کی حیثیت سے اپنے اختیارات بھی استعمال کر رہے ہیں تو یہ چہ مہ گویاں عروج پر ہیں کہ شہزادہ عبداللہ کا اقتدار مستحکم ہو پائے گا یا نہیں؟ تاہم اکثر دانشوروں کا خیال ہے کہ انتقالِ اقتدار کے سلسلہ کا نزاع اگرچہ وقتی طور پر ٹل گیا ہے، مگر مستقبل قریب میں شاہ فہد کی عدم صحتیابی و مسند اقتدار پر عدم واپسی کی صورت میں یہ ایک بار پھر آتش فشاں بن کر پھٹ سکتا ہے۔

بیرونی دنیا کے تاثرات وتبصرات کے حوالہ سے سب سے پہلا تبصرہ امریکی حکومت کا ہے جو سعودی عرب کی داخلی صورتحال پر گہری اور مسلسل نگاہ رکھے ہوئے ہے اور جس کے متعدد اہم مفادات سعودی عرب سے وابستہ ہیں، چنانچہ وائٹ ہاؤس نے اس سلسلہ میں جو

marfat.com

بیان جاری کیا ہے اس میں سعودی عرب کے اندرونی استحکام کی خواہش کا اظہار کیا گیا ہے، وائٹ ہاؤس کے ترجمان کے مطابق امریکہ، سعودی عرب کے داخلی استحکام کا خواہاں ہے اور اس مرحلہ پر ایک بار پھر واشنگٹن اور ریاض کے تعلقات کو دوستانہ اور قابل اعتماد قرار دیتے ہوئے انہیں سابقہ خطوط پر جاری رکھنے کا اعادہ کیا ہے، بیان میں کہا گیا ہے کہ بل کلنٹن کی حکومت سعودی عرب کے داخلی استحکام کے سلسلہ میں مطمئن ہے اور یہ کہ ماضی کے بہترین قریبی دوستانہ تعلقات حسب سابق ۱۹۹۶ء اور اس کے بعد بھی سعودی قیادت سے قائم رہیں گے۔ ترجمان نے سعودی عرب میں شہزادہ عبداللہ کو قائم مقام شاہ نامزد کئے جانے کے فیصلہ کو سعودیہ کا اندرونی اور داخلی معاملہ قرار دیا۔

تاہم برطانیہ جس کے تعلقات سعودی عرب سے قدرے تعطل کا شکار ہیں اور جس کا سبب برطانوی حکومت کی طرف سے ان سعودی مخالفین کو پناہ دینا ہے جو ناپسندیدہ قرار دیتے گئے ہیں۔ اُس (برطانیہ) نے بھی اس موقع پر وزارت خارجہ کے ترجمان کے حوالہ سے یہ کہا ہے کہ سعودیہ میں اقتدار تاحال دیانت دار اور مخلص قیادت کے ہاتھوں میں ہے، ترجمان نے کہا ہم شہزادہ عبداللہ کو نئی ذمہ داریاں سنبھالنے پر خیر سگالی کے جذبات سے یاد کرتے ہیں اور بادشاہ کے جلد و مکمل صحت یاب ہونے کے متمنی ہیں۔

نئے متوقع شاہِ سعودی عرب۔ شہزادہ عبداللہ:

امیر عبداللہ کی عمر اس وقت ۷۲ سال ہے جو مملکت سعودی عرب کے بانی شاہ عبدالعزیز کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ ملک عبدالعزیز نے ستمبر ۱۹۳۲ء میں مملکتِ سعودی عرب کی داغ بیل ڈالی جبکہ امیر عبداللہ ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ۱۹۶۲ء سے اُس نیشنل گارڈ کے قائد ہیں جو ۲۵ سے ۳۵ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ نیشنل گارڈ ملک کی اہم تنصیبات کی حفاظت پر مامور ہے۔ جن میں پیٹرول کی پیداواری انڈسٹری اور اس طرح کے دیگر حساس ادارے شامل ہیں، ڈپلومیٹس کا خیال ہے کہ امیر عبداللہ نے نیشنل گارڈ کو ملک کی مسلح افواج

marfat.com

میں ضم کر دینے کے سلسلہ میں خاصا دباؤ برداشت کیا مگر وہ ایک لاکھ نفوس پر مشتمل اس فوج میں نیشنل گارڈ کو ضم کرنے پر رضامند نہیں ہوئے جسکی قیامت امیر سلطان کے ہاتھ میں ہے۔

امیر عبداللہ نے دینی طبقہ سے تعلیم پائی ہے اور عسکری تربیت بھی حاصل کی ہے ایک مغربی سفارتکار کا کہنا ہے کہ امیر عبداللہ وہ واحد شہزادہ ہیں جنہیں شاہی خاندان پر تنقید کرنے والے مذہبی طبقہ میں پسند کیا جاتا ہے علاوہ ازیں وہ سعودی قبائل اور اہلِ علم کے ہاں بھی خاصے (Popular) مقبول ہیں۔

ایک اور سفارت کار کے بقول امیر عبداللہ کو دیگر شہزادوں سے جو بات نمایاں کرتی ہے وہ ان کی زندگی کا تقلیدی طرزِ حیات ہے وہ مصنوعی زندگی اور ظاہری کروفر کے قائل نہیں۔ وہ چھ بیٹوں کے باپ ہیں جن میں سے ایک امیر متعب ہیں جو نیشنل گارڈ کے وائس چیئرمین کے عہدہ پر فائز ہیں۔ گزشتہ برسوں میں امیر عبداللہ نے بعض معاملات میں شاہ فہد سے کھل کر اختلاف بھی کیا چنانچہ عراق کویت تنازع کے موقع پر شاہ فہد کا امریکی حکام سے امداد طلب کرنے میں جلد بازی دکھانا امیر عبداللہ کے نزدیک قابل تنقید معاملہ تھا مگر وہ اس میں رکاوٹ بھی نہیں بنے، ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اس معاملہ میں کسی اقدام سے قبل دینی طبقہ کو اعتماد میں لیا جائے۔

سعودی مستقبل اور توقعات:

امیر عبداللہ اگر تختِ شاہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو لازمی طور پر شہزادہ سلطان ولی عہد ہوں گے۔ فی الحال یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ شہزادہ عبداللہ کے برسرِ اقتدار آنے سے کوئی سیاسی، عسکری یا اقتصادی تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ اگرچہ بعض تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ عالمی سطح پر فی الوقت پیٹرول کی قیمتوں میں معمولی اضافہ ہوا ہے جو شہزادہ عبداللہ کے نئے اختیارات و نئی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد دیکھنے میں آیا ہے تاہم یہ معمول کے مطابق ہے کچھ خلافِ معمول بھی نہیں کہ دنیا بھر میں پیٹرول کے سب سے بڑے پیداواری مرکز سعودی عرب میں کسی بھی سیاسی تبدیلی کے موقع پر عموماً ایسا ہوتا رہا ہے۔

marfat.com

یو پی ای لمیٹڈ پیٹرولیم افیئر ز کے ایک معروف تجزیہ نگار جیوف باین کا کہنا ہے کہ منڈیوں کے اپنے تحفظات کے پیش نظر اس طرح کی تبدیلیوں یا اطلاعات کی بنیاد پر کچھ تیزی تو بہرحال آئے گی، پیٹرول کے بعض بیوپاریوں (تاجروں) کے ہاں سعودیہ میں آنے والی تبدیلی پر شدید قلق پایا جاتا ہے، کیونکہ شہزادہ عبداللہ کی جرأت مندانہ تقلیدی روش شاہ فہد کے مقابلہ میں خاصی شہرت رکھتی ہے جو کہ پیٹرول کی قیمتوں میں اعتدال کے حامی رہے ہیں، خصوصاً ستر (۷۰) کی دہائی اور اسی (۸۰) کے عشرہ کے اوائل میں جب پیٹرول کی قیمتوں کے معاملہ میں ریاض، محاذ آرائی کی حد تک شدید تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سعودی پیٹرول کی قیمتوں کے تعین کا معاملہ وہاں کے داخلی اقتصادیات سے مربوط ہے۔ تختِ شاہی پر کوئی بھی متمکن ہو، پیٹرول کی پیداوار میں کمی ناممکن ہی رہے گی (کیونکہ اس سے ہونے والی آمدنی کا حساب کتاب پہلے ہی کیا جا چکا ہوتا ہے) ماسوا اس صورت کے کہ اقتصادی طور پر پیٹرول کی پیداوار میں کمی کرنا ناگزیر ہو۔

باوجودیکہ امیر عبداللہ نے نئی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں، اقتدار کے حوالہ سے جاری سرد جنگ ختم نہیں ہوئی اور شاید غیر یقینی کی یہ کیفیت زیادہ عرصہ قائم نہ رہے۔ چنانچہ سیاسی، اقتصادی اور سوشل پوزیشن میں بہتری کی کوششیں اور شاہی خاندان میں داخلی اتحاد و نظم کی اشد ضرورت ہے یہی وہ ذرائع ہیں جن سے امیر عبداللہ تختِ شاہی تک رسائی پا سکتے ہیں بصورتِ دیگر ذرا سی لغزش بھی اختلافات کو ہوا دیکر مملکت کے استحکام و مستقبل پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

سعودی تاریخ کے بعض اہم واقعات و انقلابات

۱۷۲۰ء — سعود بن محمد، درعیہ کے علاقہ کے شیخ (مقامی حاکم) ہو گئے۔

۱۷۴۵ء — محمد بن سعود نے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی (وہابی تحریک کے بانی) سے معاہدہ کر کے اپنا حلیف بنا لیا۔

marfat.com

۱۸۱۸ء دولت عثمانیہ (ترکیہ) کی فوجوں نے درعیہ پر قبضہ کر کے یہاں کے حاکم عبداللہ کو قتل کر دیا۔ موصوف محمد بن سعود کے پوتے تھے۔ اس طرح پہلی سعودی ریاست کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۸۲۴ء محمد بن سعود کے ایک اور پوتے نے مصری فوجوں سے مقابلہ کر کے ریاض کو آزاد کرا لیا اور ایک بار پھر سعودی ریاست قائم ہو گئی۔

۱۸۴۳ء۔ ۱۸۶۵ء یہ عرصہ ملک فیصل بن سعود کے اقتدار کا سنہری دور کہلاتا ہے۔

۱۸۶۵ء۔ ۱۸۸۹ء ملک فیصل کی وفات کے بعد جانشینی کے مسئلہ پر اختلاف کے نتیجہ میں آل سعود کے زیر اثر اراضی ان کے قبضہ سے جاتی رہیں اور خاندان آلِ سعود خاندانِ رشید کی زیرِ کفالت آ گیا۔

۱۸۹۱ء عبدالرحمٰن اور ان کے بیٹے عبدالعزیز نے کویت میں پناہ حاصل کی۔ دوسری بار قائم کردہ سعودی ریاست کا خاتمہ۔

۱۹۰۲ء عبدالعزیز نے ایک جنگجو دستے کی قیادت کرتے ہوئے ریاض پر حملہ کر کے اسے واگزار کرا لیا۔

۱۹۱۲ء عبدالعزیز نے ”حرکۃ الاخوان“ کی بنیاد رکھی، یہ ایک مسلح دستہ تھا، جسے بعد میں ایک باقاعدہ جنگجو فوج میں تبدیل کیا جانا تھا۔

۱۹۱۳ء عبدالعزیز نے خلیج کے ساحل پر قبضہ کر لیا۔

۱۹۲۵ء عبدالعزیز نے حرمین شریفین، مکہ و مدینہ، حجاز (مغربی علاقہ) پر قبضہ کر لیا

۱۹۲۶ء۔ ۱۹۲۷ء عبدالعزیز نجد و حجاز کے خود ساختہ حکمراں ہو گئے۔

۱۹۲۹ء الاخوان میں بغاوت اور اس کا خاتمہ۔

۱۹۳۲ء عبدالعزیز نے خود کو بادشاہ کے درجہ پر فائز کر کے نئی مملکتِ سعودی عرب قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔

۱۹۳۳ء شاہ عبدالعزیز نے اپنے بڑے بیٹے سعود کو ولی عہد نامزد کیا اور یہ اعلان کیا کہ ان کا دوسرا بیٹا فیصل اس وقت ولی عہد بنے گا جب سعود تختِ

marfat.com

شاہی سنبھالیں گے۔

۱۹۳۸ء سعودی عرب میں پیٹرول کی دریافت۔

۱۹۵۳ء شاہ عبدالعزیز کا انتقال اور شہزادہ سعود کی تاج پوشی۔

۱۹۵۸ء شاہی خاندان کے دباؤ پر شاہ سعود کے اختیارات سلب کر لئے گئے اور شاہ فیصل نے عملاً امورِ سلطنت سنبھال لئے۔

۱۹۶۲ء شاہ سعود کی حمایت میں شاہ فیصل کے خلاف شاہی خاندان کے بعض امراء (طلال، فواز اور بدر) کی بغاوت اس قضیئے کو صدر عبدالناصر نے طے کروایا۔

۱۹۶۴ء شاہی خاندان کے ایماء پر علماء کا شاہ سعود کے خلاف فتویٰ کہ وہ بادشاہی کے حق دار واہل نہیں چنانچہ شاہ فیصل کی بادشاہت کا باقاعدہ اعلان ہوا

۱۹۶۹ء یونان میں جلاوطنی کے دوران شاہ سعود کا انتقال۔

۱۹۷۵ء شاہ فیصل کا اپنے ایک بھتیجے کے ہاتھوں قتل اور شہزادہ خالد کی تخت نشینی، اس موقع پر شاہ فیصل کے بڑے بھائی شہزادہ محمد بادشاہ ہوتے مگر وہ ۱۹۶۴ء میں اپنی ٹرم (باری) کے موقع پر دستبردار ہو گئے تھے لہٰذا شاہ خالد کو بادشاہ بنایا گیا، شاہ خالد کے بطور شاہ انتخاب کے موقع پر ان کے دو بھائی ناصر اور سعد نے اپنے حق سے دست برداری اختیار کی چنانچہ امیر فہد کو ولی عہد بننے کا موقع ملا۔

۱۹۷۷ء شاہ خالد علیل ہو گئے۔ امیر سلطان نے شہزادہ عبداللہ کی ولی عہدی کے راستے میں مشکلات پیدا کرنے کے لئے سرگرمی دکھائی تاکہ انہیں ولی عہد بنایا جائے مگر کامیاب نہ ہوئے۔

۱۹۸۲ء شاہ خالد کا انتقال اور ولی عہد امیر فہد کی تخت نشینی، جبکہ عبداللہ ولی عہد نامزد ہوئے۔

۱۹۹۶ء شاہ فہد نے شہزادہ عبداللہ کو اختیارات منتقل کئے۔

marfat.com

شاہانِ آلِ سعود۔ ایک نظر میں

۱۷۲۰ء - ۱۷۲۶ء	سعود بن محمد بن مقرن۔
۱۷۲۶ء - ۱۹۶۵ء	محمد بن سعود۔
۱۷۶۵ء - ۱۸۰۳ء	عبدالعزیز بن محمد
۱۸۰۳ء - ۱۸۱۴ء	سعود بن عبدالعزیز
۱۸۱۴ء - ۱۸۱۸ء	عبداللہ بن سعود
۱۸۱۸ء - ۱۸۲۱ء	مشاری بن سعود
۱۸۲۱ء - ۱۸۳۴ء	ترکی بن عبداللہ
۱۸۳۴ء - ۱۸۳۶ء	فیصل بن ترکی
۱۸۳۶ء - ۱۸۴۱ء	خالد بن سعود
۱۸۴۱ء - ۱۸۶۵ء	فیصل بن ترکی
۱۸۶۵ء - ۱۸۷۱ء	عبداللہ بن فیصل
۱۸۷۱ء - ۱۸۷۵ء	عبدالرحمٰن بن فیصل
۱۸۷۵ء - ۱۸۷۶ء	سعود بن فیصل
۱۸۷۶ء - ۱۸۸۹ء	عبداللہ بن فیصل
۱۸۸۹ء - ۱۸۹۱ء	عبدالرحمٰن بن فیصل
۱۸۹۱ء - ۱۹۰۲ء	پہلی سعودی ریاست کا اختتام
۱۹۰۲ء - ۱۹۵۳ء	عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آلِ سعود
۱۹۵۳ء - ۱۹۶۴ء	سعود بن عبدالعزیز
۱۹۶۴ء - ۱۹۷۵ء	فیصل بن عبدالعزیز
۱۹۷۵ء - ۱۹۸۲ء	خالد بن عبدالعزیز
۱۹۸۲ء - تا حال	فہد بن عبدالعزیز

marfat.com

	آئندہ متوقع بادشاہ	عمر	موجودہ منصب
۱۔	عبداللہ بن عبدالعزیز	۷۲ سال	موجودہ ولی عہد۔
۲۔	سلطان بن عبدالعزیز	۷۱ سال	وزیر دفاع و ہوا پیمائی۔
۳۔	نائف بن عبدالعزیز	۶۲ سال	وزیر داخلہ
۴۔	سلمان بن عبدالعزیز	۵۹ سال	حاکمِ ریاض (گورنر)

مندرجہ بالا چار متوقع سعودی بادشاہ بھی اپنی عمر کے اس حصہ میں ہیں کہ شاید تخت شاہی پر ہر ایک زیادہ عرصہ نہ رہ سکے اور ہر تھوڑے عرصہ بعد سعودیہ میں قیادت کا مسئلہ اور بحران پیدا ہوتا رہے۔

شمارہ ۱۵۔ ۲۱ جنوری ۱۹۹۶ء

(ہفت روزہ عربی مجلہ قضایا دولیہ)

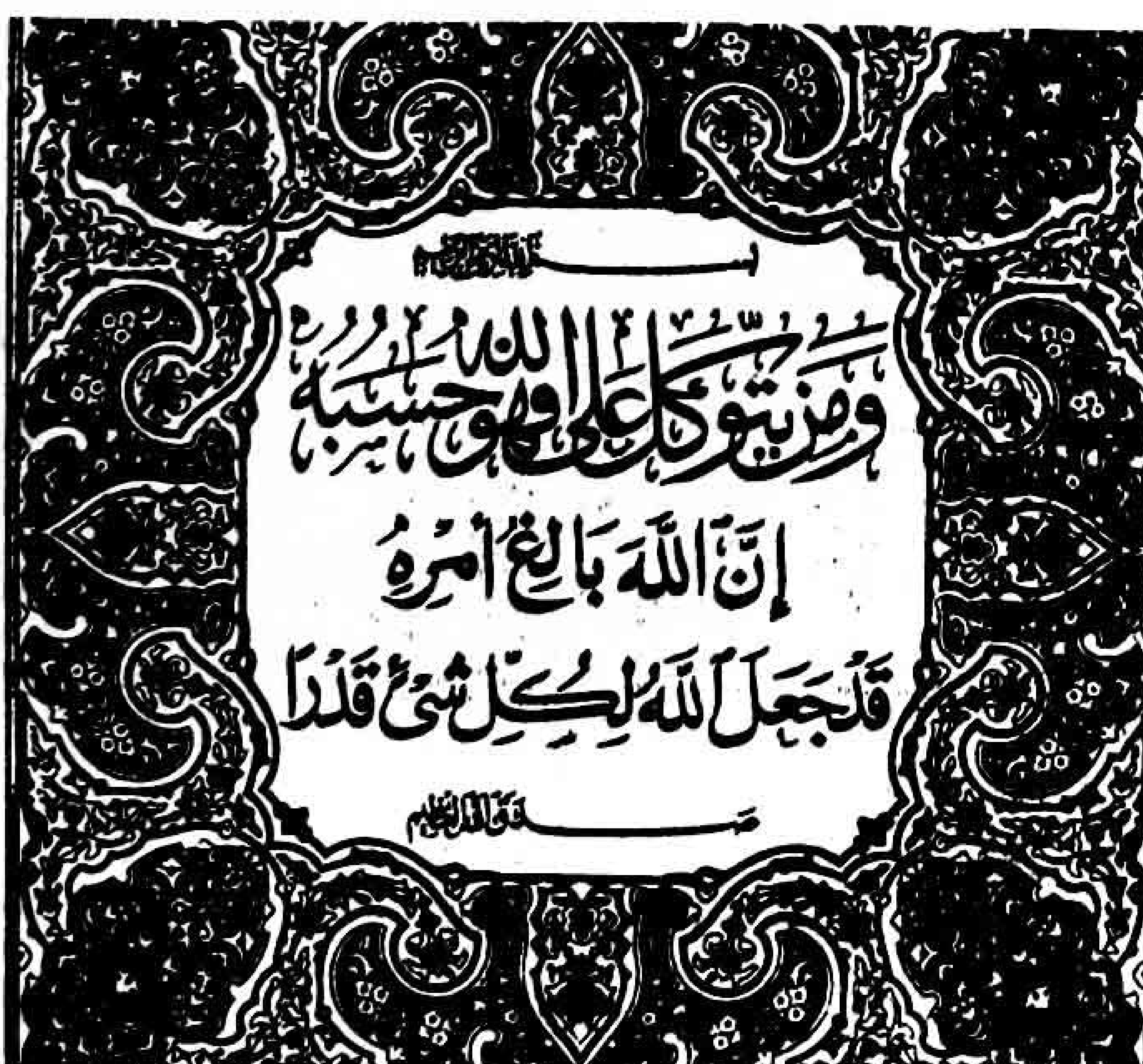

marfat.com

تہذیب آگہی ...... "لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کے خلاصہ اور نچوڑ کو اگر ہم کسی ایک لفظ سے تعبیر کرنا چاہیں تو وہ تقویٰ ہے کہ تمام عبادات وتعلیمات اسلام کی غرض قلب انسانی میں روح تقویٰ پیدا کرنا ہے...... نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، غرض کہ کوئی بھی عبادت یا عمل خیر ہو، اس کا مقصد "تقویٰ" ہی کا فروغ ہے...... تقویٰ ضمیر کے اس احساس کا نام ہے کہ جو ہر کام میں اللہ کی مرضی کو مقدم رکھنے، اللہ کے حکم کے مطابق عمل کرنے اور اللہ ہی کی منشا کے خلاف کام نہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

قرآن نے روزہ کا مقصد "تقویٰ" پیدا کرنا بتایا ہے، لعلکم تتقون کی تفسیر میں تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس میں روزہ کی غرض وغایت (تقویٰ) بیان کی گئی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے کہ تقویٰ دراصل اس چیز کا نام ہے کہ تم اپنے نفس کو کسی سے بہتر و برتر نہ سمجھو۔

تقویٰ رنگ ونسل، قومیت اور وطنیت کے بتوں کو پاش پاش کر دیتا ہے، جس دل میں تقویٰ نے گھر کر لیا ہو اس کے سامنے نوع انسانی کے خود ساختہ سیکڑوں مراتب اور ان کی طاقت کی کوئی وقعت واہمیت نہیں رہتی بلکہ اس کے نزدیک معیار امتیاز "قوتِ تقویٰ" ہوا کرتی ہے کیونکہ حاکم مطلق وسرچشمۂ طاقت کا ارشاد ہے:

"ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم"

(تم میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے)

حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک روز جناب کعب بن احبار سے پوچھا۔ کعب تقویٰ کا کیا مطلب ہے؟ کہا عمر! کبھی تنگ پگڈنڈی پر چلے ہو جس کے دونوں طرف خار دار جھاڑیاں ہوتی ہیں" کہا ہاں! کہا بتاؤ اس پر کیسے چلتے ہو۔

کہا دامن سمیٹ کر۔

کہا یہی تقویٰ ہے (کہ تم گناہوں سے یوں دامن سمیٹ کر چلو کہ کوئی برائی تمہارے دامن سے وابستہ نہ ہونے پائے)

marfat.com

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا فرمان ہے، ہر وہ شخص متقی ہے جو کسی دوسرے شخص کو دیکھے تو کہے کہ مجھ سے بہتر ہے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ حصول تقویٰ کی ابتدائی صورت یہ ہے کہ سب سے پہلے ان مظالم کی معافی مانگے جو اس نے لوگوں پر کیئے ہیں اور ان کے حقوق کے مطالبات سے عہدہ برا ٔ ہو جائے، اس کے بعد صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے آزادی حاصل کرے اور اپنے دل کے گناہوں کو ترک کرنے میں مشغول ہو کہ دل ہی تمام گناہوں کی اصل اور بنیاد ہے، دل ہی سے دوسرے اعضاء میں گناہوں کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

خل الذنوب صغیرھا و کبیرھا فھو التقی

(چھوٹے بڑے تمام گناہوں کو چھوڑ دو یہی تقویٰ ہے)

واصنع کماش فوق ار ضالشوک یحزر ما یریٰ

(اعمال کے معاملہ میں یوں چلو جیسے زمین پر چلنے والا کانٹوں والی زمین پر بچ بچا کر چلتا ہے)۔

لا تحقرن صغیرہ ان الجبال من الحصی

(کسی چھوٹے گناہ کو معمولی نہ سمجھو کہ پہاڑ چھوٹے چھوٹے سنگریزوں سے ہی مل کر تو بنا ہے)

marfat.com

زوال امت مسلمہ یا آزمائش ما

زوال یا آزمائش

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وهم لا یفتنون ٥ ولقد فتنا الذین من قبلهم فلیعلمن الله الذین صدقوا ولیعلمن الکاذبین٥ (العنکبوت، آیت۲۔۳)

''کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ انہیں صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا اور بے شک ہم نے آزمایا تھا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے گزرے، پس اللہ تعالیٰ ضرور دیکھے گا انہیں جو (دعویٰ ایمان میں) سچے تھے اور ضرور دیکھے گا (ایمان کے) جھوٹے دعویداروں کو۔''

ایک موضوع جس پر ملکی اخبارات و جرائد میں اکثر و بیشتر مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور جو بعض مقررین کی نوک زباں پر رہتا ہے وہ ہے:

''امت مسلمہ کے زوال کے اسباب وسدباب''

موضوع زیر بحث کے تین لفظ امت، مسلمہ اور زوال انتہائی قابل توجہ ہیں۔ ان الفاظ کے معنی ومفہوم سمجھے بغیر یا ان کے مطالب کو اپنے فہم و ادراک کی ہارڈ ڈسک سے Recall کیے بغیر ہم موضوع کو سمجھنے کی جتنی بھی کوشش کریں گے وہ لاحاصل ہی رہے گی۔ آیئے پہلے ان تین الفاظ پر غور کریں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ امت کسے کہتے ہیں؟ امت مسلمہ سے کیا مراد؟ اور زوال کے کیا معنی ہیں؟ اسباب اور سدباب کا مرحلہ تو اس وقت آئے گا جب امت مسلمہ اور زوال کہیں پائے جانے ثابت ہو سکیں گے۔

موضوع کا پہلا قابل غور لفظ ''امت'' ہے۔ امت کے معنی لغت عرب کی معروف

marfat.com

کتابوں کے مطابق گروہ یا مجموعہ افراد کے ہیں۔ اصطلاح میں امت سے مراد افراد کا ایسا مجموعہ جو کسی ''اصل مشترک'' پر جمع ہو۔ بالفاظ دیگر مشترکہ مفاد کی خاطر جمع ہونے والے افراد کے گروہ کو امت کہیں گے۔

علاوہ ازیں امت کے معنی طریقہ اور دین کے بھی ہیں جیسا کہ قرآن کریم کی سورۃ المؤمنون کی آیت نمبر ۵۲ میں ہے:

ان هذه امتكم امة واحدة و انا ربكم فاتقون ٥

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ یہاں امت سے مراد دین ہے۔ امت کا لفظ اور بھی کئی معنی میں مستعمل ہے۔

دوسرا لفظ قابل غور ہے ''مسلمہ'' اس کے ایک معنی تو وہ ہیں جو مشہور عام ہیں یعنی نبی آخر الزماں ﷺ کے پیروکار۔ جبکہ مسلم یا مسلمہ کا لفظ اپنے اندر ایک وسعت رکھتا ہے۔ اگر چہ آج کے دور میں مسلم اسی کو کہیں گے جو حضور ﷺ کا غلام اور آپ کی امت کا ایک فرد ہوگا۔ لیکن زمانہ قبل از ''بعثت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء'' میں مسلم کا لفظ نزول آدم سے اعلان نبوت مصطفیٰ تک ان تمام افراد کے لئے بولا جاتا تھا جو انبیاء سابقین کے پیروکار تھے۔ بنی اسرائیل کے لئے قوم یہود اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ماننے والوں کے لئے عیسائی یا نصاریٰ کے الفاظ بعد کے ہیں۔ گویا ہر نبی کا امتی مسلم تھا، کیوں؟ اس لئے کہ اساس اور بنیاد سب کی ایک تھی اور وہ تھی دعوت دین توحید، لہٰذا ہر موحد مسلم تھا اور ہر مسلم کے لئے موحد ہونا ضروری تھا۔

فرق یہ ہے کہ انبیاء سابقین کے پیروکار عموماً ''یک نسلی'' تھے جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکار ہمہ نسلی یا (Multinational) ہیں۔ انبیاء سابقین میں سے اکثر بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کئے گئے یا مخصوص اقوام و مخصوص علاقوں کی طرف۔ جب کہ نبی اکرم ﷺ تمام اقوام و تمام جہانوں کی طرف۔

اگر ہم تاریخ انسانیت پر ایک نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ہبوط آدم سے ظہور نور

marfat.com

مصطفیٰ ﷺ تک کی مسلم امہ میں بنی اسرائیل تاریخ پر چھائے ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل کے دو ہزار سالہ دور کے واقعات قرآن کریم میں جابجا امت مصطفیٰ ﷺ کی نصیحت و عبرت پذیری کی خاطر مذکور ہیں۔

آیئے اب تیسرے لفظ کی طرف چلتے ہیں اور وہ ہے ''زوال'' یہ لفظ مصدر ہے اور زوال (کے ماضی و مضارع) زال یزول کے معنی ہوتے ہیں، ہلاک ہونا، تباہ ہونا، جاتے رہنا، ڈھلنا، زائل ہو جانا۔ کسی کی شکایت سن کر تلافی کرنے کو ہم شکایت کا ازالہ کرنا اسی لئے کہتے ہیں کہ پھر شکایت نہیں رہتی، ختم ہو جاتی ہے، زائل ہو جاتی ہے۔ دوپہر کے وقت سورج سر سے ڈھلنے لگتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ زوال کا وقت ہو گیا، ان معانی کے اعتبار سے ہمارے موضوع کا مطلب یہ ہو گا کہ نبی کریم ﷺ کی امت کے (معاذ اللہ) ہلاک ہونے، تباہ و برباد ہونے یا تباہی کی طرف گامزن ہونے کے اسباب اور ان کا تدارک۔

میں اس مفہوم سے اتفاق نہیں کرتا، کیوں کہ میرا یہ اعتقاد ہے کہ امت مسلمہ کبھی تباہ نہیں ہو گی۔ امت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کبھی ہلاک و برباد نہیں ہو گی۔ قوم رسول ہاشمی ایک خاص ترکیب میں ہے یہ کبھی زائل ہونے والی نہیں، کیونکہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا صریح اور واضح وعدہ ہے کہ ایک دن پوری روئے زمین پر رسول عربی ﷺ ہی کا دین غالب ہو کر رہے گا اور امت مسلمہ ہی کا سکہ رائج ہو گا۔

ارشادِ باری ہے کہ:

وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً ؕ

(سورۃ النور)

''یعنی اللہ کا وعدہ ہے ان لوگوں کے ساتھ جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے کہ وہ ضرور ضرور انہیں زمین میں خلیفہ

marfat.com

بنائے گا جس طرح اس نے ان لوگوں کو خلیفہ بنایا جو ان سے پہلے تھے
اور مستحکم کر دے گا ان کیلئے ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے
پسند فرمایا ہے اور ضرور بدل دے گا ان کی حالت خوف کو امن سے۔''

میں زوال امت مسلمہ کے تخیل (Concept) سے اس لئے بھی اتفاق نہیں کرتا ہوں کہ جو چیز زائل ہو جانے والی ہو وہ باطل ہے اور حق وہ ہے جو باقی رہے جسے زوال نہ آئے۔ اگر ہم زوال امت کے فلسفے کو مان لیں تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ معاذ اللہ امت مسلمہ امت حقہ نہیں ہے۔

فارسی کا ایک مقولہ زوال کے سلسلہ میں پیش کیا جاتا ہے کہ ''ہر کمالے را زوالے'' اس مقولے کا جو مفہوم سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے میں اس سے بھی اتفاق نہیں کرتا، کیونکہ کمال کے درجات جو لوگوں کے ذہن میں ہیں وہ کمال عارضی سے متعلق ہیں نہ کہ کمال دائمی وابدی سے اور حقیقی کمال کو زوال سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

ذرا غور فرمائیے امت مسلمہ کس کی امت ہے؟ نبی کریم ﷺ کی امت، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کب تک کے لئے نبی ہیں؟ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نبی، اگر زوال امت کی بات مان لی جائے تو یہ لازم آئے گا کہ اس دین کو زوال آ گیا جو محمد عربی ﷺ کا لایا ہوا اور اللہ کا پسندیدہ دین ہے، وہ دین جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا:

''دینهم الذی ارتضیٰ لهم''

''وہ دین جسے اللہ نے ان کے لئے پسند کیا۔''

اللہ کے پسند کردہ دین کو ختم کرنے کی جرأت کون کر سکتا ہے؟ کس میں ہمت ہے کہ خدا کے دین کا چراغ گل کر دے؟

یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواههم

''یریدون'' چاہتے ہیں کہ اس دین کو ختم کر دیں، مگر

واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون

marfat.com

(اللہ اس دین کو مرتبہ کمال تک پہنچا کر چھوڑے گا۔ اگر چہ یہ بات مشرکوں کو ناگوار ہی گزرے)

مجھے یقین واثق ہے کہ دین مصطفیٰ کو زوال نہیں آ سکتا۔ یہ دین غالب ہو کر رہے گا کیونکہ یہ کلمۃ اللہ ہے اور کلمۃ اللہ کا تقاضا ہے۔ ''ھی العلیا'' کہ وہ بلند رہے اور امت مسلمہ تو وہ امت ہے جسے زائل نہیں ہونا، باقی رہنا ہے۔ اسلام اور دیگر مذاہب کا فرق یہ ہے کہ دیگر مذاہب میں موت کے معنی ہیں اختتام۔ جبکہ اسلام میں موت کے معنی اختتام نہیں انقلاب و انتقال ہیں۔ مسلم مرتا نہیں منقلب ہوتا ہے وہ ایک حالت سے دوسری حالت میں، ایک جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہوتا ہے اور امت مسلمہ تو وہ ہے جس کے بارے میں خود اس کے خالق کا ارشاد ہے:

و اعدلھم جنٰت تجری تحتھا الانھٰر خالدین فیھا ابداً

''کہ مسلم امہ کے افراد وہ ہیں جنہیں ابدی زندگی دی جانی ہے جو جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔''

اگر امت کے زوال کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر کیسی ابدیت؟ اور کہاں کے باغات جنت؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ زوال امت مسلمہ ایک مزعومہ مفروضہ ہے حقیقت نہیں، اور یہ مفروضہ ہمارے ذہنوں میں ماضی و حاضر کے بین الاقوامی حالات و واقعات کے تناظر میں اس طرح بٹھا دیا گیا ہے کہ ہم سمجھ رہے ہیں کہ شاید اسلام کو زوال آ رہا ہے۔ ہمارا نوجوان، قوم مسلم کی خون ارزانی دیکھ کر بے چین ہو گیا ہے اور مسلمانوں کی حالت زار کو دیکھ کر گھبرا اٹھا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک صحابی رسول عین کعبہ کے سامنے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں یا رسول اللہ! ہم کب تک ظلم سہتے رہیں گے، مصیبتوں کے پہاڑ کب تک ہم پر ٹوٹتے رہیں گے؟ آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں کرتے کہ وہ ہمارے دن بدل دے۔ فرمایا ہاں ''الصبر مفتاح الفرج'' صبر ہی خلاصی و نجات کی، وسعت و کشادگی کی، حریت و آزادی کی کنجی ہے۔''

marfat.com

ملت اسلامیہ کے فرزندوں کو قوم کے مایہ ناز جوانوں کو نہ گھبرانے کی ضرورت ہے، نہ ڈرنے کی حاجت رہبر قوم، رہنمائے ملت اسلامیہ، مفکر امت مسلمہ اور نوجوانانِ اسلام کے پشتیبان علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی بات آپ نے نہیں سنی؟ وہ کہتے ہیں۔

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

قارئین محترم! بات لمبی ہوگئی، میں نے یہ تمہید طولانی اس لئے باندھی ہے کہ میں یہ بات ذہن نشین کرانا چاہتا ہوں کہ مسلم امہ کے لئے زوال نہیں ہے عروج ہی عروج ہے، عروج ہی عروج ہے۔ ہاں البتہ اس عروج و معراج کے سفر میں آپ کا براق اگر تھوڑی دیر کے لئے کہیں رک جائے تو اسے زوال نہیں کہیں گے۔

آپ بڑی دیر سے یہ بات سوچ رہیں ہوں گے کہ بوسنیا میں ہونے والے مظالم، صومالیہ کے مسلمانوں کی کسمپرسی کی کیفیت، کشمیر میں لٹی ہوئی جوانیوں اور اجڑتے ہوئے سہاگوں کی صورتحال، فلسطین پر یہودیت کے قبضہ و استحصال، نوآزاد وسط ایشیائی مسلم ریاستوں اور بالخصوص چیچنیا کے مسلمانوں کی مشکلات، پاکستان میں اسلام کے نام لیواؤں کے لئے پیدا کی گئی رکاوٹوں اور عالم اسلام پر نیو ورلڈ آرڈر کے بھیانک سائے کو آپ کیا نام دیں گے؟ میں اسے زوال نہیں بلکہ امت مسلمہ کی آزمائش اور ابتلاء خیال کرتا ہوں۔

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ چلئے یہ زوال نہ سہی ابتلاء و آزمائش ہی سہی آخر اس کے اسباب کیا ہیں؟ اور ان کا تدارک کیا؟

marfat.com

آیئے اس کے لئے ام الکتاب سے رجوع کرتے ہیں کہ اس کا دعویٰ ہے کہ ''ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ''یعنی ہر چھوٹی بڑی چیز کا ذکر قرآن میں ہے، جب ہم اسباب ابتلائے امت قرآن سے پوچھتے ہیں تو جواب ملتا ہے:

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم و یعلم الصابرین o

''کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو آزمایا ہی نہ ہوگا؟''

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم الباساء والضراء و زلزلوا حتیٰ یقول الرسول والذین امنوا معہ' متیٰ نصر اللہ الا ان نصر اللہ قریب o

''کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم یونہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ جبکہ تم پر ابھی اس طرح کی آزمائش و ابتلاء بھی نہ آئی ہو جیسی تم سے پہلے تم جیسی امتوں پر آئی کہ انہیں مصائب اور تکالیف نے گھیر لیا اور وہ اس قدر جھنجوڑے گئے کہ ان کے رسول اور وہ اہل ایمان پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ آگاہ رہو اللہ کی مدد قریب ہے۔''

ان آیات طیبات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابتلاء کا بڑا سبب مشیت ایزدی ہے یہ امتحان و آزمائش کی وہ منزل ہے کہ جس میں قدم رکھنے سے قبل ذہنی طور پر اپنے آپ کو تیار کرنا ہوگا، مؤمن اور مسلم ہونے کا دعویٰ ہے تو تکالیف و مصائب تو برداشت کرنا ہوں گی۔

سورۃ الحج کے الفاظ ''وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ'' ذہن میں لائیے جس کے معنی ہیں ''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے'' اور اسی میں اہل ایمان کے

marfat.com

ایمان کی آزمائش مضمر ہے کہ کون ہیں جو اس کے نام پر اپنی جانوں کا ہدیہ پیش کرنے کو حقیقی کامیابی سمجھتے ہیں۔ جیسے کہ ایک صحابی نے شہید ہوتے وقت کہا تھا کہ ''فزت و رب الکعبہ'' ''رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا۔

سورۃ توبہ میں اس مضمون کو دیکھئے

ام حسبتم ان تترکوا ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ولم یتخذوا من دون اللہ ولا رسولہ ولا المؤمنین ولیجۃ ط واللہ خبیر بما تعملون''

''کیا تم نے یہ سمجھا تھا کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی تو یہ دیکھا ہی نہیں کہ کون ہیں تم میں سے وہ لوگ جو جہاد کا حق ادا کرتے ہیں اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور سچے مؤمنوں کے سوا کسی اور کو اپنا بھیدی نہیں بنایا (جو اللہ اور اس کے رسول کے لئے تمام دینوی تعلقات پر خط تنسیخ پھیر سکتے ہیں) اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

اللہ کی راہ میں ابتلاء و آزمائش کی سب سے پہلی حکمت یہاں واضح کر دی گئی ہے کہ کسی بھی انقلابی جدوجہد کے لئے جو اس اہم کام کے لئے کھڑی ہو رہی ہو یہ بات ضروری ہے کہ اس میں تطہیر ہوتی رہے، وقتاً فوقتاً چھانٹی ہوتی رہے۔ صرف مذہبی سطح پر انسانوں کی بھیڑ جمع ہو تو وہاں چھانٹی کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن اگر نصب العین انقلابی ہو، اقامت دین کی جدوجہد درپیش ہو، کسی غلط نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر نظام حق کو برپا کرنا اور غالب و نافذ کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے جس قسم کی جماعت درکار ہوگی اس میں چھانٹی کا عمل ضروری ہوگا تاکہ کچے اور ناپختہ لوگ جھڑتے چلے جائیں اور صرف پختہ کار سرفروش کہ جو دین کی راہ میں تن من دھن نثار کرنے والے ہوں اس جماعت کی ریڑھ کی ہڈی بن سکیں۔ اس تطہیر کے عمل سے معلوم ہوگا کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ کون واقعتاً اللہ کو ماننے والا اور آخرت کا یقین

marfat.com

رکھنے والا ہے۔ کون اللہ کے رسول سے سچی محبت رکھنے والا اور کون جان دینے والا ہے۔ یہی غرض و غایت ہے ان آزمائشوں کی جن سے اس وقت امت مسلمہ دوچار ہے اور یہی سبب ہے اس ابتلاء کا جس سے ہم گزر رہے ہیں۔

ابتلاء اور آزمائش کا ایک اور سبب وہ ہے جس کی پیشین گوئی اللہ کے رسول ﷺ نے بہت پہلے فرما دی تھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

''مسلمانو! ایک وقت آئے گا کہ دنیا کی قومیں تم پر ایک دوسرے کو ایسے دعوت دیں گی جیسے دعوت کا اہتمام کرنے والا کوئی شخص دستر خوان کے چنے جانے کے بعد مہمانوں سے کہتا ہے کہ آئیے تشریف لائیے، کھانا تناول فرمائیے۔ اس پر صحابہ کرامؓ نے حیران ہو کر پوچھا کہ حضور ﷺ کیا اس زمانے میں ہماری تعداد بہت کم رہ جائے گی؟ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں! ''بل انتم یومئذ کثیرون'' تعداد تو تمہاری بہت ہو گی (نوے کروڑ، ایک ارب اور نامعلوم کتنی!) لیکن تمہاری حیثیت جھاگ سے زیادہ نہ ہو گی جیسے کسی جگہ اگر سیلاب آ جائے تو سیلاب میں پانی کے ریلے کے اوپر کچھ جھاڑ جھنکار ہوتا ہے۔ کچھ جھاگ ہوتا ہے۔ ''ولکنکم غثاء کغثاء السیل'' اس سے زائد تمہاری حیثیت نہیں ہو گی، دنیا میں تمہاری اہمیت اس سے بڑھ کر نہ رہے گی صحابہ کرامؓ نے پھر سوال کیا کہ حضور ﷺ ایسا کیوں ہو جائے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے اندر ایک بیماری پیدا ہو جائے گی جس کا نام ''وھن'' ہے۔ سوال کیا گیا ''ما الوھن یا رسول اللہ'' کہ حضور ﷺ وھن کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا ''حب الدنیا و کراھیۃ الموت'' دنیا کی محبت اور موت سے نفرت.......... یہ بیماری جب تم لوگوں میں پیدا ہو جائے گی تو دنیا

marfat.com

تمہاری محبت کا مرکز بن جائے گی اور موت سے تم دور بھاگنے لگو گے تو بہت بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود تم اقوام عالم کے لئے لقمہ تر بن جاؤ گے.......... لیکن ظاہر بات ہے کہ کوئی اپنی درازیٔ عمر کے باعث اللہ کی پکڑ سے بہرحال بچ نہیں سکے گا۔ اسے بالآخر اپنے رب کی طرف لوٹنا ہی ہوگا وہاں اس کا حساب چکا دیا جائے گا۔

اب سوال یہ ہے کہ

ابتلاء و آزمائش کے دور میں مسلمان کیا کریں؟ کیا بس اسے اللہ کی مشیت اور اس کی منشاء سمجھ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں اور انتظار کریں یا ان کا کوئی کردار بھی ہے؟ قرآن کریم نے ان حالات میں مسلمانوں کے کرنے کا کام یہ بتلایا ہے کہ وہ صبر و استقامت کو اختیار کریں اور حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے نصرت خداوندی طلب کریں اور نصرت خداوندی طلب کرنے کا طریقہ قرآنِ کریم نے یہ بتایا ہے کہ:

''واصبر کما صبراوالعزم من الرسل و اذا عزمت فتوکل علی اللہ''

اس کٹھن اور پرفتن دور میں انقلاب اسلامی اور غلبۂ دین حق کی بحالی کے لئے وہ طریقہ اختیار کرنا ہوگا جس کی تعلیم ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ امت مسلمہ کو ابتلاء و آزمائش کے اس دور سے کامیابی سے نکلنے کے لئے جامع منصوبہ بندی کے ساتھ کام کی ضرورت ہے۔

یاد رکھئے! اسلامی انقلاب لانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قوم کے جوانوں میں فکری انقلاب پیدا کیا جائے، خود ساختہ بانیان انقلاب و امامانِ انقلاب کی پیروی کے بجائے اپنے ہیرو تیار کئے جائیں اور دو ایک نہیں ہیروؤں کی ایک ایسی نرسری تیار کرنا ہوگی جیسی کہ نبی اکرم ﷺ نے غزوہ بدر سے قبل تیار کر کے دکھائی۔ اس نرسری کے کمالات کا اعتراف مستشرقین (Orientalists) کو بھی کرنا پڑا۔ مشہور مستشرق پروفیسر فلپ ہٹی ہسٹری آف

marfat.com

عربز (History of Arabs) میں لکھتے ہیں:

"After the death of the Prophet sterile Arabia seems to have been converted as if by magic into a nursery of heroes the like of whom both in number and quality is hard to find any where."

"یعنی پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد ایسا معلوم ہوا کہ جیسے عرب کی بنجر زمین جادو کے ذریعے ہیروؤں کی نرسری میں تبدیل کر دی گئی ہو۔ ایسے ہیرو جن کی مثال تعداد یا نوعیت کے لحاظ سے کہیں اور پانا سخت مشکل ہے۔"

دنیا میں اسلام کا غلبہ ایک کامل فکری نظام کے مقابلے میں دوسرے کامل فکری نظام کا غلبہ ہے۔ یہ بلاشبہ تاریخ کا مشکل ترین منصوبہ ہے۔ کیونکہ یہاں پر ہر شخص بہت جلد امام اور قائد انقلاب بننے کی فکر میں ہے، انقلاب لانے کی فکر میں نہیں۔

انقلاب لانے کے لئے جس محنت اور صبر کی ضرورت ہے وہ آج کے نام نہاد لیڈروں میں کہاں؟ امید بندھتی ہے تو بالآخر نوجوانوں سے کہ اس فکری انقلاب کے لئے ہیروؤں کی جو نرسری درکار ہے وہ نوجوان نسل ہی فراہم کر سکتی ہے۔ افرادی قوت موجود ہے مگر اس افرادی قوت کی تربیت کر کے اسے انقلابی قوت بنانے کی ضرورت ہے۔

شام، ایران، عراق، مصر، فلسطین، کشمیر اور الجزائر میں اسلامی انقلاب کے نام پر جو جدوجہد کی گئی یا کی جا رہی ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ افرادی قوت کے بل بوتے پر ہے نہ کہ انقلابی و فکری قوت کے بل بوتے پر یہی وجہ ہے کہ وہاں لاکھوں علماء اور مسلمان شہید ہوئے اور ہو رہے ہیں مگر انقلاب آ کے نہیں دے رہا ہے۔

اسلامی انقلاب بزورِ شمشیر نہیں بزور تفکیر و تسخیر آیا کرتا ہے۔ اسلامی انقلاب کے

marfat.com

لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا سا انداز اپنانا ہوگا نہ کہ دارا و سکند کا سا۔ اسلامی انقلاب کے لئے ہلاکو خان سے ٹکرانے کے بجائے تگودار خان پر محنت اور کام کرنے کی بغدادی و جیلانی فکر کی ضرورت ہے۔

اگر آپ انٹرنیشنل میڈیا کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔ میں اپنی معلومات کے حوالہ سے یہ بات آپ کو بتانا چاہوں گا کہ مکہ سے شائع ہونے والے اخبار العالم الاسلامی، ریاض سے نکلنے والے ماہنامہ الدعوۃ، کویت سے چھپنے والے ہفت روزہ المجتمع، تیونس سے شائع ہونے والے ماہنامہ الھدایہ، مصر سے چھپنے والے الصوت القاہرہ اور دیگر کئی ممالک کے انٹرنیشنل میگزینز ایسی خبروں سے پر ہیں کہ امریکہ، جنوبی افریقہ اور یورپ میں ہر روز بے شمار غیر مسلم اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اب امریکہ اور یورپ کو سب سے زیادہ خطرہ اسی تحریک سے ہے۔

بتایئے جب عالمی صورتحال یہ ہو کہ ہر روز سیکڑوں لوگ دنیا کے نقشے پر اسلام کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے اپنے مذاہب سے تائب ہو رہے ہوں۔ پچاس سے زائد اسلامی ممالک قائم اور کئی ایک آزادی کے لئے ہاتھ پیر مار رہے ہوں۔ دو بڑی طاقتیں روس اور برطانیہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار اور تباہی سے دوچار ہوں۔ تیسری بڑی طاقت امریکہ اسلام سے لرزہ براندام ہو، ایسے میں ہم امت مسلمہ کو زوال سے دوچار کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ہاں کچھ چیلنجز درپیش ہیں۔ یہ دور ابتلاء و آزمائش ہے اور ضرورت منصوبہ بندی و محنت کی ہے۔

اللہ رب العالمین عالم اسلام کو اتحاد، یگانگت، فکری ہم آہنگی اور اطاعت احکامات خداوندی کی توفیق دے تو وہ دن دور نہیں کہ دنیا کے نقشے پر سوائے اسلام کے کوئی دوسرا ایمپریا نظر نہ آئے گا۔

عمدہ لکھائی ——— بہترین چھپائی
مسودہ دیجئے ——— کتاب لیجئے
جمیل برادرز
ناظم آباد نمبر ۲، فون: 6608017
مکتبہ جامعہ بنت العلوم
کڑھالہ ، مجاہد آباد آزاد کشمیر براستہ گجرات
marfat.com

اسکول کے بچوں کے لیے

مختصر

نصابِ سیرت

سوالاً جواباً

ترتیب و پیشکش

پروفیسر ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

ناشر

اسکالرز اکیڈمی

پوسٹ بکس نمبر 17887 گلشن اقبال کراچی 75300

marfat.com

مصنف کی دیگر کتب

۱۔ تاریخ نفاذ حدود	۲۔ کاغذی کرنسی کی شرعی حیثیت
۳۔ کریڈٹ کارڈ (تاریخ، تعارف، شرعی حیثیت)	۴۔ بینکوں کے ذریعہ زکوۃ کی کٹوتی کا شرعی تجزیہ
۵۔ بعض جدید مسائل و معاملات کی شرعی حیثیت	۶۔ امام و خطیب کی شرعی و معاشرتی حیثیت
۷۔ کلوننگ (تعارف، امکانات، خدشات، شرعی نقطہ نظر)	۸۔ منتخب مباحث علوم القرآن
۹۔ مختصر نصاب قرآن کریم (بچوں کے لئے)	۱۰۔ مختصر نصاب حدیث (بچوں کے لئے)
۱۱۔ مختصر نصاب سیرت النبی ﷺ (بچوں کے لئے)	۱۲۔ مختصر نصاب فقہ (بچوں کے لئے)
۱۳۔ آسان و مختصر دعائیں (بچوں کے لئے)	۱۴۔ روزہ رکھیے مگر!
۱۵۔ قربانی کیسے کریں؟	۱۶۔ شرعی علوم کی ترویج میں کمپیوٹر کا کردار
۱۷۔ مفتی کون؟ فتویٰ کس سے لیں؟	۱۸۔ انڈیکس شرح صحیح مسلم
۱۹۔ صلیبی جنگیں	۲۰۔ شیئرز کے کاروبار کی شرعی حیثیت
۲۱۔ لوگ کیا کہیں گے؟	۲۲۔ کڑوی روٹی (مرگ کے موقع پر ہونے والی دعوتوں کا شرعی تجزیہ)